فضلاء دیوبند

کی فقہی خدمات

ترتیب

آفتاب غازی قاسمی / عبدالحسیب قاسمی

زیر نگرانی

حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

کتب خانہ نعیمیہ دیوبند

سہارنپور (یوپی)

۱۴

فضلاء دیوبند کی فقہی خدمات — ایک مختصر جائزہ

بسم الله الرحمن الرحيم

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنفِرُوا كَافَّةً ، فَلَوْلَا نَفَرَ
مِن كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي
الدِّينِ ، وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا
إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ ـ(التوبة : ١٢٢)

فضلاء دیوبند کی فقہی خدمات
ایک مختصر جائزہ

جس میں فقہ اسلامی کے تعارف، فضلاء دیوبند کی تالیفات و مجموعہ ہائے فتاویٰ، فضلاء دیوبند کے قائم کردہ فقہی ادارے اور گذشتہ اور موجودہ فقہی شخصیتوں کے حالات و خدمات پر اختصار و جامعیت کے ساتھ روشنی ڈالی گئی ہے، نیز مقدمہ میں دیوبند کے فقہی منہج فکر کو بھی واضح کیا گیا ہے۔

ترتیب

آفتاب غازی قاسمی / عبدالحسیب قاسمی

زیر نگرانی

حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

باہتمام

المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد

طبع اول ۱۴۳۲ھ — ۲۰۱۱ء

کتاب : فضلاء دیوبند کی فقہی خدمات — ایک مختصر جائزہ

ترتیب : آفتاب غازی قاسمی / عبدالحسیب قاسمی

صفحات : ۴۳۹

کمپیوٹر کتابت : محمد نصیر عالم سبیلی (''**العالم**'' اردو کمپیوٹر سنٹر، بیت العلم بارکس، کوتہ پیٹ، حیدرآباد: 9959897621,9396518670)

سن اشاعت : ربیع الاول ۱۴۳۲ھ — فروری ۲۰۱۱ء

قیمت :

باہتمام

المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد

ناشر

کتب خانہ نعیمیہ دیوبند، سہارنپور (یوپی)

ملنے کے پتے

- کتب خانہ نعیمیہ دیوبند، سہارنپور (یوپی)
- المعہد العالی الاسلامی، تعلیم آباد قبا کالونی، شاہین نگر، حیدرآباد
- جامعہ دارالعلوم شرنیاوا ایالہیر یا سرائے، ضلع دربھنگہ، بہار
- ہندوستان پیپر ایمپوریم، مچھلی کمان، حیدرآباد

فہرست مضامین

تیسرا باب : تدوین فقہ، اُصول فقہ اور قواعدِ فقہیہ پر چند تالیفات

چوتھا باب : مسائل فقہیہ پر چند تالیفات

پانچواں باب : فضلاءِ دیوبند کے مطبوعہ فتاوے

چھٹا باب : معہد کے تربیت یافتہ فضلاءِ دار العلوم کی تالیفات

ساتواں باب : فقہی ادارے

آٹھواں باب : گذشتہ فقہی شخصیات

نواں باب : موجودہ فقہی شخصیات

☆ ☆ ☆

مُقَدّمہ
(دارالعلوم دیوبند اور اس کا فقہی منہج)

دارالعلوم کا لفظ اصلاً تو مدرسہ اور درسگاہ کے لئے ہے اور عام طور پر اس لفظ سے ذہن ایک روایتی تعلیم گاہ کی طرف جاتا ہے، لیکن اگر دارالعلوم دیوبند کو بھی ان ہی معنوں میں دارالعلوم کہا جائے، تو یہ اس کے مقاصد واہداف اور مزاج ومذاق سے یا تو ناآگہی ہوگی یا ناانصافی، دارالعلوم محض ایک مدرسہ نہیں، بلکہ ایک تحریک اور مشن ہے، ایک ایسی تحریک جس نے علم دین کی روشنی کو رؤساء واہل ثروت کے عشرت کدوں سے غریبوں اور فاقہ مست مسلمانوں کی جھونپڑیوں تک پہنچایا، جس نے اسلام کے خلاف اُٹھنے والی ہر یورش سے پنجہ آزمائی کی اور اسلام کی فکری سرحدوں کی حفاظت میں ایک لمحہ بھی تغافل کو روا نہیں رکھا، جس کے پیش نظر محض چند کتابوں کا پڑھنا اور پڑھانا اور چند مضامین سے طلبہ کے قلب وذہن کو آشنا کردینا نہیں تھا، علماء اُمت کو اس درد اور تڑپ سے آشنا کرنا تھا، جو ایک نبی کو اپنی امت کے تئیں ہوا کرتا تھا۔

اس تحریک نے اسلام کے خلاف اُٹھنے والے کن طوفانوں کا منہ نہیں موڑا؟ ہندو احیاء پسندی اور آریہ سماجی تحریک کے مقابلہ کون کھڑا ہوا؟ جب عیسائی پادری اور مناظر ملک کے کوچہ کوچہ میں دولت ایمان پر ڈاکہ ڈالنے کے لئے حملہ زن تھے تو بحیثیت جماعت کس نے ان کی شمشیر باطل کو کند کیا؟ جب علی گڑھ سے اعتزال کا فتنہ نئے رنگ وروپ میں ظاہر ہوا اور اس نے نصوص کی اتباع کے مقابلہ عقل پرستی اور خرد بار ہا کی اتباع کا صور پھونکا، تو اجتماعی حیثیت سے کس طبقہ نے اس فتنہ کا مقابلہ کیا اور مسلمانوں کو کتاب وسنت کی ابدی حقیقتوں کا قائل کیا؟

جب انگریزوں کی شہ پر پنجاب سے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے ختم نبوت پر وار کرنے کی کوشش کی گئی تو کن حضرات نے مسیلمۂ وقت سے پنجہ آزمائی میں پیش قدمی کی اور ہندوستان کے کوچہ کوچہ میں اس فتنہ کا تعاقب کیا؟ جب کچھ لوگوں نے قرآن کے نام کا غلط استعمال کر کے حدیث نبوی ﷺ کا انکار کیا اور اس کے اعتبار و استناد کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی تو کن لوگوں نے حدیث کی حفاظت و صیانت کے لئے اپنی قلمی اور ذہنی صلاحیت کو وقف کر دیا؟ جب اس ملک میں عقل و دانش، جمہوریت اور سیکولرزم کے نام پر قانون شریعت کو ہدف بنایا گیا اور مسلمانوں کو ان کے مذہبی اور ثقافتی تشخص سے محروم کرنے کی کوشش کی گئی تو تحفظ شریعت کے جہاد کی سالاری کن لوگوں نے کی؟ اور کس نے سوتوں کو جگایا اور غافلوں کو بیدار کیا؟ ہندوستان میں جنگ آزادی کی تحریک ہو یا آزادی کے بعد مسلمانوں کے خلاف ہونے والی سیاسی سازشیں، طبقۂ علماء میں زیادہ تر کن حضرات کو ان کے مقابلہ کی توفیق میسر آئی؟

کوئی بھی حقیقت پسند مؤرخ اگر ان سوالات کا جواب دینا چاہے تو اس کا جواب ''دیوبند اور علماء دیوبند'' ہی ہوگا، قیام دارالعلوم کے بعد سے اسلام کی دعوت و اشاعت اور اس کے تحفظ و بقاء کا جو بھی کام اس برصغیر میں ہوا ہے، دیوبند یا تو اس تحریک کا میر کارواں رہا ہے یا کم سے کم اس نے ایک مخلص، فرض شناس، جری اور اپنے مقصد سے عشق کی حد تک محبت رکھنے والے سپاہی کی حیثیت سے اس قافلہ میں شرکت اور اپنا فریضہ ادا کرنے کی بھرپور کوشش کی ہے، یا تو جو روشنی پہلے سے موجود تھی، اس نے اس کی کرنوں میں اضافہ کیا یا بیاباں کی شب تاریک میں قندیل رہبانی بن کرامت کے لئے قبلہ نما اور خضر طریق کا کام دیا۔ فرحمھم اللہ رحمة واسعة.

اسلام کی خدمت و اشاعت کا ایک اہم ترین حصہ علوم اسلامی کی خدمت اور اس میدان میں نظر و تحقیق کی وسعت ہے، دارالعلوم کی تاریخ اس باب میں بھی ''ورق ورق روشن'' کا مصداق ہے، کلام و عقیدہ ہو، احسان و تصوف ہو، قرآن کی تفسیر و توضیح ہو، حدیث کی شرح و تبیین ہو، فقہ اور فقہ کے متعلقات ہوں، عربی زبان و ادب اور قواعد و ضوابط کا میدان ہو، تاریخ

وتذکرہ اور سیرت کا موضوع ہو، اُردو زبان کا تعمیری ادب اور شعر وسخن کی دنیا ہو، ہر فن کی آبیاری اور ہر میکدۂ علم کی قدح خواری میں اس نے اپنا کردار ادا کیا ہے، تاہم فقہ وفتاویٰ دیوبند کی خاص جولان گاہِ تحقیق رہا ہے، ہندوستان کی مختلف درسگاہوں کا اپنا اپنا مذاق ہے اور کسی خاص علم کا رنگ اس پر غالب رہا ہے، مدرسۃ الاصلاح سرائے میر نے قرآن مجید کو اپنا موضوع بنایا، مظاہر علوم سہارنپور پر حدیث کا غلبہ رہا، قرآن وحدیث کی زبان بلکہ اسلام کی گویا سرکاری اور ایک الہامی زبان کی حیثیت سے ندوہ نے عربی زبان وادب کو اپنی توجہ کا خاص مرکز بنایا، دیوبند نے گو علوم اسلامی کے ہر شعبہ میں نہایت ہی قیمتی ورثہ چھوڑا ہے اور شاید ہی کسی اور گروہ کے لئے اس کا مقابلہ ممکن ہو، لیکن فقہ دیوبند کی بحث وتحقیق اور فکر ونظر کا خاص مرجع رہا ہے۔

اور اس کی وجہ ظاہر ہے کہ فقہ دراصل تمام علوم اسلامی کا عطر اور نچوڑ ہے۔ وہ قرآن کی عملی ہدایات کا خلاصہ ہے، وہ احادیث احکام کا لب لباب ہے، کتب فقہ میں ردت اور الفاظ کفر کے احکام کو دیکھیں تو گویا عقیدہ وکلام کا کشید ہے، آداب کی جو بحثیں حظر واباحت اور کراہیت کے ذیل میں آجاتی ہیں، وہ احسان وتزکیۂ اخلاق سے مربوط ہیں اور بدعات پر فقہاء کے کلام کا جائزہ لیں تو اس کا مقصد تصوف کے حصۂ صافی کو اجنبی اور غیر اسلامی آمیزش سے بچانا اور محفوظ رکھنا ہے، جو شخص عربی زبان وادب، طریقۂ کلام اور قواعد اظہار سے واقف نہ ہو اور الفاظ وحروف کے دائرہ اثر کو سمجھنے پر قادر نہ ہو، وہ فقہی استنباط میں ایک قدم آگے نہیں بڑھ سکتا، گویا کوئی فقیہ ادب اور زبان وبیان کے عصری اسالیب سے بھی نابلد نہیں رہ سکتا، اس لئے یہ کہا جائے تو غلو اور مبالغہ نہ ہوگا کہ فقہ گویا تمام علوم اسلامی کا عطر اور خلاصہ ہے؛ اسی لئے تاریخ کی بہترین ذہانتیں اس میدان میں صرف ہوئیں اور یہ کوئی مذہبی خوش عقیدگی اور قومی تفاخر نہیں کہ آج دنیا میں کوئی نظام قانون خالص مادی نقطۂ نظر سے بھی ایسا جامع، انسانی ضروریات سے ہم آہنگ، فطرت انسانی کا آئینہ دار اور اپنے وقت ہی کے نہیں بلکہ مستقبل میں پیدا ہونے والے مسائل ومشکلات کو حل کرنے کی صلاحیت سے مالا مال نہیں، جیسا کہ یہ نظام قانون ہے؛ بلکہ آج مشرق ومغرب کا کوئی مہذب قانون نہیں جس نے اسلامی قانون اور بالخصوص اسلام

کے شخصی قوانین سے خوشہ چینی نہ کی ہو، اس لئے اگر دیوبند پر فقہ کی چھاپ گہری ہو اور اس کا رنگ غالب ہو تو چنداں باعث تعجب نہیں۔

دیوبند کا امتیاز افراط و تفریط کی پگڈنڈیوں کے درمیان سے اعتدال کی شاہراہ تعمیر کرنا ہے، دیوبند یقیناً ارباب حق اور اہل اللہ کے مسلک یعنی مذہب اہل سنت والجماعت کا ترجمان ونقیب ہے، لیکن اس کے پاس ''یافت'' کے ساتھ ''دریافت'' بھی ہے، اس نے سلف صالحین کی قائم کی ہوئی فکر وعمل کی سرحدوں کے دائرہ میں رہتے ہوئے نئے راستے بھی دریافت کئے ہیں، مثلاً دیوبند کا مسلکِ فقہی ''حنفیت'' ہے، لیکن علم کلام کی تشریح وتوضیح میں اس نے ماتریدی نقطۂ نظر پر انحصار نہیں کیا، وہ ماتریدی بھی ہے اور اشعری بھی اور بہت سے مقامات پر صفاتِ باری وغیرہ کی توضیح میں علماء دیوبند نے حنبلی نقطۂ نظر کو بھی اختیار کیا ہے، احسان وتصوف دیوبند کے خون میں رچا بسا ہے، بانیِ دارالعلوم اور ان کے رفقاء سے لے کر آج تک ہر عہد میں دیوبند سے ایسے ذاکرین وشاغلین اور اصحاب اصلاح پیدا ہوتے رہے ہیں جنھوں نے بیعت کو صالح انقلاب اور تزکیہ نفس کا ذریعہ بنایا؛ لیکن تصوف میں جو باتیں صوفیاء کے ذاتی مذاق پر مبنی تھیں اور جن کے لئے کتاب وسنت کی نصوص میں کوئی سند نہیں تھی، دیوبند نے کبھی ان کو درخور اعتناء نہیں سمجھا؛ بلکہ بہت سی وہ باتیں جو مشاہیر صوفیاء کے یہاں موجود تھیں، ان کو بدعت کہنے میں بھی تامل نہیں برتا، یہاں تک کہ دیوبند کے شیخین حضرت نانوتویؒ اور حضرت گنگوہیؒ نے خود اپنے شیخ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ سے بعض مسائل کی بابت بے تکلف اختلاف کیا۔

فقہ حنفی کے متبع ہونے کی حیثیت سے دیوبند نے ہر جگہ احادیث کی تعبیر وتشریح میں فقہاء عراق ہی کے طریقہ کی پیروی نہیں کی، بلکہ بہت سے مقامات پر فقہاء حجاز اور محدثین کے نقش قدم کو بھی سرمۂ حیات بنایا اور احادیث میں خصوصیت سے ترجیح سے زیادہ تطبیق وتوفیق کی راہ اختیار کی، دیوبند کا یہی رنگ اعتدال فقہ میں بھی نمایاں ہے، اگر کوئی شخص دقتِ نظر کے ساتھ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، حضرت مولانا سید انور شاہ کشمیریؒ اور حضرت مولانا اشرف علی

تھانویؒ کی فقہی آراء اور شرح حدیث کے ذیل میں ان کی توجیہات وتشریحات دیکھے گا تو یقیناً اس بات کو محسوس کرے گا کہ دیو بند نے ائمہ کی تقلید شخصی کو نفس پرستی کے فتنہ سے بچانے کے لئے یقیناً ضروری سمجھا ہے اور ان کا یہ سمجھنا موجودہ حالات میں حرف بہ حرف درست ہے، لیکن وہ اس جامد اور غالی تقلید کے بھی روادار نہیں تھے جو علماء کے ایک گروہ میں پایا جاتا تھا اور جس کی وجہ سے بعض اوقات ''شارع'' اور ''شارح'' کا فرق مٹتا ہوا محسوس ہوتا ہے، جہاں وہ ترک تقلید کو اُصولی طور پر فتنۂ کبریٰ سمجھتے تھے، وہیں بعض جزوی مسائل میں ظاہر نص کے تقاضوں کو سامنے رکھ کر یا زمانہ کی ضرورتوں کے تحت فقہ حنفی سے عدول کو بھی ورع وتقویٰ کے خلاف نہیں جانتے تھے، بعض دفعہ علامۃ المسلمین کی مشکلات کو حل کرنے کے لئے اور بعض دفعہ موجودہ حالات کے پس منظر میں اباحیت اور فساد فکر وعمل سے بچانے کے لئے وہ دوسرے فقہاء سے بھی استفادہ کرتے تھے، وہ اپنے مشائخ وفقہاء کے اجتہادات اور تفریعات کا تتبع بھی کرتے تھے، لیکن اس چیز نے کبھی ان کو کتاب وسنت کی نصوص سے دور نہیں کیا اور مستغنی نہیں بنایا، فکر ونظر کا یہ اعتدال دیو بند کی سب سے قیمتی متاع، اس کی وجہ شناخت اور اس کا تمغۂ امتیاز ہے اور ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اخلاف واصاغر اپنے اسلاف واکابر کے اس منہج ومسلک کو پورے حزم واحتیاط اور ساتھ ہی ساتھ وسعت قلبی اور فراخ چشمی کے ساتھ سمجھیں اور اس کو اپنے لئے دلیل راہ بنائیں۔

علماء دیو بند کے مسلک ومشرب اور مزاج ومذاق کے غالباً سب سے بڑے نقیب وترجمان حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ نے دار العلوم کے مسلک پر ان الفاظ میں روشنی ڈالی ہے :

> علمی حیثیت سے یہ ولی اللّٰہی جماعت مسلکاً اہل سنت والجماعت ہے، جس کی بنیاد کتاب وسنت اور اجماع وقیاس پر قائم ہے، اس کے نزدیک تمام مسائل میں اولین درجہ نقل روایت اور آثار سلف کو حاصل ہے، جس پر پورے دین کی عمارت کھڑی ہوئی ہے، اس

کے یہاں کتاب وسنت کی مراد محض قوتِ مطالعہ سے نہیں ؛ بلکہ اقوالِ سلف اور ان کے متوارث مذاق کی حدود میں محدود رہ کر نیز اساتذہ اور شیوخ کی صحبت و ملازمت اور تعلیم و تربیت ہی سے متعین ہوسکتی ہیں، اسی کے ساتھ عقل و درایت اور تفقہ فی الدین بھی اس کے نزدیک فہم کتاب وسنت کا ایک بڑا اہم جزو ہے، وہ روایات کے مجموعے سے شارح علیہ السلام کی غرض و غایت کو سامنے رکھ کر تمام روایات کو اسی کے ساتھ وابستہ کرتا ہے اور سب کو درجہ بدرجہ اپنے اپنے محل پر اس طرح چسپاں کرتا ہے کہ وہ ایک ہی زنجیر کی کڑیاں دکھائی دیں، اس لئے جمع بین الروایات اور تعارض کے وقت تطبیق احادیث اس کا خاص اُصول ہے، جس کا منشاء یہ ہے کہ وہ کسی ضعیف سے ضعیف روایت کو بھی چھوڑنا اور ترک کر دینا نہیں چاہتا، جب تک کہ وہ قابل احتجاج ہو، اسی بنا پر اس جماعت کی نگاہ میں نصوص شرعیہ میں کہیں بھی تعارض اور اختلاف محسوس نہیں ہوتا، بلکہ سارے کا سارا دین تعارض اور اختلاف سے مبراہ کر ایک ایسا گلدستہ دکھائی دیتا ہے، جس میں ہر رنگ کے علمی و عملی پھول اپنے اپنے موقع پر کھلے ہوئے نظر آتے ہیں، اسی کے ساتھ بطریق اہل سلوک، جو رسمیات اور رواجوں اور نمائشی حال وقال سے مبرا اور بری ہے، تزکیۂ نفس اور اصلاحِ باطن بھی اس کے مسلک میں ضروری ہے۔ (تاریخ دارالعلوم: ۴۲۴-۴۲۵)

حلقۂ دیوبند میں حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کو تفقہ میں جو درجہ و مقام حاصل تھا، وہ محتاج اظہار نہیں، حضرت تھانویؒ احکام فقہیہ میں سختی سے تقلید کے قائل تھے، لیکن تقلید میں غلو کو بھی اسی درجہ ناپسند فرماتے تھے، مولانا تھانویؒ نے تقلید کی حقیقت کو سمجھاتے ہوئے لکھا ہے :

تقلید کی حقیقت یہ نہیں ہے کہ امام کے قول کو حدیث وقرآن سے زیادہ سمجھا جاتا ہے، بلکہ یہ حقیقت ہے کہ ہم کو اتنا علم نہیں، جتنا کہ ان فقہاء کو تھا، جنھوں نے فقہ کو مرتب کیا، نصوص سے جس فہم اور احتیاط کے ساتھ وہ مسائل کا استخراج کر سکتے تھے، ہم نہیں کر سکتے۔ (وعظ الصالحین: ۳۱)

ایک اور موقعہ پر تقلید شخصی کے موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

اس حکم کو مقصود بالذات سمجھنا بے شک بدعت ہے، لیکن مقصود بالغیر سمجھنا یعنی مقصود بالذات کا مقدمہ سمجھنا یہ بدعت نہیں بلکہ طاعت ہے۔ (بوادر النوادر: ۷۹)

اگر کسی فقہی جزئیہ کے مقابلہ میں نص صریح مل جائے تو کیا رویہ ہونا چاہئے؟ اس سلسلہ میں فرماتے ہیں:

اگر کسی اور جزئی میں بھی ہم کو معلوم ہو جائے کہ حدیث صریح نصوص کے خلاف ہے تو چھوڑ دیں گے اور یہ تقلید کے خلاف نہیں۔ (حسن العزیز: ۲/۲۷۰)

ایک موقع پر فرماتے ہیں:

بعض اہل تعصب کو ائمہ کی تقلید میں ایسا جمود ہوتا ہے کہ وہ امام کے قول کے سامنے احادیث صحیحہ غیر معارضہ کو بے بھڑک رد کر دیتے ہیں، میرا تو اس سے رونگٹا کھڑا ہو جاتا ہے۔ (اشرف المعلومات: ۱۹)

ایک اور موقع پر رقم طراز ہیں:

اگر امام کی دلیل سوائے قیاس کے کچھ نہ ہو اور حدیث معارض موجود ہو تو قول امام چھوڑ دیا جاتا ہے، جیسے "ما أسکر کثیرہ فقلیلہ حرام" میں ہوا ہے کہ امام صاحبؒ نے قدر غیر مسکر کو

> جائز کہا ہے اور حدیث میں اس کے خلاف کی تصریح موجود ہے، یہاں امام صاحبؒ کے قول کو چھوڑ دیتے ہیں، مگر اس کے لئے بڑے تبحر کی ضرورت ہے۔ (حسن العزیز: ۱۴ر۳۹۷)

احکام فقہیہ میں استدلال کا کیا طریقہ ہونا چاہئے؟ اس بارے میں لکھتے ہیں :

> توحید و رسالت اور عقائد اصل ہیں اور قطعی دلائل پر قائم ہیں، اس میں مذاہب حقہ سب شریک ہیں، آگے فروع ہیں، جس کے دلائل خود ظنی ہیں، اُن میں کسی جانب کا جزم کر لینا احداث فی الدین ہے، اس لئے مذہب حنفی کے کسی مسئلہ کو اس طرح ترجیح دینا کہ شافعی مذہب کے ابطال کا شبہ ہو، یہ طرز پسندیدہ نہیں۔ (انفاسِ عیسیٰ: ۶۳۳)

حضرت تھانویؒ کا جو انداز فکر ہے، یہی طریقۂ استنباط حضرت گنگوہیؒ کے یہاں بھی ملتا ہے، گو ان کے یہاں شاید اس قدر صراحت کے ساتھ یہ باتیں نہ ملیں، لیکن احادیث میں تطبیق و ترجیح کے باب میں مولانا گنگوہیؒ کے یہاں بھی اس کی مثالیں ملتی ہیں، خود مولانا تھانویؒ کا بیان ہے :

> میرا ارادہ تھا کہ ایک رسالہ احکام معاملات میں ایسا لکھوں کہ جن معاملات میں عوام مبتلا ہیں، اگر وہ صورتیں کسی مذہب میں بھی جائز ہوں تو اس کی اجازت دے دوں، تاکہ مسلمانوں کا فعل کسی طرح سے تو صحیح ہو سکے، میں نے احتیاطاً اس کے بارے میں حضرت مولانا گنگوہیؒ سے بھی دریافت کیا کہ ایسے مسائل میں دوسرے مذہب پر فتویٰ دینا جائز ہے یا نہیں؟ تو حضرت نے بھی اجازت دے دی؛ مولانا بہت پختہ حنفی تھے۔ ([illegible])

اور یہ توسع خدانخواستہ نفس پرستی پر مبنی نہیں تھا؛ بلکہ مقصد یہ تھا کہ لوگوں میں شریعت [illegible]

محبت پیدا ہو اور وہ اپنے اوپر احکام شریعت کو بوجھ نہ سمجھنے لگیں؛ چنانچہ مولانا تھانویؒ فرماتے ہیں :

مختلف فیہ مسائل میں وسعت دینی چاہئے ، اس طرح ایک تو
شریعت سے محبت ہوگی، دوسرے آرام رہے گا۔ (انفاس عیسیٰ: ۳۲۲/۲)

اگر کوئی شخص نصوص اور فقہاء کے اجماع واتفاق سے آزاد ہو کر فتویٰ دینے لگے، مقصد شریعت کے پردہ میں خود شریعت ہی سے آزاد ہونا اور اپنے کاندھوں سے تکلیف کے بوجھ کو اتار پھینکنا ہو اور اس کے لئے شذوذ ونوادر کی تلاش کی جائے اور اس کو مہمیز بنا کر خواہشاتِ نفس کی اتباع کا دروازہ کھولا جائے، تو یہ اباحیت ہے، جو ضلالت وگمراہی اور زیغ وکجروی ہی نہیں؛ بلکہ بعض اوقات انسان کو کفر کے دروازہ تک پہنچا دیتی ہے، اعاذنا اللہ منہ، لیکن امت کی واقعی ضروریات کو دیکھتے ہوئے کتاب وسنت کی نصوص ، ائمہ متبوعین کے اجتہادات اور مشائخ مذہب کے فتاویٰ اور تخریجات کے دائرہ میں رہتے ہوئے کسی خاص جزئیہ میں فقہی عدول سے کام لیا جائے، بلکہ اپنے زمانہ کے احوال اور عادات کی روشنی میں ان احکام کی تطبیق کی جائے، تو یہ دین سے بے دینی کی طرف نہیں ، بلکہ دین سے دین کی طرف سفر ہے، اس کا مقصد لوگوں میں شریعت اسلامی کی محبت پیدا کرنا ہے، اس کا منشاء یہ بتانا ہے کہ دین ایسا بوجھ نہیں جسے اٹھایا نہ جا سکے، بلکہ اس کے دامن میں بڑی فراخیاں اور وسعتیں ہیں، اس کا مقصود لوگوں میں یقین پیدا کرانا ہے، کہ شریعت میں ہر عہد کی مشکلات اور انسانی ضروریات کا حل موجود ہے اور انسان کے واقعی اور حقیقی مسائل کو حل کرنے لئے شریعت کے دائرہ سے باہر جانے کی ضرورت نہیں؛ بلکہ قواعد شرع کے دائرہ میں رہتے ہوئے اپنے عہد اور زمانہ پر اس کی تطبیق کی ضرورت ہے۔

یہ ہے وہ فقہی منہج جو بزرگانِ دیوبند نے اپنے اخلاف کے لئے دیا ہے، جس میں تقلید بھی ہے، تمام فقہاء ومحدثین کا احترام بھی، نصوص کا اہتمام بھی اور سلف صالحین کے اجتہادات سے ارتباط بھی، جس میں احتیاط اور اباحیت سے حفاظت بھی ہے اور اُمت کی حقیقی ضرورتوں کا حل اور وسیع الفکری بھی؛ احکام شریعت کی تشریح وتوضیح میں سلف صالحین کے اجتہادوبیان سے آزاد ہو جانا بھی دیوبندیت نہیں اور تقلید میں جمود وغلو اور نصوص کے ''شارحین'' کو ''شارعین''

کا درجہ دے دینا بھی دیوبندیت نہیں اور شاید اسی کا نام "فکرِ ولی اللّٰہی" ہے، جس کو تمام بزرگانِ دیوبند نے اپنی فکر کا اصل مرجع ومنبع اور سرچشمہ قرار دیا ہے۔

یہ کتاب جو اس وقت قارئین کے سامنے ہے، کا محرک یہ ہوا کہ 'المعہد العالی الاسلامی' کے قیام کے بعد ہی سے جہاں قرآن وحدیث، فقہ اور دعوہ سے متعلق اہم مسائل پر علمی وتحقیقی کام کرایا جاتا ہے، وہاں اس بات کی بھی کوشش کی جاتی ہے کہ مختلف حلقوں اور علاقوں کی اہم خدمات کا تعارف سامنے آئے؛ کیوں کہ سلف کی خدمات خلف کے لئے مشعل راہ ہوتی ہیں، بزرگوں کے کام کو دیکھ کر خوردوں کو حوصلہ ملتا ہے، گذرے ہوئے لوگوں کی خدمات اگر سامنے آئیں تو ایک تو ان اہل علم پر اعتماد بڑھتا ہے، دوسرے اپنے اندر بھی جذبۂ خدمت انگڑائی لینے لگتا ہے، اس طرح علمی کاموں میں تسلسل باقی رہتا ہے؛ چنانچہ معہد نے علماء دیوبند کی خدمت حدیث، علماء گجرات کی خدمت حدیث اور علماء بہار کی خدمت حدیث پر اہم مقالات لکھوائے ہیں، اسی طرح علماء دکن کی فقہی خدمات پر ایک فاضل نے قلم اُٹھایا ہے، برصغیر کی ایک ممتاز دینی درسگاہ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کی فقہی خدمات پر ایک تفصیلی مقالہ مولوی منور سلطان ندوی کے قلم سے مرتب ہو کر شائع ہو چکا ہے، جسے بحمد اللہ اہل علم کے درمیان بڑی پذیرائی حاصل ہوئی ہے اور یہ معہد میں تربیت کے دوران لکھا گیا پہلا مقالہ ہے، جو کتابی شکل میں شائع ہوا ہے۔

اس کے بعد سے ہی دل میں تقاضا تھا کہ دیوبند کی فقہی خدمات پر بھی اسی طرح کام کیا جائے، مختلف اہل علم کی طرف سے بھی اس کا تقاضا ہو رہا تھا؛ چنانچہ عزیزی مولوی عبد الحسیب قاسمی سلمہ کو اس حقیر نے یہ موضوع حوالہ کیا، مقالہ کے لئے ذیلی عنوانات مقرر کئے اور انھوں نے اس کام کو شروع کیا، ایک سال میں یہ کام موضوع کے پھیلاؤ کی وجہ سے پورا نہ ہو سکا اور نامکمل ہونے کی وجہ سے اس کی اشاعت مناسب محسوس نہیں ہوئی، اللہ جزائے خیر دے عزیزی مولوی آفتاب غازی قاسمی سلمہ کو، جو اس وقت معہد کے شعبۂ تحقیق

کے رفقاء میں ہیں، اس حقیر نے ان سے خواہش کی کہ وہ اس کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچائیں، ماشاء اللہ انھوں نے بڑی خوش اُسلوبی کے ساتھ نہ صرف باقی ماندہ عنوانات کو مکمل کیا؛ بلکہ جو حصہ ان۔ کے پیش رو کا کیا ہوا تھا، اس میں بھی جہاں کہیں اضافہ کی ضرورت محسوس کی گئی، یا اس حقیر نے مشورہ دیا: سے بھی انھوں نے مکمل کیا، اس طرح اس کتاب میں درج ذیل ابواب مولوی عبدالحسیب قاسمی سلمہ کے لکھے ہوئے ہیں :

پہلا باب: تحریک دارالعلوم دیوبند۔

دوسرا باب: فقہ اسلامی کا مختصر تعارف۔

تیسرا باب: تدوین فقہ، اصول فقہ اور قواعد فقہیہ پر چند تالیفات۔

چوتھا باب: مسائل فقہیہ پر چند تالیفات۔

جن کے مجموعی صفحات (۶۴) ہیں۔

اور درج ذیل ابواب مولوی آفتاب غازی قاسمی سلمہ کے قلم سے ہیں — پانچواں باب: فضلاء دیوبند کے مطبوعہ فتاوے، چھٹا باب: معہد کے تربیت یافتہ فضلاء دیوبند کی فقہی تالیفات، ساتواں باب: فقہی ادارے، آٹھواں باب: گذشتہ فقہی شخصیات، نواں باب: موجودہ فقہی شخصیات — جن کے مجموعی صفحات (۳۲۷) ہیں، اللہ تعالیٰ ان دونوں عزیزوں کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

اگر مسلک دیوبند کے حامل اہل علم ونظر کی تحریروں کو شامل کرلیا جاتا تب تو علماء دیوبند کی خدمت کا دائرہ بہت وسیع ہوجاتا؛ بلکہ اگر بانیانِ دیوبند، اور ابنائے دیوبند کی خدمات کا احاطہ کیا جاتا تو یہ بھی کچھ کم نہیں، اسی لئے اسی دوسرے پہلو سے دیوبند کی فقہی خدمات پر طائرانہ نظر ڈالی گئی ہے، یہ موضوع تشنہ رہ جاتا اگر اس میں فقہ کے سلسلہ میں علماء دیوبند کی فکر اور اس کے منہج کو واضح نہیں کیا جاتا، اس سلسلہ میں معہد کے ایک فاضل مولوی جمیل اختر ندوی سلمہ نے ''علماء دیوبند اور افتاء بمذہب الغیر'' کے عنوان' سے اپنا مقالہ لکھا،

جوانشاء اللہ آئندہ شائع ہوگا، تاہم اس حقیر نے اپنے ایک مقالہ میں اس پہلو پر اختصار کے ساتھ روشنی ڈالی ہے، یہ مقالہ دار العلوم اسلامیہ بستی (یو پی) کی دعوت پر ''علماء دیو بند کی فقہی خدمات'' کے عنوان سے لکھا گیا تھا، جس کو اہل علم کے حلقہ میں بڑا پسند کیا گیا اور ہند و پاک کے کئی رسائل نے اس کو شائع کیا، اب یہ مقالہ اس حقیر کی تالیف: ''فقہ اسلامی — تدوین وتعارف'' کا حصہ ہے، اس کی ابتدائی سطور جو ''علماء دیو بند کے فقہی منہج'' سے متعلق ہیں، آپ نے ابھی اس مقدمہ میں ملاحظہ فرمالیں، انشاء اللہ یہ کم سواد سطریں اگر چہ کہ اس موضوع کا حق ادا نہیں کرسکتیں؛ لیکن ایک حد تک موضوع کو واضح کرتی ہیں۔

آج جب کہ یہ کتاب اشاعت کے لئے جاری ہے بے حد خوشی و مسرت کا احساس ہورہا ہے کہ :

نام نیک رفتگاں ضائع مکن

کے مطابق انشاء اللہ یہ تحریر نوجوان فضلاء میں علمی وتحقیقی کاموں کا حوصلہ پیدا کرے گی، اپنے بزرگوں کی کاوشوں سے فائدہ اُٹھانے کے لئے محرک بنے گی اور وہ اس سے روشنی حاصل کرسکیں گے۔

وباللہ التوفیق وھو المستعان .

۱۰ رمحرم الحرام ۱۴۳۲ھ — خالد سیف اللہ رحمانی

۱۷ ردسمبر ۲۰۱۰ء — (ناظم المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد)

☆ ☆ ☆

حرفِ آغاز

دارالعلوم دیوبند محض ایک ادارہ نہیں؛ بلکہ ایک تحریک ہے، جس کا مقصد ہندوستان میں اسلام کی نشاۃ ثانیہ اور مسلمانوں کی صحیح اسلامی خطوط پر رہنمائی ہے اور دارالعلوم دیوبند اپنے شروع زمانۂ قیام سے ہی اس فریضہ کو بڑی خوبی کے ساتھ انجام دیتا آرہا ہے؛ چنانچہ دارالعلوم کے فضلاء اور متعلقین نے ہمیشہ تفسیر، حدیث، کلام، ادب اور فلسفہ کے علاوہ عامۃ الناس کی رہنمائی کے لئے فقہ وفتاویٰ پر خصوصی توجہ دی ہے۔

اسلام ایک ابدی اور آفاقی مذہب ہے، نئے مسائل کا حل اور نئی ضروریات کی تکمیل ہمیشہ ہر دور کے اصحابِ نظر علماء اور فقہاء نے کی ہے، ان میں سے سرفہرست امام ابوحنیفہؒ اور ان کے تلامذہ ہیں، جن کو فقہ اسلامی کی باضابطہ تدوین کا اعزاز حاصل ہوا اور جن کی فقہ کو علماء اہل سنت میں سب سے زیادہ پذیرائی حاصل ہوئی، ہندوستان میں آزادی سے پہلے گیارہویں صدی ہجری تک فقہ وفتاویٰ میں دہلی (خصوصاً مدرسہ رحیمیہ) کو مرکزیت حاصل رہی؛ لیکن جب ۱۲۸۳ھ مطابق ۱۸۶۶ء میں دارالعلوم دیوبند قائم ہوا اور اس کو حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور فقیہ النفس حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ جیسی شخصیتوں کی سرپرستی حاصل ہوئی تو دارالعلوم دیوبند پورے ہندوستان؛ بلکہ برصغیر کے لئے فقہ وفتاویٰ کا مرکز بن گیا اور دارالعلوم سے ہمیشہ ایسے اہل علم پیدا ہوتے رہے، جنھوں نے فقہ وفتاویٰ کو اپنی توجہ کا خاص مرکز اور اپنی خدمات کا مخصوص میدان بنایا؛ چنانچہ اس میدان میں دارالعلوم کی مرکزیت آج بھی برقرار ہے اور بقول قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ: ''دارالعلوم دیوبند کو فقہ وفتاویٰ میں بلاشبہ قیادت کا مرتبہ حاصل ہے''۔

دار العلوم دیوبند کے فضلاء نے مختلف پہلوؤں سے فقہ کی خدمات انجام دی ہیں، انھوں نے مدارس اور فقہی ادارے قائم کیے، فقہی مجالس وسیمینار کی قیادت کی، فقہی کتابیں تالیف کیں، قدیم فقہی کتابوں کی تشریح وتسہیل کا فریضہ انجام دیا، نئے مسائل کے حل کی کوششیں کیں، عوام الناس کی رہنمائی کے لئے فتوے لکھے اور ان کو شائع کیا، مختلف فقہی مسائل میں زبانی اور تحریری طور پر اُمت کی رہنمائی کی، فقہ حنفی پر کیے جانے والے اعتراضات کا جواب دیا اور حکومتی سطح پر اگر کوئی خلاف شرع قانون مسلمانوں پر تھوپنے کی کوشش کی گئی تو حکومت اور عدالت کے سامنے اسلامی موقف کی وضاحت کی، غرض فقہ کا کوئی پہلو ایسا نہیں ہے، جس میں فضلاء دیوبند نے قابل ذکر خدمت انجام نہ دی ہو۔

فضلاء دیوبند کی ان تمام خدمات کا تعارف مشکل ترین امر اور طویل وقت کا متقاضی ہے؛ اس لئے اس مقالہ میں محض نمونہ کے طور پر فضلاء دیوبند کی فقہی خدمات کے چند گوشوں پر مختصر روشنی ڈالی گئی ہے اور دار العلوم دیوبند سے خوشہ چینی کا حق ادا کرنے کی ادنیٰ سی کوشش کی گئی ہے، جن بزرگوں سے براہ راست استفادہ کا موقع نہیں مل سکا، ان کی خدمات کے تذکرہ کے بہانے ان کی زندگیوں کو پڑھنے اور احباب کے سامنے ان کو پیش کرنے کا موقع، جہاں ہم کہتروں کے لئے سعادت کی بات ہے، وہیں یہ جذبہ بھی کارفرما ہے کہ ان بزرگوں کی زندگی، ان کی محنت وکوشش، ان کا اخلاص وللّٰہیت اور قوم وملت سے ان کی ہمدردی، ہم لوگوں کو بھی اپنے مستقبل کا خاکہ اور زندگی کا لائحۂ عمل مرتب کرنے میں ممد ومعاون ثابت ہو؛ کیوں کہ یہ سچ ہے کہ گذری ہوئی بہاریں خزاں رسیدہ چمن کے پودوں میں بھی ذوقِ نمو پیدا کردیتی ہیں۔

زیر نظر مقالہ کو نو ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے، پہلے باب میں دار العلوم دیوبند اور اس کے قیام کے مقصد کو واضح کیا گیا ہے، دوسرے باب میں فقہ اسلامی کا مختصر تعارف کرایا گیا ہے، تیسرے باب میں تدوین فقہ، اُصولِ فقہ اور قواعد فقہیہ پر فضلاءِ دیوبند کی تالیفات کا تعارف ہے، چوتھے باب میں عام مسائل فقہیہ پر فضلاء دیوبند کی تالیفات کا ذکر ہے،

پانچویں باب میں فضلاء دیوبند کے مطبوعہ فتاوے کا ذکر ہے، چھٹے باب میں ان مقالات و تالیفات کا ذکر ہے، جو نوجوان فضلاء دارالعلوم نے المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد کے زمانۂ قیام میں ترتیب دی ہیں؛ البتہ اس بات کی وضاحت مناسب معلوم ہوتی ہے کہ چوں کہ علماء دیوبند کی فقہی تصنیفات کا دائرہ بہت وسیع ہے، نیز یہ فضلاء ایشیاء سے یورپ و امریکہ تک میں پھیلے ہوئے ہیں، اس لئے یقینی طور پر بعض کتابوں کا ذکر رہ گیا ہوگا، اُمید کہ قارئین مرتبین کو اس سلسلہ میں معذور سمجھیں گے۔

ساتویں باب میں چند ایسے فقہی اداروں کا تعارف کرایا گیا ہے، جنھیں دارالعلوم کے کسی فاضل نے قائم کیا ہے، یا وہاں نمایاں طور پر خدمت انجام دی ہے، آٹھویں باب میں دارالعلوم سے فارغ چند گذشتہ شخصیتوں کے حالات و خدمات پر روشنی ڈالی گئی ہے اور نویں باب میں چند موجودہ شخصیتوں کا ذکر کیا گیا ہے، جس سے یہ اندازہ لگانا آسان ہو جاتا ہے کہ یہ فضلاء کس طرح اپنے اکابر کی مثال کو باقی رکھے ہوئے ہیں اور فقہ و فتاویٰ کی خدمت کا یہ سلسلہ کس طرح اب بھی جواں اور تازہ دم ہے۔

یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ ہندوستان کے بیشتر فقہی اداروں کو فضلاء دیوبند کی خدمات حاصل ہیں، نیز ہندوستان سے باہر بھی بہت سے ادارے علماء دیوبند کی کاوشوں کا ثمرہ ہیں؛ لیکن سبھی اداروں کا احاطہ دشوار تھا؛ اس لئے ہندوستان کے چند معروف اور اہم اداروں کا ذکر کیا گیا ہے، اسی طرح شخصیتوں میں بھی ایسے نام رکھے گئے ہیں، جو معروف ہیں اور جن کی خدمات اس باب میں نمایاں ہیں، اس لئے ہوسکتا ہے کہ بعض قابل ذکر شخصیتوں کے کا نام نہ آسکے ہوں — موجودہ فقہی شخصیتوں میں بہت سوں سے تو رابطہ نہیں ہوسکا، بہت سو کے پاس خطوط اور معلومات حاصل کرنے کے لئے فارم بھیجے گئے، مگر ان کو خط نہیں مل سکا یا ان کا جواب یہاں تک نہیں پہنچ سکا اور بہت سے حضرات کی فقہ میں بھی اگر چہ کچھ خدمات ہیں، مگر حدیث و تفسیر یا کسی دوسرے فن میں ان کے ممتاز ہونے کی وجہ سے ان کے نام فقہی شخصیات میں شامل نہیں کئے گئے، تاہم بعض ایسی شخصیات کا ذکر آگیا ہے، جن کی دارالعلوم دیوبند سے

گو باضابطہ فراغت نہیں ہے، مگر انھوں نے دارالعلوم میں رہ کر فتاویٰ نویسی کی خدمات انجام دی ہیں — غرض اس مقالہ میں مرتبین کو دیوبند کی خدمات کے احاطہ کا دعویٰ نہیں؛ بلکہ فقہ وفتاویٰ میں دارالعلوم کی وسیع خدمات کے چند گوشوں کا مختصر تعارف مقصود ہے...

یہ موضوع دراصل ہمارے محترم دوست مولوی عبدالحسیب قاسمی کے سپرد کیا گیا تھا؛ لیکن موضوع چوں کہ بہت پھیلا ہوا تھا اور کام بھی اسی انداز سے شروع کیا گیا تھا؛ اس لئے یہ کام ایک سال میں مکمل نہیں ہوسکا، مولانا موصوف نے شروع کے دو ابواب — تحریک دارالعلوم دیوبند اور فقہ اسلامی کے تعارف — پر کافی تفصیلی بحث کی تھی، جس کی وجہ سے تیسرے باب میں فضلاء دیوبند کی چند ہی تالیفات کا تعارف ہوسکا کہ سال ختم ہوگیا، بعد میں یہ محسوس کیا گیا کہ شروع کے دو ابواب تمہیدی ہیں؛ اس لئے انھیں مختصر رکھا جانا چاہئے اور اصل موضوع کے مناسب فضلاء دیوبند کی فقہی خدمات کے مختلف گوشوں — مثلاً فقہی ادارے، گذشتہ فقہی شخصیات، موجودہ فقہی شخصیات وغیرہ — پر روشنی ڈالی جانی چاہئے۔

میں بہت ممنون وشکر گذار ہوں استاذ محترم حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی کا، کہ اس اہم کام کی تکمیل کے لئے آپ کی نظر عنایت اس حقیر پر پڑی، جس وقت آپ نے اس کام کو مکمل کرنے کا حکم دیا وہ میرا ''تربیت تحقیق'' کا سال تھا، اس سے قبل دو سال معہد میں گذار چکا تھا اور دوسرے سال ''مضاربت — احکام وتطبیقات'' کے موضوع پر اپنا سندی مقالہ بھی لکھ چکا تھا؛ چنانچہ حضرت الاستاذ نے اس اُمید پر یہ ذمہ داری اس حقیر کے سپرد کی کہ یہ کام بھی وقت پر مکمل ہوسکے گا اور میں نے اسے اپنے لئے سعادت اور مادر علمی دارالعلوم دیوبند کا ایک حق سمجھتے ہوئے قبول کرلیا اور دوسرے تحقیقی کاموں کے ساتھ اس کام کو بھی شروع کردیا، مولانا نے کام کی پوری نوعیت سمجھائی، مقالہ کا مقصد — فقہ وفتاویٰ کے مختلف گوشوں میں فضلاء دیوبند کی خدمات کا مختصر نمونہ پیش کرنا — واضح کیا، کئے گئے کاموں کا بار بار جائزہ لیتے رہے اور کام میں تیزی پیدا کرنے کی تلقین کرتے رہے، اس طرح مولانا کی توجہات سے بحمد اللہ یہ کام مکمل ہوا۔

اس مقالہ میں مولانا کے حسب ہدایت شروع کے دوتمہیدی ابواب کو مختصر کردیا گیا ہے، تیسرے باب میں کتابوں کے تعارف میں تدوین فقہ، تاریخ فقہ، اُصولِ فقہ اور قواعد فقہیہ پر فضلاء دیوبند کی تالیفات کو الگ رکھا گیا ہے اور عام مسائل فقہیہ سے متعلق کتابوں کے تعارف کو الگ کیا گیا، نیز چند اہم کتابوں کا اضافہ بھی کیا گیا، پھران تمام کتابوں کی الف بائی ترتیب قائم کی گئی ہے، اس طرح شروع کے چار ابواب مولوی عبدالحسیب قاسمی کے قلم سے ہیں، باقی پانچ ابواب اس حقیر نے لکھے ہیں۔

یہاں یہ واضح کردینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ معہد کے تربیت یافتہ فضلاء کی تالیفات میں صرف انھیں فضلاء کی تالیفات ذکر کی گئی ہیں، جنھوں نے دارالعلوم دیوبند سے فضیلت کی ہے، دوسری درسگاہوں کے فضلاء کی تالیفات شامل نہیں کی گئی ہیں اور ان فضلاء کی بھی صرف فقہی تالیفات و مقالات کو شامل کیا گیا ہے، حدیث، تفسیر، یا کسی اور موضوع پر لکھے گئے مقالات کا یہاں ذکر نہیں کیا گیا ہے، نیز فقہی شخصیات کے تعارف میں کتابوں کی طرح الف بائی ترتیب نہیں رکھی گئی؛ بلکہ سن فراغت کے لحاظ سے ترتیب قائم کی گئی ہے؛ تاکہ زمانی اعتبار سے سلسلہ وار فضلاء دیوبند کی خدمات پر روشنی پڑ سکے اور یہ واضح ہوسکے کہ کس طرح یکے بعد دیگرے ہر زمانہ میں فضلاء دیوبند نے فقہ وفتاویٰ کی لائن سے خدمات انجام دی ہیں، نیز اس کی بھی وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے کہ اس مقالہ کے آخر میں جو مراجع کی فہرست دی گئی ہے، وہ صرف ان کتابوں کی ہے، جن کے حوالے اس تحریر میں ذکر کیے گئے ہیں، ورنہ ہر کتاب —— جس کی مجموعی تعداد ۱۱۹ ہے —— کا تعارف کراتے ہوئے اس کتاب سے مراجعت کی گئی ہے؛ لیکن اس کا حوالہ دینے کی ضرورت نہیں محسوس کی گئی، اسی طرح بعض اداروں اور موجودہ شخصیتوں کی تفصیلات خطوط اور فارم کے ذریعہ معلوم کی گئیں، جس کی وجہ سے مقالہ میں مراجع کی فہرست مختصر ہوگئی ہے۔

میں ایک بار پھر شکریہ ادا کرتا ہوں استاذ محترم حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی کا کہ انھوں نے اکابر اور فضلاء دیوبند پر کام کرنے کا موقع دیا، جگہ جگہ رہنمائی فرمائی، پورے

مقالہ پر نظر ثانی کی، بعض تبدیلیوں کا حکم دیا اور کام کی تکمیل پر خوشی اور حوصلہ افزائی کے کلمات فرمائے، اس کے علاوہ اس حقیر کو ہمیشہ مولانا کی بے پناہ شفقتیں اور خصوصی عنایات حاصل رہی ہیں، معہد کے تخصص فی الفقہ سالِ اول میں زمانہ تعلیم کے علاوہ ایامِ تعطیل میں بھی مولانا نے خدمت کا موقع عنایت فرمایا، سالِ دوم میں سندی مقالہ کی ترتیب کے ساتھ بعض دوسرے تحقیقی کاموں کا بھی موقع دیا، تیسرے، چوتھے سال بھی مولانا نے تحقیقی کاموں کے لئے منتخب کیا اور یہ معہد میں اس حقیر کا پانچواں سال ہے، اس پورے زمانہ میں مولانا کی جو شفقتیں حاصل رہیں، صحیح بات یہ ہے کہ ان شفقتوں اور محبتوں کے سامنے کبھی شفقت پدری بھی پھیکی معلوم ہونے لگتی ہے۔ فجزاہ اللہ خیر الجزاء.

اس موقع پر میں اپنے مشفق والدین کا شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ انھوں نے بچپن سے تعلیم و تربیت کا نظم فرمایا اور اپنے بہت سارے ارمانوں کی قربانی دے کر فضیلت کے بعد بھی پانچ سال کے طویل عرصہ تک علمی کاموں میں لگے رہنے کا موقع دیا، اسی طرح وہ تمام ادارے بھی شکریہ کے مستحق ہیں، جن کی آغوش میں تربیت پا کر زینہ بہ زینہ یہاں تک پہنچنے کا موقع ملا، اس سلسلہ میں مدرسہ حسینیہ (شرنیا)، مدرسہ مظہر العلوم کانپور اور دار العلوم دیو بند کا شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتا ہوں اور خصوصی طور پر المعہد العالی الاسلامی حیدر آباد کا شکریہ ادا کرتا ہوں، جس کے علمی و تحقیقی ماحول نے علم میں جلا، فکر میں توازن اور تحریر میں اعتماد پیدا کیا اور اس لائق بنایا کہ یہ چھوٹی سی کاوش پیش کرنے کی سعادت حاصل ہو رہی ہے، نیز شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں اپنے چچا مفتی محمد صابر صاحب قاسمی کا کہ انھوں نے تعلیم کے ہر مرحلہ میں رہنمائی بھی کی اور حوصلہ افزائی بھی، اسی طرح وہ حضرات بھی شکریہ کے مستحق ہیں، جنھوں نے مقالہ کی ترتیب کے لئے فارم کی خانہ پری کے ذریعہ مطلوبہ تفصیلات فراہم کیں، خصوصیت کے ساتھ مولانا محمد نصیر عالم سبیلی کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انھوں نے بڑی محنت سے مقالہ کمپوز کیا، بڑی خوبصورتی سے اس کی سیٹنگ کی اور بار بار کی بعض تبدیلیوں کو بھی بڑی خندہ پیشانی سے برداشت کیا۔

ترتیب کے اعتبار سے اگر چہ یہ ہمارا دوسرا مقالہ ہے — اس سے قبل ''مضاربت — احکام وتطبیقات'' کے عنوان سے سندی مقالہ لکھ چکا تھا — لیکن چوں کہ دونوں مقالات کی طباعت ایک ساتھ ہو رہی ہے؛ اس لیے مجھے دوگنی خوشی ہو رہی ہے، خدا سے دعاء ہے کہ باری تعالیٰ مادر علمی ''دارالعلوم دیوبند'' سے منسوب اس حقیری کاوش کو قبول فرما کر اکابر دیوبند کے علم وفضل کا کوئی حصہ ہمیں بھی عطا فرمائیں۔

والله هو الموفق وهو المستعان.

۱۲ رمحرم الحرام ۱۴۳۲ھ — آفتاب عالم غازی

۱۹ ردسمبر ۲۰۱۰ء — (شعبۂ تحقیق المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد)

☆ ☆ ☆

فضلاء دیوبند کی فقہی خدمات - ایک مختصر جائزہ

پہلا باب

تحریک دارالعلوم دیوبند

دارالعلوم کے قیام کا پس منظر

ہندوستان پر جب انگریزی حکومت کا قبضہ ہوا اور اس نے اسلام اور مسلمانوں کو مٹانے کے لئے طرح طرح کی کوششیں شروع کر دیں تو علماءِ ہند نے جہاں انگریزی سامراج سے مقابلہ کے لئے میدانِ جنگ کا رُخ کیا، وہیں دینِ اسلام اور شریعتِ اسلامیہ کی حفاظت کے لئے بھی بڑی مبارک کوششیں کیں، انھیں کوششوں کی پہلی کڑی "دارالعلوم دیوبند" کی شکل میں ظاہر ہوئی؛ چنانچہ مولانا محمد تقی عثمانی لکھتے ہیں :

العلماء الذين قاموا في شبه القارة (الهند و باكستان) بتبليغ الدين الحنيف، والدعوة إلى الله، والجهاد في سبيله من خلال جامعه دارالعلوم بديوبند، التي تعتبر في هذه الديار أكبر جامعة للعلوم الإسلامية والعربية، أقيمت في عهد الاستعمار الإنكليزي الغاشم، لمواجهة مكايده في مجال التربية والتعليم، التي أرادت أن تطمس عن هذه البلاد مآثر الدين الحنيف، وتحرم مواطنيها من تعاليم الإسلام النيرة . (۱)

دارالعلوم کا آغاز

مورخہ: ۱۵؍محرم الحرام ۱۲۸۳ھ مطابق: ۳۰؍مئی ۱۸۶۶ء بروز پنجشنبہ دیوبند کی قدیم مسجد (چھتہ) کے کھلے صحن میں انار کے ایک چھوٹے سے درخت کے نیچے نہایت سادگی کے ساتھ کسی رسمی تقریب کے بغیر دارالعلوم کا افتتاح عمل میں آیا، حضرت مولانا ملا محمود دیوبندیؒ کو

(۱) دارالعلوم دیوبند: ۳۸

اس کا پہلا مدرس مقرر کیا گیا اور شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی اس مدرسہ کے اولین طالب علم ہوئے، یہ عجیب اتفاق بلکہ حسنِ اتفاق ہے کہ استاذ اور شاگرد دونوں کا نام محمود ہی تھا۔

اگر چہ بظاہر یہ ایک مدرسہ کا بہت ہی مختصر اور محدود پیمانے پر افتتاح تھا، مگر درحقیقت ہندوستان میں دینی تعلیم کی ایک عظیم تحریک کے نئے دور کا آغاز ہو رہا تھا، جس کو پوری فکری بصیرت کے ساتھ شروع کیا گیا تھا، جیسا کہ بعد میں دارالعلوم کی عظیم الشان ترقی سے واضح ہوا، دارالعلوم کے بزرگوں نے برصغیر میں ملت کی دینی اور اجتماعی زندگی کی بقاء اور تحفظ کے لئے کتاب اللہ کی مشعل روشن کی اور تفسیر و حدیث، فقہ اور ادبِ اسلامی اور عقائد و اعمال کے ذریعہ اس تاریک دور کے خطرات سے بچانے کے لئے یہ ایک ایسا مضبوط دفاعی حصار تیار کیا، جس نے مسلمانوں کو روحانی اور علمی شکست سے بچانے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔

دارالعلوم ایک تحریک

دارالعلوم محض ایک مدرسہ نہیں؛ بلکہ ایک تحریک و مشن ہے، ایک ایسی تحریک جس نے علم دین کی روشنی کو رؤسا و اہل ثروت کے عشرت کدوں سے غریبوں اور فاقہ مست مسلمانوں کی جھونپڑیوں تک پہنچایا، جس نے اسلام کے خلاف اٹھنے والی ہر یورش سے پنجہ آزمائی کی اور مسلمانوں کی فکری سرحدوں کی حفاظت میں ایک لمحہ بھی تغافل کو روا نہیں رکھا اور علماء اُمت کو اس تڑپ سے آشنا کرایا جو نبی ﷺ کی حیات مبارکہ کا حصہ تھی۔

اس تحریک نے اسلام کے خلاف اٹھنے والے کن طوفانوں کا منہ نہیں موڑا؟ ہندو احیا پسندی اور آریہ سماجی تحریک کے مقابلہ کون کھڑا ہوا؟ جب عیسائی پادری اور مناظر ملک کے کوچہ کوچہ میں دولت ایمان پر ڈاکہ ڈالنے کی کوشش کر رہے تھے، تو بہ حیثیت جماعت کس نے ان کی شمشیر باطل کو کند کیا؟ جب علی گڑھ سے اعتزال کا فتنہ نئے رنگ و روپ میں ظاہر ہوا اور اس نے نصوص کی اتباع کے مقابلہ میں عقل پرستی اور خرد نارسا کی اتباع کا تصور پھیلایا، تو کس طبقہ نے اس فتنہ کا مقابلہ کیا اور مسلمانوں کو کتاب و سنت کی ابدی حقیقتوں سے روشناس کرایا؟ جب

انگریزوں کی شہ پر پنجاب سے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے ختم نبوت پر وار کرنے کی کوشش کی گئی تو کن حضرات نے مسیلمۂ وقت سے پنجہ آزمائی میں پیش قدمی کی اور ہندوستان کے کوچہ کوچہ میں اس فتنہ کا تعاقب کیا؟ جب قرآن کے نام کا غلط استعمال کر کے حدیث نبوی ﷺ کا انکار کیا گیا اور اس کے اعتبار و استناد کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی گئی تو کن لوگوں نے حدیث کی حفاظت و صیانت کے لئے اپنی قلمی اور ذہنی صلاحیت کو وقف کیا؟ جب اس ملک میں عقل و دانش، جمہوریت اور سیکولرازم کے نام پر قانون شریعت کو ہدف بنایا گیا اور مسلمانوں کو ان کے مذہبی اور ثقافتی تشخص سے محروم کرنے کی کوشش کی گئی، تو تحفظ شریعت کی کوشش کن لوگوں نے کی؟ ہندوستان میں جنگ آزادی سے قبل یا آزادی کے بعد مسلمانوں کے خلاف ہونے والی سیاسی سازشوں کو کن لوگوں نے بے نقاب اور ناکام کیا؟ —— کوئی بھی حقیقت پسند مورخ اگر ان سوالات کا جواب دینا چاہے تو اس کا جواب ''دیوبند اور علماء دیوبند'' ہی ہوگا۔

دارالعلوم دینی تحریکوں کا میر کارواں

قیام دارالعلوم کے بعد سے اسلام کی دعوت و اشاعت اور اس کے تحفظ و بقاء کا جو بھی کام اس برصغیر میں ہوا ہے، دیوبند یا تو اس تحریک کا میر کارواں رہا ہے، یا کم سے کم اس نے ایک مخلص، فرض شناس، جری اور اپنے مقصد سے عشق کی حد تک محبت رکھنے والے سپاہی کی حیثیت سے اس قافلہ میں شرکت اور اپنا فریضہ ادا کرنے کی بھرپور کوشش کی ہے، جو روشنی پہلے سے موجود تھی دارالعلوم نے اس کی کرنوں میں اضافہ کیا اور جہاں تاریکیاں تھیں وہاں قندیل رہبانی بن کرامت کے لئے قبلہ نما اور خضر طریق کا کام دیا:

ستاروں کی ضو سے چراغوں کی لو تک
تمہیں ہم ملیں گے، جہاں رات ہوگی

دارالعلوم اپنی نوعیت کا پہلا ادارہ

اب تک مدارس ریاستوں کے اوقاف پر چلتے تھے، اساتذہ کو اوقاف کی آمدنی سے

تنخواہیں ملتیں تھیں، کچھ اہل علم حسبۃً للہ اپنے گھروں پر تعلیم دیتے تھے، ان دونوں شکلوں میں طلبہ کو اپنا بار بالعموم خود اٹھانا پڑتا تھا، اپنی رہائش، خوراک اور کتابوں کا بندوبست بھی طلبہ خود کرتے تھے، جس کا نتیجہ یہ تھا کہ دینی تعلیم محض ایک مخصوص حلقہ تک محدود ہو کر رہ گئی تھی، کہیں کہیں کوئی عالم پایا جاتا تھا اور معاشی اعتبار سے پست حال طبقہ تک تعلیم نہیں پہنچ پاتی تھی، دیوبند کے اس مدرسہ نے سب سے پہلے فروغ تعلیم کے سلسلہ میں اس رکاوٹ کو دور کرنے کا تہیہ کیا اور غریب طلبہ کی کفالت اور جملہ تعلیمی ذمہ داریاں اپنے سر لیں، یہ تاریخ کا ایسا انقلابی فیصلہ تھا جو دارالعلوم قائم کرنے والوں کی دوراندیشی اور تدبر و فراست کی واضح شہادت ہے۔

اُصولِ ہشت گانہ

چوں کہ اخراجات مدرسہ کا سارا دارومدار حکومت کی عطیات کے بجائے عوامی چندہ پر رکھا گیا تھا؛ اس لئے ضرورت تھی کہ اس کے لئے کچھ اُصول وضوابط اور طریقۂ کار مرتب کر دیا جائے، چنانچہ بانی دارالعلوم حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے سب سے پہلے اس لائحۂ عمل کی جانب توجہ فرمائی اور آٹھ دفعات پر مشتمل دستور العمل مرتب کیا، (۱) جسے ''اُصولِ ہشت گانہ'' کے نام سے جانا جاتا ہے، حضرت نانوتوی کے مرتب کردہ آٹھ اُصول یہ ہیں :

۱- تا مقدور کارکنانِ مدرسہ کو ہمیشہ تکثیر چندہ پر نظر رہے، آپ کوشش کریں اوروں سے کرائیں، خیر اندیشانِ مدرسہ کو یہ بات ہمیشہ ملحوظ رہے۔

۲- ابقاء طعامِ طلبہ؛ بلکہ افزائش طلبہ میں جس طرح ہو سکے خیر اندیشانِ مدرسہ ہمیشہ ساعی رہیں۔

۳- مشیرانِ مدرسہ کو ہمیشہ یہ بات ملحوظ رہے کہ مدرسہ کی خوبی اور خوش اُسلوبی ہو، اپنی بات کی پچ نہ کی جائے، خدانخواستہ جب اس طرح کی نوبت آئے گی کہ اہل مشورہ کو اپنی مخالفت رائے اور اوروں کی رائے کے موافق ہونا ناگوار ہو تو پھر اس مدرسہ کی بنیاد میں تزلزل آ جائے گا۔

---

(۱) حیات نانوتویؒ:۱۳۵

القصہ تہ دل سے بروقت مشورہ اور نیز اس کے پس و پیش میں اُسلوبی مدرسہ ملحوظ رہے، سخن پروری نہ ہو اور اس لئے ضروری ہے کہ اہل مشورہ اظہار رائے میں کسی وجہ سے متامل نہ ہوں اور سامعین بہ نیت نیک اس کو سنیں، یعنی یہ خیال رہے کہ اگر دوسرے کی بات سمجھ میں آجائے گی تو اگرچہ ہمارے مخالف میں کیوں نہ ہو، بدل و جان قبول کریں گے، نیز اسی وجہ سے یہ ضرور ہے کہ مہتمم اُمورِ مشورہ طلب میں اہل مشورہ سے ضرور مشورہ کیا کرے، خواہ وہ لوگ ہوں جو ہمیشہ مشیر مدرسہ رہتے ہیں، یا کوئی وارد و صادر جو علم و عقل رکھتا ہو اور مدرسوں کا خیر اندیش ہو اور نیز اس وجہ سے ضرور ہے کہ اگر اتفاقاً کسی وجہ سے اہل مشورہ سے مشورے کی نوبت نہ آئے اور بقدر ضرورت اہل مشورہ کی مقدارِ معتد بہ سے مشورہ کیا گیا ہو تو پھر اس وجہ سے ناخوش نہ ہو کہ مجھ سے کیوں نہ پوچھا، ہاں اگر مہتمم نے کسی سے نہ پوچھا تو پھر اہل مشورہ معترض ہو سکتا ہے۔

۴- یہ بات بہت ضروری ہے کہ مدرسین مدرسہ باہم متفق المشرب ہوں اور مثل علماء روزگار خود بیں اور دوسروں کے درپے توہین نہ ہوں، خدانخواستہ جب اس کی نوبت آئے گی تو پھر اس مدرسہ کی خیر نہیں۔

۵- خوانگی مقررہ اس انداز سے جو پہلے تجویز ہو چکی ہے، یا بعد میں کوئی اور انداز مشورہ سے تجویز ہو، پوری ہو جایا کرے، ورنہ یہ مدرسہ اول تو خوب آباد نہ ہوگا اور اگر ہوگا تو بے فائدہ ہوگا۔

۶- اس مدرسہ میں جب تک آمدنی کی کوئی سبیل یقینی نہیں جب تک یہ مدرسہ انشاء اللہ بشرط توجہ الی اللہ اسی طرح چلے گا اور اگر کوئی آمدنی ایسی یقینی حاصل ہوگئی، جیسے جاگیر یا کارخانہ تجارت یا کسی امیر محکم القول کا وعدہ، تو پھر یوں نظر آتا ہے کہ یہ خوف و رجاء جو سرمایہ رجوع الی اللہ ہے، ہاتھ سے جاتا رہے گا اور امداد غیبی موقوف ہو جائے گی اور کارکنوں میں باہم نزاع پیدا ہو جائے گا، القصہ آمدنی اور تعمیر وغیرہ میں ایک نوع کی بے سروسامانی ملحوظ رہے۔

۷- سرکار کی شرکت اور امراء کی شرکت بھی زیادہ مضر معلوم ہوتی ہے۔

۸- تا مقدور ایسے لوگوں کا چندہ موجب برکت معلوم ہوتا ہے، جن کو اپنے چندہ سے اُمید ناموری نہ ہو؛ بالجملہ حسن نیت اہل چندہ زیادہ پائیداری کا سامان معلوم ہوتا ہے۔(۱)

دار العلوم کے بارے میں ایک انگریز جاسوس کا تبصرہ

دار العلوم دیوبند جس زمانہ میں قائم ہوا، اس وقت ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی پر صرف نو سال گذرے تھے؛ چوں کہ عام مسلمان اور دار العلوم کے اکابر جنگ آزادی میں انگریزوں کے خلاف صف آراء رہ چکے تھے؛ اس لئے انگریزی حکومت مسلمانوں کے سخت خلاف اور ان سے بدظن وبرگشتہ تھی، مسلمانوں کی حرکات وسکنات پر کڑی نگرانی رکھی جاتی تھی؛ چنانچہ جب دار العلوم قائم ہوا تو اس کے بارے میں مدتوں خفیہ وعلانیہ تحقیقات کا سلسلہ جاری رہا اور ۱۲۹۱ھ-۱۸۷۵ء میں صوبہ متحدہ ''اتر پردیش'' کے گورنر ''سرجان اسٹریچی'' نے اپنے ایک معتمد ''جان پامر'' کو اس غرض سے دار العلوم میں بھیجا کہ وہ خفیہ طور پر تحقیقات کر کے رپورٹ پیش کرے کہ دار العلوم کے قیام کیا مقصد ہے؟ اور مسلمان علماء دار العلوم کے پس پردہ کس فکر وعمل میں مصروف ہیں؟

جان پامر نے دار العلوم کو دیکھ کر جو رپورٹ تیار کی اور جو تأثرات اس نے اخذ کئے، وہ اس نے اپنے ایک دوست کو خط لکھتے ہوئے نہایت تفصیل سے بیان کئے ہیں، جان پامر نے دار العلوم کی تعلیمی کیفیت کا انگریزی یونیورسٹیوں سے موازنہ کرتے ہوئے اپنے مشاہدات وتأثرات کا جس دلچسپ اور عالمانہ انداز میں اظہار کیا ہے وہ دار العلوم کے علمی موقف کو سمجھنے میں بھی بڑی مدد دیتا ہے، جان پامر لکھتا ہے:

> لیفٹیننٹ گورنر ممالک مغربی وشمالی کے ساتھ دورے میں ۳۰؍جنوری ۱۸۷۵ء کو دیوبند میں قیام ہوا، گورنر نے مجھ سے کہا کہ ''یہاں دیوبند میں مسلمانوں نے گورنمنٹ کے خلاف ایک مدرسہ جاری کیا ہے، تم اجنبیانہ طور پر اس مدرسہ میں جا کر پتہ لگاؤ کہ کیا تعلیم ہوتی ہے اور مسلمان کس فکر وخیال میں لگے ہوئے ہیں؛

---

(۱) تاریخ دار العلوم دیوبند: ۱۵۴/۱

چنانچہ ۳۱؍ جنوری اتوار کے دن میں آبادی میں پہنچا، یہاں کے باشندے خلیق اور نیک ہیں، مگر غریب اور فلاکت زدہ ہیں، پوچھتے پوچھتے مدرسہ میں پہنچا، یہاں پہنچ کر میں نے ایک بڑا کمرہ دیکھا جس میں چٹائی کے فرش پر لڑکے کتابیں سامنے رکھے ہوئے بیٹھے تھے اور ایک بڑا لڑکا ان کے درمیان میں بیٹھا ہوا تھا، میں نے لڑکوں سے دریافت کیا کہ تمہارا استاد کون ہے؟ ایک لڑکے نے اشارہ سے بتایا، معلوم ہوا کہ جو لڑکا درمیان میں بیٹھا ہوا تھا وہی استاد ہے، مجھے تعجب ہوا کہ یہ کیا استاد ہوگا؟ میں نے اس سے پوچھا آپ کے لڑکے کیا پڑھتے ہیں؟ جواب دیا! یہاں فارسی پڑھائی جاتی ہے، یہاں سے آگے بڑھا تو ایک جگہ ایک صاحب میانہ قد نہایت خوبصورت بیٹھے ہوئے تھے، سامنے بڑی عمر کے طلبہ کی ایک قطار تھی، قریب پہنچ کر سنا تو علم مثلث کی بحث ہو رہی تھی، میرا خیال تھا کہ مجھے اجنبی سمجھ کر یہ لوگ چونکیں گے؛ لیکن کسی نے مطلق توجہ نہ کی، میں قریب جا کر بیٹھ گیا اور استاد کی تقریر سننے لگا، میری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی، میں نے دیکھا کہ علم مثلث کے ایسے ایسے عجیب اور مشکل قاعدے بیان ہو رہے تھے، جو میں نے کبھی ڈاکٹر اسپر نگر سے بھی نہیں سنے تھے، یہاں سے اُٹھ کر دوسرے دالان میں گیا تو دیکھا کہ ایک مولوی صاحب کے سامنے طالب علم معمولی کپڑے پہنے بیٹھے ہوئے ہیں، یہاں اقلیدس کے چھٹے مقالہ کی دوسری شکل کے اختلافات بیان ہو رہے تھے، اور مولوی صاحب اس برجستگی سے بیان کر رہے تھے کہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا اقلیدس کی روح ان میں آگئی ہے، میں منہ تکتا رہ گیا

، اسی دوران میں مولوی صاحب نے ریاضی کا ایک ایسا مشکل سوال طلبہ سے پوچھا کہ مجھے بھی اپنی حساب دانی پر پسینہ آگیا اور میں حیران رہ گیا بعض طلبہ نے صحیح جواب نکالا، یہاں سے اٹھ کر میں تیسرے دالان میں پہنچا، ایک مولوی صاحب حدیث کی کوئی موٹی کتاب پڑھا رہے تھے، اور ہنس ہنس کر تقریر کر رہے تھے، یہاں سے میں ایک زینے پر چڑھ کر دوسری منزل میں پہنچا، وہاں دو اندھے بیٹھے بڑبڑا رہے تھے، میں یہ سننے لگا تو معلوم ہوا کہ علم ہیئت کی کسی کتاب کا سبق یاد کر رہے ہیں، اتنے میں ایک اندھے نے دوسرے اندھے سے کہا" بھائی! کل کے سبق میں شکل عروسی اچھی طرح میری سمجھ میں نہ آئی، اگر تم سمجھے ہو تو بتلاؤ!" دوسرے اندھے نے پہلے دعویٰ بیان کیا اور اس کی ہتھیلی پر لکیریں کھینچ کر ثبوت شروع کیا، پھر جو آپس میں ان کی بحث ہوئی تو میں دنگ رہ گیا اور مسٹر بریگر پرنسپل کی تقریر کا سماں میری آنکھوں میں پھر گیا، وہاں سے اُٹھ کر ایک پانچ درے میں گیا، چھوٹے چھوٹے بچے صرف ونحو کی کتابیں نہایت ادب سے استاذ کے سامنے بیٹھے پڑھ رہے تھے، تیسرے درجہ میں علم منقول کا درس ہو رہا تھا، میں دوسرے زینے سے اُتر کر نیچے آیا، میرا خیال تھا کہ مدرسہ بس اسی قدر ہیں، اتفاق سے ایک شخص سے ملاقات ہوئی، میں نے اس سے اپنے خیال کی تصدیق چاہی، اس نے کہا" نہیں! قرآن شریف دوسری جگہ پڑھایا جاتا ہے"، وہ مجھ کو مسجد میں لے گیا، مسجد کے دالان میں بہت سے چھوٹے چھوٹے بچے ایک نابینا حافظ کے سامنے قرآن شریف پڑھ رہے تھے۔

میں نے پوچھا گذشتہ سال اخباروں میں دیکھا تھا کہ
چار طالب علموں کے دستار فضیلت باندھی گئی ہے، ان میں سے
یہاں کوئی موجود ہے؟ وہ بولا کہ "ہاں ایک صاحب ہیں، چلئے
میں ملائے دیتا ہوں" وہ مجھے ایک مکان میں لے گیا جہاں
نوجوان بیٹھا ہوا تھا، ایک موٹی سی کتاب سامنے رکھی تھی، اور دس
بارہ طالب علم بیٹھے پڑھ رہے تھے، ایک طرف بندوقیں پڑی
تھیں، میں نے سلام کیا، اس نے کمال اخلاق سے جواب دیا،
میں نے پوچھا کہ سال گذشتہ آپ ہی کے دستار فضیلت بندھی
ہے؟ بولے کہ "اساتذہ کی عنایت ہے" میں نے کہا یہ کیا کتاب
ہے؟ فرمایا کہ "عربی زبان میں ایک فنی کتاب ہے، ایک مطبع
کے مہتمم نے ترجمہ کے لئے بھیجی ہے، اس کی اجرت ایک ہزار
روپے ٹھہری ہے، مجھے ترجمے کرتے ہوئے تین مہینے ہوئے ہیں
اور تین چوتھائی کے قریب ترجمہ ہو چکا ہے، بقیہ انشاء اللہ ایک
مہینہ میں ہو جائے گا، میں نے پوچھا یہ بندوقیں کیسی ہیں؟ کہنے
لگے "مجھے شکار کا شوق ہے، سات بجے سے دس بجے تک پڑھاتا
ہوں، گیارہ سے ایک تک شکار کھیلتا ہوں اور دو سے چار بجے تک
ترجمہ کرتا ہوں، میں نے دریافت کیا آپ نوکری کیوں نہیں
کرتے؟ بولے کہ "خدائے تعالیٰ گھر بیٹھے بٹھائے ڈھائی سو
روپے مہینہ دیتا ہے، پھر کس لئے نوکری کروں؟"۔

یہاں سے اٹھ کر کتب خانہ میں آیا، منتظم کتب خانہ نے
میرا خیر مقدم کرتے ہوئے فہرست دکھلائی، میں حیران رہ گیا،
کوئی فن ایسا نہ تھا جس کی کتاب موجود نہ ہو، ایک دوسرا رجسٹر

دکھلایا جو طلبہ کی حاضری کا تھا، نہایت صاف، خوش خط لکھا ہوا تھا، من جملہ دو سو دس کے، دو سو آٹھ طلبہ حاضر تھے۔

میں اٹھنے ہی والا تھا کہ ایک صاحب آئے اور سلام کر کے بیٹھ گئے، میں نے پوچھا آپ کی تعریف؟ بولے کے "میں مہتمم ہوں" اور تین بڑے بڑے رجسٹر میرے سامنے رکھ دیئے اور بتلایا کہ "یہ سال بھر کے آمد و صرف کا حساب ہے" میں نے دیکھا تو تاریخ وار نہایت صحت کے ساتھ حساب لکھا ہوا تھا، گوشوارے سے معلوم ہوا کہ گذشتہ سال کے آخر میں خرچ کے بعد کچھ روپیہ بچ گیا تھا۔

طبیعت چاہتی تھی کہ کتابوں کی کچھ سیر کروں؛ مگر وقت تنگ ہو گیا تھا اور شام ہونے کو تھی، مجبوراً واپس ہوا۔

میری تحقیقات کے نتائج یہ ہیں کہ یہاں کے لوگ تعلیم یافتہ، نیک چلن اور نہایت سلیم الطبع ہیں، کوئی ضروری فن ایسا نہیں جو یہاں پڑھایا نہ جاتا ہو، جو کام بڑے بڑے کالجوں میں ہزاروں کے صرفہ سے ہوتا ہے، وہ یہاں ایک مولوی چالیس روپے میں کر رہا ہے، مسلمانوں کے لئے اس سے بہتر کوئی تعلیم گاہ نہیں ہو سکتی اور میں تو یہاں تک کہہ سکتا ہوں کہ اگر کوئی غیر مسلمان بھی یہاں تعلیم پائے تو نفع سے خالی نہیں، انگلستان میں اندھوں کا ایک اسکول سنا تھا؛ مگر یہاں آنکھوں سے دیکھا کہ دو اندھے تحریر اقلیدس کی شکلیں کف دست پر اس طرح ثابت کرتے ہیں کہ باید و شاید! مجھے افسوس ہے کہ آج سر ولیم موجود نہیں ہیں، ورنہ بکمال ذوق و شوق اس مدرسہ کو دیکھتے اور طلبہ کو انعام دیتے۔

☆ ☆ ☆

دوسرا باب

فقہ اسلامی — مختصر تعارف

فقہ کی لغوی تحقیق

فَقِہَ ، فِقھاً ، وتفقّہ کے معنی ہیں: سمجھنا اور فَقَّہَ وافقہ کے معنی ہیں: سمجھانا، سکھانا اور فِقّہ: علم و سمجھ کو اور خاص کر احکام شرعیہ کے علم کو کہتے ہیں؛(۱) چنانچہ ابن منظور فرماتے ہیں :

الفقه : العلم بالشئ والفهم له ، قال ابن الأثير : وقد جعله العرف خاصا بعلم الشريعة ، قال تعالیٰ : ليتفقهوا فی الدين ای ليكون علماء به وفقهه الله ، ودعا النبی صلی الله عليه وسلم لابن عباس ، فقال : اللّٰهم علمه الدين وفقهه فی التأويل . (۲)

فقہ کی اصطلاحی تعریف

اصطلاح میں مکلف کے عمل سے متعلق احکام ، فرائض ، وجوب ، حظر ، ندب اور اباحت وغیرہ کے جاننے کو ''فقہ'' کہتے ہیں۔(۳)

تدوین فقہ کی ضرورت

عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں احکام کا دار و مدار وحی پر تھا کہ بوقت ضرورت وحی نازل ہوتی رہتی تھی، حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے زمانہ تک شر و فتن کا بھی خدشہ نہیں تھا؛

(۱) دیکھئے: القاموس الجديد: ۷۱۰

(۲) لسان العرب: ۳۰۵/۱۰

(۳) دیکھئے: المدخل: ۶۲، الفقيه والمتفقه: ۳۶

لیکن جب حضرات صحابہ کرام کا دور ختم ہوا، تو طرح طرح کے فتنے کھڑے ہونے لگے اور نئے نئے مسائل پیش آنے لگے، روزمرہ کے مسائل میں پیچیدگیاں بڑھنے لگیں، لوگ بیانِ حدیث میں بے باک اور فتاویٰ میں غیر محتاط ہونے لگے، تب ضرورت محسوس کی گئی کہ قرآن وسنت کی روشنی میں کچھ اُصول وضوابط مقرر کیے جائیں؛ تاکہ دین کے نام پر بے دینی اور ہوس پرستی کا دروازہ نہ کھلنے پائے، اسی پس منظر میں ورع وتقویٰ سے لیس اور گہرے اور وسیع علم رکھنے والے علماء کے ذریعہ قوانینِ اسلامی کی تدوین عمل میں آئی۔

صحابہ کے بعد حضرات تابعین اور تبع تابعین کے دور میں افتاء اور شرعی رہنمائی کے لئے جن مقامات کو اعتماد واعتبار حاصل تھا، ان میں مدینہ منورہ، مکہ معظمہ، کوفہ، بصرہ، دمشق، مصر اور یمن خاص کر قابل ذکر ہیں، مذکورہ مقامات میں سے ''کوفہ'' کو خاص کر بڑی اہمیت حاصل تھی، جہاں حضرت ابوہریرہ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کے تلامذہ موجود تھے، یہیں حضرت حماد بن سلمہؒ کا بھی درس ہوتا تھا، جن کے ممتاز شاگردوں میں حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کی ذات گرامی تھی، جنھوں نے اپنے استاذ کے بعد ان کی جانشینی اختیار کی اور کوفہ آپ کے علم وتفقہ سے گونجنے لگا، حضرت امام ابوحنیفہؒ عقل واصابت رائے اور فہم وفراست میں بے مثال تھے اور احادیث اور آثار صحابہ بھی پر بڑی گہری نگاہ رکھتے تھے۔(۱)

خلافت راشدہ کے بعد مجلس شوریٰ کا نظام ختم ہوجانے کی وجہ سے اسلام کے نظامِ قانون میں جس طرح کا شگاف آچکا تھا، اس کو ہر ذی شعور مسلمان محسوس کر رہا تھا، اکنافِ عالم میں اسلام پھیل جانے کی وجہ سے اور لوگوں کی دین سے بے اعتنائی اور مسائل سے ناواقفیت کی بنا پر، آئے دن نئی نئی پیچیدگیاں پیدا ہورہی تھیں، مالیات کے مسائل، تجارت وزراعت، صنعت وحرفت، شادی بیاہ، دستوری، دیوانی اور فوجداری قوانین، دوسرے ملکوں کے درمیان سفارتی تعلقات، تجارتی لین دین، بحری و بری مسافرت اور کسٹم وغیرہ کے مسائل میں مشکلات پیدا ہوگئی تھیں، ایسے وقت میں قرآن وحدیث کی روشنی میں ایک جامع قانون بنانے

(۱) دیکھئے: فتاویٰ رحیمیہ:۲۳۱/۳

کی ضرورت تھی؛ چنانچہ امام اعظم ابوحنیفہؒ نے علماء کی ایک جماعت کے ساتھ مل کر اس عظیم الشان خدمت کا بیڑہ اُٹھایا اور قوانین اسلامی کی تدوین فرمائی، اس طرح امام صاحب کو فقہ کا مدونِ اول ہونے کا شرف حاصل ہوا(۱):

ورد فی المناقب للمکی یقول : أبو حنیفة أول من دون علم هذه الشریعة ، لم یسبقه أحد قبله . (۲)

امام ابوحنیفہ کی فقہ اکیڈمی میں باضابطہ چالیس ممبران تھے اور وہ چالیس کے چالیس مجتہد تھے، حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ کسی مسئلہ پر تین دن تک بحث ومباحثہ ہوتا رہا، ہر ایک اپنی دلیلیں دل کھول کر بیان فرماتے رہے، تیسرے دن شام کے وقت اللہ اکبر کی آواز گونجی، میں نے اس کی وجہ معلوم کی تو پتہ چلا کہ مسئلہ کا فیصلہ ہو چکا ہے، کبھی کبھی کسی مسئلہ پر ہفتوں اور مہینوں بحث ومباحثہ ہوتا تھا، پھر کسی فیصلہ پر سبھوں کا اتفاق ہوتا تھا، یہ سلسلہ ۱۲۱ھ سے ۱۵۰ھ تک چلتا رہا، جن میں ۸۳ ہزار مسائل منقح ہو کر لوگوں کے سامنے آئے اور یہ تمام مسائل ایک ہی طرح کے نہیں تھے؛ بلکہ مختلف پہلوؤں کو شامل تھے، حتیٰ کہ آئندہ زمانوں میں پیش آسکنے والے مسائل (مسائل مقدرہ) پر بھی بحث ومباحثہ اور غور وخوض کے بعد قرآن وحدیث کا حکم ظاہر کر دیا جاتا تھا، تاکہ قوانین اسلامی جامع ترین شکل میں لوگوں کے سامنے آسکے؛ چنانچہ علامہ محمد علی السایس فرماتے ہیں :

وأبو حنیفة أول من اشتغل بالفقه التقدیری ، وفرض المسائل التی لم تقع بعد ، وبین أحکامها عساها إن نزلت ظهرت حکمها ؛ فزاد علم اتساعا ومجاله انبساطاً . (۳)

---

(۱) دیکھئے: امام ابوحنیفہؒ اور ان کے اصلی کارنامے: ۱۷

(۲) فتاویٰ تاتارخانیہ: ۱۳۱/۱

(۳) تاریخ الفقه الإسلامی : ۹۴

امام اعظمؒ کی اکیڈمی میں عبادات، معاشیات اور معاملات وغیرہ کے صرف ملکی قانون پر اکتفاء نہیں کیا گیا تھا؛ بلکہ بین الاقوامی قانون بھی مدون کیا گیا تھا، بعض لوگ اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ بین الاقوامی قانون ایک نئی چیز ہے اور پہلا شخص جس نے اس شعبۂ قانون کی بناء ڈالی، وہ ہالینڈ کا ''گروٹیس Gortius (۱۵۸۳ء،۱۶۴۵ء) ہے؛ لیکن حقیقت یہ ہے کہ گروٹیس سے نوسو برس پہلے یہ علم امام ابوحنیفہؒ کے ہاتھوں بڑی تفصیل کے ساتھ مدون ہو چکا تھا اور اس میں بین الاقوامی قانون کے اکثر گوشوں اور اس کے بڑے بڑے نازک مسائل پر بحث کی جا چکی تھی، حال ہی میں اس حقیقت کو اہل علم کے ایک گروہ نے تسلیم بھی کیا ہے اور جرمنی میں ''شیبانی سوسائٹی آف انٹرنیشنل لاء'' بھی قائم کی گئی ہے۔(۱)

فقہ اسلامی کے مآخذ

حضرت امام اعظمؒ سے منقول ہے کہ سب سے پہلے کتاب اللہ میں غور وفکر کرتا ہوں، کامیابی ملی تو فبہا، ورنہ پھر حدیث شریف میں تجسس کرتا ہوں، اس میں بھی مسائل کا سراغ نہ ملا تو آثارِ صحابہ اور ان کے فتاویٰ میں تفتیش کرتا ہوں، یا جس پر اجماع صحابہ ہو اس کو اختیار کرتا ہوں، جب کہیں بھی کامیابی نہیں ملتی ہے تو پھر پیش آمدہ مسائل کی نظیر میں غور وفکر کر کے قیاس کرتا ہوں،(۲) گویا امام صاحب نے قوانین اسلامی کی تدوین کے لئے چار بنیادی مآخذ کا ذکر فرمایا، قرآن، حدیث وآثار صحابہ، اجماع اور ان سب کی روشنی میں قیاس — ذیل میں ان چاروں مآخذ پر مختصر روشنی ڈالی جاتی ہے۔

۱- کتاب اللہ

اللہ رب العزت کا فرمان ہے: ''فاسئلوا أهل الذكر إن كنتم لا تعلمون ''(۳) اس آیت کریمہ میں پروردگار عالم نے نامعلوم شئ کو صاحبِ علم سے معلوم کرنے کی ترغیب دی ہے،

(۱) امام ابوحنیفہؒ اور ان کے اصلی کارنامے: ۲۰

(۲) دیکھئے: تاريخ الفقه الإسلامي: ۹۴، الدراسات الإسلامية: ۱۷۸/۲۷، ط: پاکستان۔

(۳) الأنبياء: ۷

اس آیت کی تشریح میں علامہ زجاجؒ فرماتے ہیں: ''سلوا کل من یذکر بعلم و تحقیق''(۱) صاحب علم و تحقیق سے مسائل دریافت کرو اور علامہ ثناء اللہ پانی پتیؒ لکھتے ہیں کہ یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ ناواقف لوگ، علماء سے مراجعت کریں :

دلیل علی وجوب المراجعة إلی العلماء ...... للجهال فیما لا یعلمون ، وأن الأخبار مفیدة للعلم . (۲)

دوسری آیت ''فلو لا نفر من کل فرقة منهم الخ''(۳) میں اللہ جل شانہ نے فرمایا: کہ تم میں ہمیشہ ایک جماعت ایسی ہو جو دین کی سمجھ بوجھ حاصل کر کے لوگوں تک پہنچائے ، اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کو حکم دیا ہے کہ ان میں چند اشخاص تحصیل علوم دین کے لئے اپنا وقت فارغ کریں اور اس کے لئے ہر طرح کی مشقت برداشت کریں۔

ارشاد ربانی ہے :

کتاب أنزلناه إلیک لتخرج الناس من الظلمات إلی النور . (۴)

کہ یہ ایسی کتاب ہے جس کو ہم نے آپ پر نازل کیا؛ تاکہ آپ لوگوں کو تاریکیوں سے روشنی کی طرف نکال لائیں ، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قرآن مجید کی تلاوت فرما کر لوگوں کو سناتے جس سے لوگ متأثر ہو کر ضلالت و گمراہی سے ہدایت کی طرف آتے تھے اور تاریکی سے روشنی کی راہ اختیار کرتے تھے۔

آیت کریمہ میں تدبر و تفکر کا نام ہی فقہ ہے؛ چنانچہ ارشاد باری ہے: لعلهم یتفکرون ،(۵) علامہ ثناء اللہ پانی پتی اس آیت کے سلسلہ میں لکھتے ہیں کہ اللہ پاک نے قرآن کریم کو نازل ہی اس لئے فرمایا تاکہ لوگ اس میں غور و فکر کریں ، جس میں وعدہ و وعید اور احکام و شرائع سب موجود ہیں :

(۱) دیکھئے: تفسیر کبیر: ۵۳۱/۹

(۲) تفسیر مظہری: ۳۴۲/۵ (۳) التوبة: ۱۲۲

(۴) ابراهیم: ۱ (۵) النحل: ۴۴

لعلهم يتفكرون الخ (۱) أی فی الذکر بتوسط إنزاله إليک من الوعد والوعيد والأحكام والشرائع المجملة أو مما تشابه عليهم والبيان قد يكون صريحاً بالقول أو الفعل والتقرير ، وقد يكون غير صريح كالأمر بالقياس . (۲)

۲- سنتِ رسول اللہ

قرآن مجید کے بعد شریعت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان حجت ہے؛ اس لئے کہ رسول کی بات بھی وحی الٰہی ہی ہوتی ہے :

و ما ينطق عن الهوى إن هو إلا وحي يوحى . (۳)

رسول اپنے جی سے نہیں بولتے ، وہ تو بس اللہ کے پاس سے آئی ہوئی وحی ہوتی ہے۔

تمام مسلمانوں کا اجماع ہے کہ جو بھی کلام حضور نے تشریعی طور پر کیا ہو یا کسی صحابہ کو کرتے دیکھ کر تنکیر نہ فرمائی ہو تو اس کی اتباع ضروری ہے، خود قرآن کریم ناطق ہے :

فإن تنازعتم في شيئ فردوه إلى الله والرسول . (۴)

جب کسی معاملہ میں اختلاف ہو جائے تو اللہ اور اس کے رسول کی طرف رجوع کرو۔

کسی بھی معاملہ میں اللہ و رسول کا فیصلہ سامنے آجائے تو اس سے انحراف کی قطعاً گنجائش نہیں، ایک جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

من يطع الرسول فقد اطاع الله . (۵)

---

(۱) النحل:۴۴

(۲) تفسیر مظہری:۵/۲۴۳ (۳) النجم:۳-۴

(۴) النساء:۵۹ (۵) نساء:۸۰

جس نے رسول کا کہنا مانا اس نے اللہ کا کہنا مانا۔

ایک دوسری جگہ باری تعالیٰ فرماتے ہیں :

لقد كان لكم في رسول الله أسوة حسنة . (١)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں تمہارے لئے اچھا قابل اقتداء نمونہ ہے۔

ایک جگہ ارشاد ہے :

ما آتاكم الرسول فخذوه وما نهاكم عنه فانتهوا . (٢)

جو تمہیں رسول دیں اسے لے لو اور جس سے روک دیں، اس سے رک جاؤ۔

ان تمام آیتوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کا حکم دیا گیا ہے؛ کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر بات من جانب اللہ ہوتی ہے اور آپ ﷺ کا فرمایا ہوا ہر کام قابل عمل ہوتا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی کہ آپ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقعہ پر خطبہ دیا اور فرمایا: میں دو چیزوں کو تمہارے درمیان چھوڑے جا رہا ہوں، جو ان دونوں کی اتباع کرے گا وہ کبھی گمراہ نہ ہوگا، وہ ''کتاب وسنت'' ہے۔(٣)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جس نے قرآن کی تلاوت کی اور اس پر عمل پیرا ہوا تو اللہ عز وجل گمراہی وضلالت سے ہدایت عطا فرمائے گا اور قیامت کے دن برے حساب سے محفوظ رکھے گا اور جس نے حضور ﷺ کی اتباع کی، اللہ گمراہی سے اس کی حفاظت فرمائے گا۔(٤)

علامہ ابن حجر حضرت عبد اللہ بن مسعود کی ایک روایت نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں

(١) أحزاب:٢١ (٢) حشر:٧

(٣) مؤطا امام مالک:١٣٩٥ (٤) دیکھئے: مصنف عبد الرزاق:٣/٣٨٢

"فمن اتبعه كان في الجنة"(۱) کہ جو شخص حضور ﷺ کی اتباع کرے گا اور سنت نبوی کے مطابق زندگی بسر کرے گا، وہ جنت میں جگہ پائے گا۔

پس احادیث جو رسول ﷺ کے ارشادات، آپ کے افعال اور آپ کی تقریرات کا مجموعہ ہیں، واجب الاطاعت اور دین کے باب میں حجت ہیں۔(۲)

۳- اجماع

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد کسی زمانہ کے تمام فقہاء مجتہدین کا کسی حکم شرعی پر متفق ہو جانا اجماع کہلاتا ہے:

وفي الإصطلاح : اتفاق المجتهدين من أمة محمد
عليه الصلاة والسلام في عصر على أمر ديني . (۳)

اجماع کی حجیت پر علماء حق کا اتفاق ہے اور اس کی حجیت پر قرآن کی دلیل بھی ہے؛ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

ومن يشاقق الرسول من بعد ماتبين له الهدى ويتبع
غير سبيل المومنين نوله من تولى ونصله جهنم . (۴)

یعنی جو شخص حق کا راستہ ظاہر ہو جانے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرے گا اور مسلمانوں کے خلاف چلے گا تو اس کا انجام برا ہوگا؛ کیوں کہ تمام مسلمان جس راستے کے پیروکار ہیں وہ اس سے ہٹ کر ایک الگ راہ اختیار کرنا چاہتا ہے۔

علامہ ثناء اللہ پانی پتیؒ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

ويتبع غير سبيل المومنين أي غير ماهم عليه أجمعون
من إعتقاد أو عمل ، ولا بأس بمخالفة البعض إذا
وافق البعض ، لقوله عليه السلام : " أصحابي

(۱) فتح الباری: ۳۱۸/۱۳ (۲) دیکھئے: التيسير على التحرير: ۲۲/۳
(۳) كتاب التعريفات: ۱۲ (۴) النساء: ۱۱۵

كالنجوم بأيهم اقتديتم اهتديتم". (١)

اور مومنوں کے راستہ کے علاوہ کی پیروی کرے، یعنی عقائد واعمال کے حوالہ سے جس پر مسلمانوں کا اجماع ہو اس سے ہٹ کر چلے اور اگر کچھ لوگ (اس اجماع سے) موافقت کریں تو بعض لوگوں کی مخالفت میں کوئی حرج نہیں، اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: میرے اصحاب ستاروں کی مانند ہیں، ان میں جس (بعض) کی اتباع کرلو گے راہ راست پر رہو گے۔

آگے لکھتے ہیں:

هذه الآية دليل على حرمة مخالفة الإجماع ...... فثبت أن إتباع غير سبيلهم محرم، وأن اتباع سبيلهم واجب. (٢)

یہ آیت اجماع کی خلاف ورزی کے حرام ہونے پر دلیل ہے؛ لہٰذا ثابت ہوگیا کہ مسلمانوں کے راستہ سے ہٹ کر راہ اختیار کرنا حرام ہے اور (اسی سے یہ بھی) ثابت ہوگیا کہ مسلمانوں کے راستہ کی اتباع واجب ہے۔

حجیت اجماع حدیث کی روشنی میں

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری اُمت کبھی بھی گمراہی پر مجتمع نہ ہوگی:

لا يجمع الله هذه الأمة على الضلالة. (٣)

اور حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے جابیہ میں خطبہ دیتے ہوئے فرمایا:

اے لوگو! عنقریب ایک ایسا دن آئے گا کہ جھوٹ عام ہو جائے گا،

---

(١) تفسير مظهرى: ٢٣٦/٢ (٢) تفسير مظهرى: ٢٣٦/٢

(٣) مستدرك حاكم: ٣٥٨، المعجم الكبير: ١٣٤٤٨

لوگ بغیر طلب شہادت گواہی پر آمادہ ہو جائیں گے، تم میں سے
جو جنت چاہتا ہے ''فليلزم الجماعة ''(۱) وہ جماعت
مسلمین کے ساتھ رہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ ایسا مسئلہ پیش آ جائے جو قرآن وسنت میں نہ ہو تو کیا کریں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا: ''شاوروا فيه الفقهاء ''(۲) فقہاء اور عابدین سے مشورہ کرو، شخصی رائے سے فیصلہ نہ کرو، اس حدیث میں فقہاء کرام کے اجماعی فیصلہ کو اختیار کرنے اور شخصی رائے سے دور رہنے کا حکم فرمایا گیا ہے، اسی طرح حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منیٰ کی مسجد خیف میں خطبۂ حجۃ الوداع میں فرمایا کہ تین خصلتیں ایسی ہیں، جن کی موجودگی میں دل خیانت کرنے سے باز رہتا ہے، ایک تو وہ عمل جو خالص اللہ کے لئے کیا جا رہا ہو، دوسرے مسلمانوں کی خیر خواہی، تیسرے اتباع جماعت۔(۳)

ایک روایت میں ہے ''عليكم بالسواد الأعظم ''(۴) سواد اعظم کی اتباع تم پر ضروری ہے، اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں :

يعبر به عن الجماعة الكثيرة ، والمراد ما عليه أكثر
المسلمين . (۵)

عربی میں بڑی جماعت کو سواد اعظم کہتے ہیں، یہاں پر وہ راستہ
مراد ہے، جس پر مسلمانوں کی اکثریت چلتی ہو۔

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد سے بھی اجماع کی حجیت پر روشنی پڑتی ہے، جس میں آپ نے فرمایا کہ :

---

(۱) مسند إمام أحمد بن حنبلؒ:۲۳/۱

(۲) مجمع الزوائد:۱۷۸/۱ (۳) سنن ابن ماجه:۱۸۸/۲

(۴) سنن ابن ماجه:۳۹۴۰،كتاب الفتن ۔ (۵) مرقات:۲۴۹/۱

جن چیزوں کو مسلمان (۱) اچھا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک حسن اور اچھی ہیں اور جن چیزوں کو مسلمان برا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی بری ہیں :

ما راٰه المسلمون حسناً فهو عند الله حسن ، وما راٰه المسلمون قبيحاً فهو عند الله قبيح . (۲)

☆ ☆ ☆

(۱) مسلمان سے مسلمان کامل، یعنی ذی علم سلیم الطبع مسلمان مراد ہے۔

(۲) كشف الخفاء ومزيل الإلباس: ۲۲۱۴، نیز دیکھئے: مجمع الزوائد: ۱/۱۷۷

قیاس

قیاس کے لغوی معنی

لغت میں قیاس کے معنی ہیں اندازہ کرنا، کہا جاتا ہے :

قاسَ الشيء ، يقيسه قيسا وقياساً ، إذا قدر على مثاله ، والقيس والقاس ، المقدار . (۱)

قیاس کی اصطلاحی تعریف

ایک چیز کو دوسری چیز کی مانند قرار دیا جائے، دونوں چیزوں میں کسی علت کے اشتراک کی وجہ سے، تو اس کو فقہاء کی اصطلاح میں قیاس کہتے ہیں، جیسے کہا جائے کہ چنا بھی گیہوں کی طرح ربوی جنس ہے؛ کیوں کہ دونوں ''قدری'' ہیں، تو یہ چنا کو گیہوں پر قیاس کرنا ہوا، کہ جس طرح گیہوں کے تبادلہ میں کمی بیشی سود ہوگی، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بارے میں صراحت فرمائی ہے، اسی طرح چنے میں بھی کمی بیشی سود ہوگی؛ کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اگر چہ چنے کے بارے میں صراحت نہیں کی ہے؛ مگر چنا بھی چوں کہ گیہوں ہی کی طرح قدری ہے؛ اس لئے اس کا حکم بھی گیہوں کی طرح ہی ہوگا۔(۲)

حجیت قیاس قرآن کی روشنی میں

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''فاعتبروا یا أولی الأبصار ''(۳) یعنی جب کسی مسئلہ میں قرآن وحدیث اور اجماع امت کی صراحت نہ ہو تو پھر پیش آمدہ مسائل کو اس کے اشباہ ونظائر پر پرکھا جائے گا؛ چنانچہ علامہ ثناء اللہ پانی پتیؒ اس آیت کے سلسلہ میں لکھتے ہیں :

(۱) لسان العرب: ۱۱/۳۷۰، نیز دیکھئے: إرشاد الفحول: ۱۹۸

(۲) دیکھئے: أصول البزدوی: ۲۵۰ (۳) الحشر: ۲

إستدلوا بهذه الآية على حجية القياس من حيث أنه تعالى أمر بالاعتبار والمجاوزة من أصل إلى فرع لمشاركة بينهما في وصف يصلح سببا لذلك الحكم . (۱)

فقہاء نے اس آیت سے قیاس کے حجت ہونے پر استدلال کیا ہے، اس طرح پر کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ''اعتبار'' کا، یعنی اصل سے فرع کی طرف جانے کا حکم دیا ہے، کسی ایسے وصف میں دونوں کے اشتراک کی بنا پر جو اس حکم کا سبب بن سکتا ہو۔

حجیت قیاس حدیث کی روشنی میں

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کا قاضی بنا کر رخصت فرما رہے تھے تو آپ نے فرمایا، معاذ تم کس طرح فیصلہ کرو گے؟ انھوں نے جواب دیا: کتاب اللہ سے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر اس میں نہ پاؤ تو؟ حضرت معاذ نے فرمایا: پھر سنت رسول اللہ سے، آپ نے فرمایا: اگر ان دونوں میں بھی نہ پاؤ تو؟ حضرت معاذ نے کہا پھر اپنی رائے اور اجتہاد سے فیصلہ کروں گا، یہ سن کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خوشی کا اظہار فرمایا۔(۲)

☆ ☆ ☆

(۱) تفسیر مظہری:۹/۲۳۴

(۲) دیکھئے: ترمذی:۱۲۴۹، أبو داؤد:۳۱۱۹

تیسرا باب

تدوینِ فقہ، اُصولِ فقہ اور قواعدِ فقہیہ پر چند تالیفات

اُردو زبان میں تاریخ وتدوین فقہ پر کتابوں کی تعداد اگرچہ کم ہے؛ لیکن اس فن میں بھی فضلاء دیوبند کی باضابطہ یا جزوی طور پر کئی تالیفات ملتی ہیں، ذیل میں ان تالیفات کا مختصر تعارف کرایا جاتا ہے :

آپ فتویٰ کیسے دیں؟

اُصولِ افتاء پر علامہ ابن عابدین شامیؒ کا رسالہ ''شرح عقود رسم المفتی'' محتاج تعارف نہیں، علماء کی سہولت کے لئے مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری (شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند) نے اس کا آسان اُردو ترجمہ اور مختصر تشریح کی ہے، نیز اخیر میں علامہ شامیؒ کے ذکر کردہ علماء کا مختصر تعارف کرایا گیا ہے، اسی طرح کی ایک کتاب ''فتویٰ نویسی کے رہنما اُصول'' کے نام سے مفتی محمد سلمان منصور پوری کی بھی ہے۔

آسان اُصولِ فقہ

یہ کتاب حضرت الاستاذ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی کی گرانقدر تالیف ہے، جس میں اُصولِ فقہ کے دقیق مباحث کو انتہائی آسان پیرائے میں سمجھایا گیا ہے، یہ کتاب نصابی نقطۂ نظر سے مرتب کی گئی ہے؛ اس لئے ہر سبق کے آخر میں تمرین کے طور پر چند سوالات بھی قائم کئے گئے ہیں؛ تاکہ طلبہ کے ذہن میں پورے سبق کا خلاصہ محفوظ رہ سکے؛ چنانچہ اس وقت متعدد مدارس کے نصاب میں یہ کتاب شامل ہے، کتاب کی ضخامت (۹۶) صفحات ہے، جس کی اشاعت ۱۴۱۷ھ، ۱۹۹۶ء میں دارالعلوم سبیل السلام حیدرآباد سے ہوئی۔

اُصولِ فقہ

یہ کتاب مولانا مناظر احسن گیلانیؒ کی تصنیف ہے، جس میں قانون مقتضیات کو سامنے رکھتے ہوئے مختصر اُصولِ فقہ بیان کئے گئے ہیں؛ تاکہ مسائل کے استخراج واستنباط میں صحیح رہنمائی مل سکے۔

القواعد الفقہیہ المحمودہ

یہ کتاب مولانا ابوالکلام شفیق کی تالیف ہے، مولانا موصوف نے اس کتاب میں ان ساری بحثوں اور شرطوں کو پوری تفصیل کے ساتھ لکھا ہے، جن کی اس علم میں ضرورت پیش آتی ہے، مولانا نے خاص طور پر قواعد کے ساتھ ماخذ و امثلہ کی وضاحت اور تعریفات بھی بڑی احتیاط اور حدود و قیود کی رعایت کے ساتھ ذکر کی ہیں، موصوف نے "الاشباہ والنظائر" کی ترتیب اور نہج پر چلنے کی کوشش کی ہے اور قواعد کبریٰ کے ذیل میں آنے والے ذیلی قواعد کو بالترتیب لکھ کر اس کی مثالیں بھی لکھی ہیں؛ تاکہ افہام وتفہیم میں آسانی ہو، مکتبہ المظاہر، مظاہر العلوم عربی کالج سیلم، تملناڈ سے اس کی طباعت ہوئی ہے۔

الموجز فی أصول الفقہ (عربی)

یہ کتاب مولانا عبیداللہ اسعدی صاحب نے مرتب کی ہے، جس میں مولانا نے اختصار کے ساتھ اُصولِ فقہ کے قواعد کا احاطہ کرنے کی کوشش کی ہے، شیخ عبدالفتاح ابوغدہ اور حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمہما اللہ کا بیش قیمت مقدمہ کتاب کی زینت ہے، کتاب کی ضخامت (۳۵۱) صفحات ہے، جسے ۱۹۹۰ء مطابق ۱۴۱۰ھ میں دارالسلام قاہرہ نے شائع کیا۔

امداد الفقہ

قواعدِ فقہ پر مولانا مہربان علی صاحب بڑوتی کا یہ مختصر رسالہ ہے جو (۲۴) صفحات پر مشتمل ہے، اس میں متعدد کتابوں سے انتخاب کر کے صرف قواعد کو ذکر کیا ہے، تاکہ حفظ قواعد میں آسانی ہو، کتاب گھر حیات الاسلام ہرسولی، مظفرنگر سے اس کی اشاعت ہوئی ہے۔

اودھ میں افتاء کے مراکز اور ان کی خدمات

یہ کتاب ڈاکٹر اشتیاق احمد اعظمی (فاضل دارالعلوم دیوبند) کی مرتب کردہ ہے، جس میں دورِ رسالت، دورِ صحابہ، دورِ تابعین اور ائمۂ مجتہدین کے زمانہ میں افتاء کی تاریخ، فقہ وفتاویٰ میں

فرق، ہندوستان میں قضا وافتاء کی تاریخ، افتاء نویسی کے اُصول وضوابط، مفتی کے شرائط واوصاف، تدوین فقہ، کتب فتاویٰ کی تدوین وتاریخ، اودھ میں افتاء کے مراکز، اودھ اور مضافات میں اصحابِ افتاء کے مختصر حالات وغیرہ پر روشنی ڈالی گئی ہے، یہ کتاب دراصل موصوف کے پی، ایچ، ڈی کا مقالہ ہے، جس کا موضوع ''انیسویں صدی میں اودھ میں افتاء کے مراکز'' ہے، یہ مقالہ لکھنؤ یونیورسٹی کے شعبۂ عربی (عرب کلچر) کے لئے لکھا گیا تھا، کتاب کی ضخامت (۴۸۰) صفحات ہے، جس کی طباعت ۲۰۰۹ء میں شیروانی آرٹ پرنٹرز دہلی سے ہوئی ہے۔

تسہیل اُصول الفقہ

یہ کتاب مولانا مہربان علی صاحب کی مختصر تالیف ہے، جس میں اُصول فقہ کے قواعد کو آسان اور عام فہم انداز میں بیان کیا گیا ہے۔

فقہ اسلامی — تدوین وتعارف

یہ کتاب حضرت الاستاذ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی کی تالیف ہے، جس میں فقہ اسلامی کی جامعیت، اس کا دوام وابدیت، فطرت انسانی سے اس کی ہم آہنگی، عہد بہ عہد اس کی تدوین وارتقاء، مختلف مذاہبِ فقہیہ اور فقہ کے مختلف ذیلی موضوعات جیسے: اُصول فقہ، قواعدِ فقہ وغیرہ پر اس کی تالیفات، مذاہب اربعہ کی فقہی خصوصیات واولیاتِ، فقہ حنفی کی تدوین پر مستشرقین کے اعتراضات اور علماء دیوبند کی فقہی خدمات وغیرہ پر تفصیلی روشنی ڈالی گئی ہے، کتاب کی ضخامت (۳۷۶) صفحات ہے، جسے ۱۴۲۹ھ، ۲۰۰۸ء میں کتب خانہ نعیمیہ دیوبند نے شائع کیا ہے۔

فقہ حنفی کے اُصول وضوابط

یہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی گرانقدر تصنیف ہے، جس میں بڑی خوبصورتی کے ساتھ فقہ حنفی کے اُصول وضوابط بیان کئے گئے ہیں، یہ کتاب ترتیب وسلاست، جامعیت ومعنویت اور ایجاز واختصار کی بناپر علمی دنیا میں مقبول ترین کتابوں کی صف میں ہے۔

مقدمہ اسلامی عدالت

یہ کتاب قاضی مجاہد الاسلام صاحب قاسمیؒ نے مرتب فرمائی ہے، جس میں اُصولِ فقہ

کے اہم مباحث اور قانون شریعت کے ذیلی مصادر کا مختصر تعارف، خلفاء راشدین کے زمانہ میں کار قضاء کی تاریخ اور ممتاز قاضیوں کی مختصر سوانح، نیز اجتہاد اور اس کی شرائط پر بصیرت افروز روشنی ڈالی ہے، یہ مقدمہ (۱۳۴) صفحات پر مشتمل ہے، جو اصل کتاب ''اسلامی عدالت'' کے ساتھ ملحق ہے، قاضی پبلشرز اینڈ ڈسٹری بیوٹرز، نئی دہلی نے اسے شائع کیا ہے۔

مقدمہ تدوین فقہ

یہ کتاب مشہور صاحب قلم مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ کی مرتب کردہ ہے، اس کتاب میں مولانا نے اپنے اچھوتے انداز میں تدوین فقہ، تعقل و تفقہ، اجتہاد و استنباط اور فقہی اختلافات کی نوعیت وغیرہ پر تفصیلی روشنی ڈالی ہے، کتاب کی ضخامت (۲۴۰) صفحات ہے، جسے ڈاکٹر رشید احمد جالندھری کے مقدمہ اور نظر ثانی کے ساتھ اتحاد بک ڈپو دیوبند نے شائع کیا ہے۔

مقدمہ فتاویٰ دار العلوم دیوبند

فتاویٰ دار العلوم دیوبند (۱۲ جلدیں) کے مرتب مفتی محمد ظفیر الدین مفتاحی نے اس کی پہلی جلد پر تدوین و تاریخ فقہ پر ایک طویل مقدمہ تحریر فرمایا ہے، جس میں تدوین فقہ کی ضرورت، تدوین فقہ اور امام ابوحنیفہ، طریقہ تدوین، استنباط مسائل اور اس کے لئے احتیاط، فتویٰ اور اس کی اہمیت، تاریخ فتاویٰ، ملت اسلامیہ کے پہلے مفتی، آنحضرت ﷺ کے فتاویٰ کی حیثیت، صاحب فتویٰ صحابۂ کرام، صحابہ کے بعد فتاویٰ نویسی، دار الافتاء دار العلوم دیوبند، مفتی اور مستفتی کا فریضہ، افتاء کے لئے ضروری شرائط، مفتی کے اختیارات و فرائض، قاضی اور مفتی میں فرق، دار العلوم دیوبند اور خدمت افتاء وغیرہ مختلف عناوین پر تفصیلی بحث کی گئی ہے، یہ مقدمہ (۶۴) صفحات پر مشتمل ہے۔

مقدمہ نور الایضاح

مولانا اعزاز علی امروہویؒ نے ''نور الایضاح'' کے مقدمہ میں تاریخ فقہ پر اچھی روشنی ڈالی ہے، یہ تحریر مختصر مگر جامع ہے، گویا سمندر کو کوزہ میں بند کر دیا گیا ہے۔

☆ ☆ ☆

چوتھا باب

مسائل فقہیہ پر چند تالیفات

آئینہ نماز

یہ کتاب مولانا عاشق الٰہی میرٹھی کی تصنیف ہے، جس میں طہارت، نجاست، کنویں کے مسائل، وضوء، غسل، تیمم، موزوں پر مسح، نماز کے فرائض اور نماز کی نیت، تیز زکوۃ اہمیت وفضائل، مسائل حج، احکام رمضان، اذکار شب قدر، نیت صوم وافطار، مصارف صدقات، احکام قربانی اور اس کی دُعاء اور مسافر آخرت کے احکام مختصر مگر جامع بیان کئے گئے ہیں، کتاب کا تین چوتھائی حصہ چوں کہ نماز سے متعلق ہے؛ اس لئے اس کتاب کا نام ''آئینہ نماز'' رکھا گیا، گو اس میں دوسرے ابواب کے مسائل بھی بیان کردیئے گئے ہیں — یہ کتاب (۱۶۰) صفحات پر مشتمل ہے، جسے ۱۳۷۹ھ میں دارالاشاعت اسلامیہ کولوٹولہ، کلکتہ نے شائع کیا ہے۔

آلہ مکبر الصوت کے شرعی احکام

لاؤڈ اسپیکر کا استعمال ہمارے زمانہ میں عام ہے؛ لیکن جب یہ ایجاد ہوا تھا اس وقت نماز میں اس کے استعمال کے سلسلہ میں کافی ہنگامہ اور شور وغوغا ہوا اور دارالافتاء دارالعلوم دیوبند میں مختلف حلقوں سے اس سلسلہ میں استفتاءات آئے، چنانچہ اس وقت دارالافتاء دارالعلوم دیوبند کے صدر مفتی مولانا محمد شفیع صاحب دیوبندی نے اس کا مفصل جواب تحریر فرمایا، پھر اس جواب پر کچھ اشکالات آئے جن کا جواب دیا گیا، اسی جواب اور جواب الجواب وغیرہ کو ایک جگہ جمع کرکے ''آلہ مکبر الصوت کے شرعی احکام'' کے نام سے چھاپ دیا گیا، یہ رسالہ چار فصلوں اور ایک خاتمہ پر مشتمل ہے، پہلی فصل میں ''آلہ مکبر الصوت کا استعمال دنیوی ضرورتوں میں'' کے عنوان سے اس کے جواز وعدم جواز پر بحث کی گئی ہے، دوسری فصل میں مجالس وعظ ودرس وغیرہ دینی ضرورتوں میں مصالحہ مرسلہ کو بنیاد بناکر لاؤڈ اسپیکر کے استعمال پر بحث کی گئی

ہے، تیسری فصل میں: ''مکبرِ الصوت کا استعمال عبادات مقصودہ میں'' کا عنوان لگایا گیا ہے، جس میں عبادات مقصودہ اور عبادات غیر مقصودہ کے فرق کو واضح کیا گیا ہے اور دونوں کے احکام لکھے گئے ہیں، اس رسالہ میں لاؤڈ اسپیکر کے بارے میں اہل سائنس کی تحقیق بھی شامل کی گئی ہے، رسالہ کی ضخامت (۴۴) صفحات ہے۔

احکام الحج

حج کے احکام پر یہ متوسط حجم کی بہت ہی مفید اور جامع کتاب ہے، جو مشہور عالم اور صاحب افتاء بزرگ مفتی محمد شفیعؒ کے قلم سے ہے، اس کتاب میں حج کے ضروری مسائل نقل کئے گئے ہیں اور ایسے مسائل کا انتخاب کیا گیا ہے، جن کی زیادہ ضرورت پیش آتی ہے، مفتی صاحب نے اس کتاب میں جن آراء کا اظہار کیا ہے، ان میں ایک قابل ذکر بات یہ ہے کہ حالتِ احرام میں سلی ہوئی لنگی بھی پہنی جاسکتی ہے۔

احکام الزکوٰۃ والصدقہ

یہ کتاب حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی ہے، جسے مفتی محمد زید مظاہری نے مرتب کیا ہے، فاضل مرتب نے اس کتاب کو سات ابواب پر تقسیم کیا ہے جس میں بعض شبہات کا ازالہ، ترغیب وترہیب کی آیات وحدیث، زکوٰۃ ادا کرنے سے مال میں کمی کا شبہ اور اس کا جواب، زکوٰۃ کے متعلق عورتوں کی کوتاہیاں، کون کون سے مال میں زکوٰۃ واجب ہے؟ زکوٰۃ میں ردی اور خراب مال دینا، دوکان میں سامان بہت زیادہ ہو تو زکوٰۃ کا حساب کس طرح لگائیں؟ نیز عشر وغیرہ کے مسائل پر تفصیلی روشنی ڈالی گئی ہے، کتاب کی ضخامت (۱۰۴) صفحات ہے، جو ۱۴۱۹ھ میں ادارہ تالیفات اشرفیہ (باندہ) سے شائع ہوئی ہے۔

احکام المسجد

یہ کتاب مولانا اشرف علی تھانویؒ کے مختلف ملفوظات وتحریرات کا مجموعہ ہے، جسے مفتی محمد زید مظاہری نے مرتب کیا ہے، اس کتاب میں مسجد کے احکام اور اس پُرفتن دور میں غیر

ضروری رسموں کا جو رواج ہے اس کا جائزہ لیا گیا ہے، نیز مسجد کے اراکین و ذمہ داران کس طرح کے ہوں، مسجدوں کی آمد و صرف اور اس کا طریقہ کیا ہونا چاہئے، زکوٰۃ کی رقوم مسجد میں شامل کی جاسکتی ہیں یا نہیں، غلط پیشوں سے کمانے والوں کا مال مسجد میں لے سکتے ہیں یا نہیں؟ — اس طرح کے مسائل پر تفصیلی روشنی ڈالی گئی ہے، یہ کتاب (۲۲) صفحات پر مشتمل ہے اور ادارہ افادات اشرفیہ (باندہ) سے اس کی طباعت ہوئی ہے۔

اختلاف الائمۃ فی المسائل المہمہ

یہ کتاب مولانا عبدالغفور صاحب سنبھلی نے ترتیب دی ہے، جو دراصل اساتذہ کرام کی تقریروں کا نچوڑ ہے، اس کتاب میں ایمان و رفع یدین اور دیگر اہم فقہی مسائل میں ائمہ کے اختلافات اور راجح مسلک کی نشان دہی کی گئی ہے، کتاب کی ضخامت (۱۱۲) صفحات ہے۔

اسلام اور جدید معاشرتی مسائل

یہ کتاب حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی کی مرتب کردہ ہے، جس میں نکاح کی شرطیں، تفویض طلاق کا مسئلہ، کفاءت کے مسائل، خیار بلوغ کا حق اور اس کا استعمال، نفقہ ادا نہ کرنے کی بنا پر فسخ نکاح، مفقود الخبر کی بیوی کا حکم، ظلم و زیادتی اور امراض و عیوب وغیرہ کی بنا پر فسخ نکاح، خلع میں قاضی اور حَکَم کے اختیارات، حالت نشہ کی طلاق، ہندوستان میں نظامِ قضاء کا حکم، تعزیر مالی کے احکام وغیرہ پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے، یہ کتاب مولانا کی معرکۃ الآراء تصنیف ''جدید فقہی مسائل'' کی تیسری جلد ہے، جس کی ضخامت (۲۴۹) صفحات ہے اور جسے ۱۹۹۹ء میں کتب خانہ نعیمیہ دیوبند نے شائع کیا ہے۔

اسلام اور جدید میڈیکل مسائل

یہ کتاب بھی حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی (ناظم المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد و جنرل سکریٹری اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا) کی گرانقدر تالیف ہے، جس میں طبی اخلاقیات، ایڈز کی وجہ سے فسخ نکاح اور اسقاطِ حمل، شراب کے ذریعہ علاج، اعضاء کی پیوند کاری، اعضاء کی

خرید وفروخت، اسلام میں فیملی پلاننگ، عزل اور اس کے متماثل صورتیں، مانع حمل دواؤں کا استعمال، نس بندی، ٹیسٹ ٹیوب سے تولید، ٹیوب بے بی کے ثبوت نسب کا مسئلہ، کلوننگ کا شرعی حکم وغیرہ موضوعات پر تفصیلی روشنی ڈالی گئی ہے، یہ کتاب مولانا کی مشہور تصنیف ''جدید فقہی مسائل'' کی پانچویں جلد ہے، جس کی ضخامت (۱۷۳) صفحات ہے، اس کتاب کی طباعت ۱۹۹۸ء میں کتب خانہ نعیمیہ دیوبند سے ہوئی۔

اسلام کا مکمل نظامِ طلاق

یہ کتاب قاضی عبدالجلیل قاسمی (قاضی شریعت امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ) کی تالیف ہے، اسلام میں نکاح کی حیثیت اور اس کی حکمتیں، طلاق کی حقیقت، قدیم ہندوستان میں طلاق کا رواج، قدیم چینیوں اور یونانیوں کے یہاں طلاق، دین مسیح میں طلاق، برطانیہ، اٹلی، امریکہ میں قانون طلاق، نیرودھ (کنڈوم) کے ذریعہ حلالہ، نشہ والے، گونگے، پاگل، معتوہ، نابالغ، برسام والے، غش کھانے والے اور مدہوش کی طلاق، خلع کے احکام، فسخ وتفریق کے احکامات اور عدالت ہند کا فیصلہ وغیرہ پر تفصیلی روشنی ڈالی گئی ہے، کتاب کی ضخامت (۲۲۳) صفحات ہے، جو ۱۹۹۰ء میں دارالمؤلفین دیوبند سے شائع ہوئی ہے۔

اسلام کا نظام عشر وزکوٰۃ

یہ کتاب حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی کی تصنیف ہے، جس میں زکوٰۃ کا ثبوت، اس کی حکمت ومصلحت، اس کے متعلق شرائط، دیون کی زکوٰۃ، پراویڈنٹ فنڈ میں زکوٰۃ، باؤنڈز اور شیئرز پر زکوٰۃ، جانوروں میں زکوٰۃ، کمپنی کی زکوٰۃ، زکوٰۃ وعشر کا فرق، ہندوستان کی اراضی میں عشر، مصارفِ زکوٰۃ، مؤلفۃ القلوب، ہاشمی عاملین اور موجودہ محصلین کو زکوٰۃ دینا، زکوٰۃ کا اجتماعی نظام، صدقۂ فطر کے مسائل، کفارہ کے مسائل، صدقات نافلہ کے احکام وغیرہ پر قرآن وحدیث اور مذاہب ائمہ اربعہ کی روشنی میں تفصیلی بحث کی گئی ہے، یہ کتاب فقہ کی (۸۰) سے زائد کتابوں کا عرق اور نچوڑ ہے، کتاب کی ضخامت (۲۳۱) صفحات ہے، جسے ۱۴۱۵ھ میں

حسامی بک ڈپو حیدرآباد نے شائع کیا ہے اور ۱۴۲۲ھ میں کتب خانہ نعیمیہ دیوبند سے اس کی اشاعت ہوئی ہے۔

اسلامی تقریبات

یہ رسالہ مولانا محمد میاں صاحب دیوبندی نے مرتب کیا ہے، جس میں عید الفطر کے احکام ولوازمات اور نماز عید کے طریقے، قربانی کے فضائل وطریقے، دُعاء، نیت، قربانی کے جانوروں کی صفات، عقیقہ وتحنیک کی حقیقت، حکمت ومصلحت، ثواب وفضائل اور عقیقہ کی دُعاء اور اس کے احکام تفصیل سے بیان کیے گئے ہیں، رسالہ کی ضخامت (۳۲) صفحات ہے، جس کی اشاعت کتابستان گلی قاسم جاں، دہلی سے ہوئی ہے۔

الاجوبہ فی عربیۃ خطبۃ العروبۃ

یہ رسالہ مفتی محمد شفیع صاحب نے مرتب فرمایا ہے، جس میں خطبہ کے ارکان وآداب کے ساتھ ان مسائل پر روشنی ڈالی گئی ہے کہ خطبہ کی اصلی حقیقت ذکر ہے وعظ وتذکیر نہیں، خطبۂ جمعہ غیر عربی میں جائز نہیں، جیسا کہ صحابہ غیر عربی داں کے سامنے بھی جمعہ کا خطبہ عربی زبان ہی میں دیا کرتے تھے، خطبہ کی سنتوں میں امام ابو یوسفؒ، امام نوویؒ، امام رافعیؒ اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی وغیرہ نے عربی زبان میں خطبہ ہونا بھی شمار کیا ہے، عربی زبان کی بعض خصوصیات، اذان اور خطبہ وغیرہ کو خاص عربی زبان میں رکھنا اسلام کا ایک اہم مذہبی اور سیاسی مقصد ہے؛ تاکہ جب لوگ اس کو نہیں سمجھیں گے تو عربی سیکھنے کی طرف رغبت ہوگی جو قرآن وحدیث اور علوم شرعیہ کی زبان ہے، اس رسالہ کی ضخامت (۲۰) صفحات ہے، جسے ۱۳۵۰ھ میں دار الاشاعت دیوبند نے شائع کیا ہے۔

الاعلام المرفوعۃ فی حکم الطلقات المجموعۃ

یہ کتاب مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی کی تصنیف ہے، جس میں ایک مجلس کی تین طلاق ایک ہی شمار ہوگی، یا تین مانی جائے گی؟ اس سلسلہ میں تحقیقی بحث کی گئی ہے، کتاب کی ضخامت

(۱۱۵) صفحات ہے، جسے ۱۴۲۰ھ میں مرکز تحقیقات وخدمات علمیہ مئو نے شائع کیا ہے۔

التصویر لاحکام التصویر

یہ کتاب مفتی محمد شفیع صاحب دیو بندی کی تصنیف ہے، اس کتاب کو دو حصوں پر تقسیم کیا گیا ہے، حصہ اول میں ایک مقدمہ اور تین ابواب ہیں، مقدمہ میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ قانون اسلام میں کوئی تنگی نہیں اور تمام مذاہب عالم میں صرف مذہب اسلام ہی ایک ایسا قانون ہے جس نے تمام انسانی ضروریات اور فطری جزئیات کی پوری رعایت کی ہے، بشرطیکہ جزئیات واقع میں فطری ہوں، شیطانی وساوس نہ ہوں، پہلے باب میں عقلی طور پر تصویر کے بنانے اور استعمال کرنے کی خرابیاں، تصویر کے متعلق قرآن وحدیث کی ہدایات اور علماء وفقہاء کے ارشادات نقل کیے گئے ہیں، دوسرے باب میں بیان کیا گیا ہے کہ فوٹو گرافی تصویر کشی میں داخل ہے یا نہیں اور صرف چہرہ یا نصف دھڑ کی تصویر کے متعلق شرعی حکم کیا ہے؟ تیسرے باب میں ان تصاویر کا مفصل بیان ہے جن کا استعمال شرعاً جائز ہے، جیسے چھوٹی بچیوں کے لئے گڑیے وغیرہ کی نامکمل تصویریں۔

کتاب کا دوسرا حصہ صفحہ ۸۱ سے شروع ہوتا ہے، اس دوسرے حصہ میں ان شبہات کا ازالہ کیا گیا ہے جو مغربی تعلیم وتہذیب کی مرہون منت ہے، یا بعض روایات کی اجمال سے پیدا ہو گئے ہیں؛ اسی لئے اس دوسرے حصہ کا نام ''كشف التدلیس عن أحكام التصوير'' رکھا ہے، پوری کتاب کی ضخامت (۱۳۴) صفحات ہے، جسے ۱۳۵۲ھ میں دارالاشاعت دیو بند نے شائع کیا ہے۔

الحیلۃ الناجزہ

مسلم عورتیں شوہروں کی ناروا حرکات کی وجہ سے کس مپرسی کی حالت میں غلط قدم اٹھانے لگی تھیں اور کبھی کبھی ارتداد والحاد کی نوبت بھی آجاتی تھی اور پنجاب وغیرہ کے علاقہ میں اس قسم کے واقعات پیش بھی آچکے تھے؛ کیوں کہ جو شوہر طلاق نہ دے رہا ہو اور بیوی پر ظلم وجور

کو روا رکھتا ہو، اس کے لئے شوہر سے چھٹکارے کی ایک صورت تو قاضی شریعت کے ذریعہ تفریق ہے اور ہندوستان میں دارالقضاء کا قابل ذکر نظام موجود نہیں تھا؛ اس لئے یہ عورتیں اپنی گلوخلاصی کا واحد ذریعہ ''ارتداد'' ہی کو سمجھتے ہوئے مرتد ہونے لگیں؛ کیوں کہ ارتداد کی وجہ سے زن وشو میں خود بخود تفریق ہو جاتی ہے — اسی پس منظر میں حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے شوہر کی مفقود الخبری اور اس جیسے دیگر اسباب فسخ وتفریق پر — جن میں حنفیہ کے نزدیک احتیاط کی بنا پر کسی قدر شدت تھی — مالکیہ کے لچکدار قول کو اپناتے ہوئے ایسی مظلوم عورتوں کی گلوخلاصی کا راستہ نکالا اور اپنی یہ تحریر دیوبند وسہارنپور کے علماء کے علاوہ ہندوستان میں پھیلے ہوئے مختلف علماء کی خدمت میں پیش کی، جن میں دہلی، میرٹھ، مرادآباد، جالندھر، گجرات، امرتسر، پاکستان، کشمیر، بنگلہ دیش اور بہار کے علماء شامل تھے، بیشتر علماء نے بدلتے ہوئے حالات میں حضرت تھانوی کی رائے کو قبول کیا اور کچھ لوگوں نے اس پر اپنا نوٹ ارسال کیا تو اسے بھی اس کتاب میں شامل کر دیا گیا، نیز علماء مالکیہ سے باضابطہ اس سلسلہ میں استفسار کیا گیا اور ان کے جوابات بھی شامل کتاب کئے گئے، اس کتاب کے اساسی مضامین میں ارتداد زوجہ کی وجہ سے فسخ نکاح، تفویض طلاق، حکم قضاء قاضی در ہندوستان، حکم زوجۂ عنین، زوجۂ مجنون، زوجۂ مفقود، زوجۂ متعنت، زوجۂ غائب غیر مفقود، حرمت مصاہرت، حرمت رضاعت، خیار بلوغ، خیار کفاءت وغیرہ ہیں، کتاب کی ضخامت (۲۴۴) صفحات ہے، جسے مکتبہ رضی دیوبند نے شائع کیا ہے۔

الربا

یہ کتاب مولانا عبیداللہ اسعدی (سکریٹری اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا واستاذ حدیث وفقہ جامعہ عربیہ ہتورا باندہ) کی مرتب کردہ ہے، اس کتاب میں ۲۶ جلی عنوان اور مختلف ذیلی عنوان قائم کئے گئے ہیں، مولانا نے ''ہماری کج روی اور سود'' کے عنوان کے تحت سود کے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئیاں اور سودی لین دین کے لئے لوگوں کی حیلہ جوئی وغیرہ کا ذکر کیا ہے، اس کے علاوہ سود کی حقیقت، دوسرے ادیان میں سود کی ممانعت، سود کے جواز

عقلی موشگافیوں کا جائزہ، شخصی اور تجارتی سود میں فرق، دار الحرب کی حقیقت اور ہندوستان کی شرعی حیثیت، ضرورتاً سود لینے کے جواز وغیرہ پر تفصیلی روشنی ڈالی گئی ہے، اخیر میں ۲۲ صفحات پر مشتمل اسلامک فقہ انڈیا کے سوالنامہ کا جواب ہے، کتاب کی ضخامت (۲۹۵) صفحات ہے، جس کی اشاعت ۱۹۹۴ء میں اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا (دہلی) سے ہوئی۔

اقامتِ صلوٰۃ

یہ کتاب مولانا عبدالحلیم نے مرتب فرمائی ہے، جس میں نماز کے فضائل وآداب، نماز کی فرضیت واہمیت، نماز کے اوقات، غسل ووضو اور تیمم سے متعلق مسائل وغیرہ پر تفصیلی بحث کی گئی ہے، کتاب کی ضخامت (۸۰) صفحات ہے، جس کی اشاعت ۱۳۷۶ھ میں جامعہ حنفیہ لاہور سے ہوئی۔

انوار المصابیح فی توضیح التراویح

یہ حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی گرانقدر تصنیف ہے، جس میں تراویح کے مسائل پر تفصیلی بحث کی گئی ہے، یہ کتاب فارسی زبان میں لکھی تھی، جس کا اُردو ترجمہ مولانا اشتیاق احمد نے کیا ہے، اس کتاب کے شروع میں مولانا قاری محمد طیب (مہتمم دار العلوم دیوبند) کا بیش قیمت مقدمہ بھی شامل ہے، کتاب کی ضخامت (۳۲۵) صفحات ہے، جس کی اشاعت ۱۳۷۶ھ میں دار الاشاعت دیوبند سے ہوئی۔

ایک مجلس میں تین طلاق

یہ کتاب مولانا عامر عثمانی (مدیر ماہنامہ "تجلی" دیوبند) کی مرتب کردہ ہے، جس میں یکبارگی تین طلاق دینے سے تین طلاق مغلظہ پڑ جانے پر بڑے فاضلانہ انداز میں بحث کی گئی ہے اور جن لوگوں کا خیال ایک مجلس میں تین طلاق دینے سے ایک ہی طلاق کے وقوع کا ہے، ان کی دلیلوں کا بھرپور جائزہ لیا گیا ہے، خاص کر اسلامک ریسرچ سنٹر احمد آباد (گجرات) کی دعوت پر نومبر ۱۹۷۳ء میں جو ایک مجلس میں تین طلاق کے موضوع پر سیمینار ہوا تھا، اس میں

پیش کردہ بعض مقالات پر علمی تنقید کی گئی ہے، کتاب کی ضخامت (۴۲۸) صفحات ہے، جس کی اشاعت ۱۹۹۸ء میں کتب خانہ نعیمیہ دیوبند سے ہوئی۔

بغیۃ الأریب فی مسائل القبلہ والمحاریب (عربی)

یہ کتاب مولانا محمد یوسف بنوریؒ کی گرانقدر تصنیف ہے، جس میں سمتِ قبلہ معلوم کرنے کے طریقے، سیاروں کی حرکت کے متعلق اہم معلومات، قبلہ اور سمتِ قبلہ میں فرق وغیرہ پر تفصیلی روشنی ڈالی گئی ہے، اس کے حاشیہ میں کلنبوی کا رسالہ بھی ملصق ہے؛ تاکہ مسائل کے سمجھنے میں آسانی ہو، یہ کتاب (۱۸۴) صفحات پر مشتمل المجلس العلمی ڈابھیل سورت سے چھپی ہے۔

بہشتی ثمر (دو جلدیں)

یہ کتاب حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی مرتب کردہ ہے، جس کی پہلی جلد میں عقائد، طہارت، نماز، نواقضِ وضو، نواقضِ غسل، حیض اور نفاس کے مسائل بیان کئے گئے ہیں، دوسری جلد میں روزہ، زکوٰۃ، عقیقہ، قسم، لباس اور پردے کا حکم، نیز شمائلِ نبوی اور توحید وغیرہ اشعار میں بیان کئے گئے ہیں، یہ کتاب دراصل بہشتی زیور ہی کی تلخیص کی گئی ہے؛ تاکہ ابتداً بچیوں کے سامنے مسائل کا خلاصہ آجائے، پھر بسط وتفصیل سے انھیں بہشتی زیور پڑھائی جائے، اس کتاب کی ضخامت (۲۶۴) صفحات ہے، جس کی اشاعت ۱۳۵۶ھ میں انوار المطابع لکھنؤ سے ہوئی ہے۔

بہشتی زیور

یہ کتاب مولانا سید احمد علی نے حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ سے استفادہ کرکے اور کچھ اپنی جانب سے اضافہ کرکے مرتب کی ہے، اس کتاب کے دس حصے ہیں، حصۂ اول میں اُردو لکھنے، پڑھنے، عزیز واقارب، چھوٹے بڑے کے القاب ونمونۂ خط نویسی اور تقریباً چار سچی کہانیاں، نیز عقائد وغیرہ کا بیان ہے، دوسرے حصے میں طہارت، نجاست، نماز کے اوقات، شرائط، طریقہ، مفسدات، نمازِ وتر، سنت، نوافل، سجدۂ سہو، تلاوت، معذور ومسافر کے مسائل،

کفن، دفن وغیرہ کے احکام بیان کیے گئے ہیں، تیسرے حصے میں رمضان، زکوٰۃ، صدقۂ فطر، قربانی، قسم، ذبح، بعض حلال وحرام، چاندی وسونے کے برتن، ملبوسات اور وقف وغیرہ کے متعلق مسائل بیان کیے گئے ہیں، چوتھے حصے میں نکاح، طلاق، خلع، مفقود الخبر شوہر، سوگ، نان ونفقہ، حق حضانت، آداب واخلاق، تلاوت قرآن بالتجوید، ظہار، کفارۂ ظہار، لعان اور عدت کی مدت کی تعیین وغیرہ پر بحث کی گئی ہے، پانچویں حصے میں خرید وفروخت اور اس کے احکام واقسام، سودی لین دین، قرض، کفالت عن الغیر، وکالت، مضاربت، امانت، ہبہ، اجارہ، اعارہ، رہن اور وصیت وغیرہ کے مفصل مسائل بیان کیے گئے ہیں، چھٹے حصے میں مدرس کے متعلق سات دستور العمل لکھے گئے ہیں، جن میں طالبات کو بری رسموں سے نفرت دلانا، لکھنے کی مشق کرانا، مسائل کا آپس میں مذاکرہ کرنا اور نہ جاننے والی خواتین تک مسائل پہنچانے کی ہدایت کی گئی ہے، ساتویں حصے میں آداب واخلاق، ثواب وعذاب وغیرہ کا ذکر ہے، آٹھویں حصے میں سیرت انبیاء، ازواج مطہرات کی سیرت اور دیگر نیک خواتین کے واقعات ذکر کیے گئے ہیں، تاکہ ان میں بھی عمل کی رغبت ہو، نویں حصے میں صحت وتندرستی کی اہمیت اور بیماری میں صبر وہمت اور حصولِ شفا کے لئے چند نسخے تیار کیے گئے ہیں، دسویں حصے میں ایسے آدابِ زندگی بیان کیے گئے ہیں، جن سے خود پُرسکون رہیں، دوسروں کو بھی پُرسکون رہنے دیں، عیب دار باتوں سے اس میں منع کیا گیا ہے، گھر کا انتظام، بچوں کی صحیح تربیت اور ضرورت کی چیزیں بنانے کی ترکیب بھی بتائی گئی ہے اور خاتمہ میں مضر اور نفع بخش کتابوں کے ذکر کے ساتھ ایک نظم بھی لکھی گئی ہے، جس میں ماں اپنی بیٹی کو نصیحت کرتی ہے — مجموعی طور پر یہ کتاب عورتوں کے تمام مسائل کو جامع ہے۔

بیوٹی پارلر کی شرعی حیثیت

یہ کتاب مولانا انعام الحق نے مرتب کی ہے، جس میں تزئین وآرائش سے متعلق احادیث، شریعت کے اُصول اور آج کل تزئین کے نو ایجاد طریقوں کے سلسلہ میں فقہاء وعلماء کی آراء کی وضاحت کی گئی ہے، کتاب میں جن عناوین پر بحث کی گئی ہے، ان میں معاشرہ کی

مسموم فضاء، غیر شادی شدہ لڑکی کی تزئین، چہرہ کی مالش، بال کی صفائی، ہونٹوں کی ساخت، مصنوعی بال لگوانا، بدن پر نقش ونگار کروانا، سینے کے اُبھار کو بڑھانا، گجرا، مصنوعی ناخن، لپ اسٹک، صلیب کی شکل کے زیور، تزئین و آرائش کے لئے بیوٹی پارلر جانے کا حکم وغیرہ خاص کر قابل ذکر ہیں، یہ کتاب (۶۹) صفحات پر مشتمل ہے، جسے ۱۴۲۳ھ میں عبداللہ بن مسعود اسلامی اکیڈمی، حیدرآباد نے شائع کیا ہے۔

تبیین الحجۃ فی اعفاء اللحیۃ

داڑھی کے سلسلہ میں بعض لوگوں کا خیال تھا کہ داڑھی منڈانے کی حرمت قرآن کریم سے ثابت نہیں، یہ صرف احادیث سے ثابت ہے، جس کی وجہ سے داڑھی کو سنت کہا جاتا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ داڑھی رکھ لی جائے تو بہتر ہے، مگر منڈوانے میں کوئی حرج نہیں ہے ـــ یہ رسالہ اسی خیال کا جواب ہے، جسے مولانا محمد حسن مرادآبادی نے مرتب کیا ہے، اس رسالہ میں مولانا نے داڑھی منڈانے کی ممانعت میں چار آیات کریمہ، چار احادیث شریفہ اور چار فقہی کتابوں کا حوالہ پیش فرمایا ہے، اس کے علاوہ مرد کے لئے داڑھی حسن و جمال ہے اور چہرہ کو داڑھی سے معری کردینا مضر صحت ہے وغیرہ نکات پر بھی روشنی ڈالی گئی۔ رسالہ کی ضخامت (۳۷) صفحات ہے، جس کی اشاعت ۱۹۱۷ھ میں لجنۃ العلماء مرادآباد سے ہوئی تھی۔

تحذیر الاخوان عن الربا فی الہندوستان

یہ رسالہ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کا مرتب کردہ ہے، جس میں سود کی مذمت اور سود کے مروجہ معاملات کے سلسلہ میں شرعی احکام بیان کئے گئے ہیں، اس رسالہ میں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کے بھی دو فتاویٰ سودی لین دین اور رشوت سے متعلق شامل ہیں، نیز دُعاء تعویذ، جھاڑ پھونک اور اس کے متعلق بعض خرابیوں پر بھی ایک مفصل تحریر اس رسالہ میں شامل ہے، ان کے علاوہ ''الحق الصراح فی أجرۃ الإنکاح'' کے نام سے ایک رسالہ شامل ہے، جس میں نکاح پڑھانے والے قاضی کی اجرت کے سلسلہ میں شرعی حکم بیان کیا گیا

ہے اور ایک تحریر "التوریع عن فساد التوزیع" کے نام سے شامل ہے، جس میں بدعات وخرافات، اسراف وفضول خرچی اور چندہ لینے دینے میں بے احتیاطی وغیرہ پر روشنی ڈالی گئی ہے، رسالہ کی ضخامت (۵۱) صفحات ہے، جس کی اشاعت ۱۳۲۲ھ میں کانپور سے ہوئی تھی۔

تحفۂ حج

یہ کتاب مولانا بدرالحسن چمپارنی نے لکھی ہے، جس میں حج کی لغوی وشرعی تعریف، فلسفہ حج پر ایک سرسری نظر، حج کی فرضیت، حج کی فضیلت، اقسام حج، ائمہ کے درمیان اختلافی مسائل، فرائض احرام، محظورات احرام، عورت کا احرام، چھوٹے بچہ کا احرام، طریقۂ طواف، سعی بین الصفاء والمروۃ، مکہ مکرمہ اور کعبہ شریف کی فضیلت، وغیرہ پر تفصیلی روشنی ڈالی گئی ہے، کتاب کی ضخامت (۱۹۲) صفحات ہے، جس کی اشاعت ۱۹۷۰ء میں ضلع چمپارن (بہار) سے ہوئی۔

تحفۂ حفاظ

یہ کتاب حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی تالیف ہے، جس میں رکعات تراویح کا ثبوت، تراویح کے بعض منکرات، نابالغ کے پیچھے تراویح، فاسق کی امامت، امرد کی امامت، بعض حافظوں کی غلط فہمی کا ازالہ، بعض حافظوں کی بری عادات، رمضان میں ختم قرآن کے روز مسجد کی سجاوٹ وغیرہ عناوین پر تفصیلی روشنی ڈالی گئی ہے، یہ کتاب (۱۰۴) صفحات پر مشتمل ہے۔

تحقیق سمت قبلۃ البلاد بسعی رئیس جہانگیر آباد

اودھ کے ضلع بارہ بنکی میں جہانگیر آباد ایک چھوٹا سا محلہ تھا، جہاں ایک مسجد کی بنیاد ڈالی گئی، بنیاد پختہ ہو جانے کے بعد اطلاع ہوئی کہ سمت قبلہ غلط ہے؛ چنانچہ مختلف علماء وماہرین ہیئت سے رابطہ کیا گیا، سوالات وجوابات کے سلسلے شروع ہوئے، خاص کر مولانا سید مقبول حسین وصل کی خدمت حاصل کی گئی، مولانا موصوف نے حضرت تھانوی ودیگر علماء کرام کی آراء حاصل کی اور بارہ جلی عنوانات کے ساتھ سمت قبلہ کی صحیح تحقیق پیش کی، جسے افادۂ عام کے پیش نظر کتابی شکل میں شائع کر دیا گیا، یہ کتاب (۷۲) صفحات پر مشتمل ہے، جس کی اشاعت ۱۹۴۰ء میں یونائیٹڈ انڈیا پریس لکھنؤ سے ہوئی ہے۔

تحقیق مسئلہ خطبہ جمعہ

فقہاء کرام کی تحریروں میں خطبہ جمعہ کو کبھی ذکر اور کبھی موعظت کہا گیا ہے، موعظت ونصیحت کے لفظ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بعض لوگوں نے ہندوستان میں خطبۂ جمعہ اُردو میں دینے کا مسئلہ زور و شور سے اٹھایا؛ چنانچہ مولانا شبیر احمد عثمانی نے اس طرح کے ایک سوال کے جواب میں یہ رسالہ مرتب فرمایا، جس میں شمس الائمہ سرخسی، علامہ ابن الہمام، علامہ ابن عابدین اور علامہ سید مرتضیٰ زبیدی وغیرہ کی مفصل عبارتوں کی روشنی میں اس بات کا انکشاف کیا گیا کہ عرف عام اور رواج کی وجہ سے کبھی خطبہ کا اطلاق محض موعظت وتذکیر پر کردیا جاتا ہے، یہ ایسا ہے جیسا کہ ہمارے محاورات میں ایک دو آیت کریمہ کا ترجمہ، یا ایک دو فقہی مسئلے سامعین کے روبرو بیان کیا جاوے تو اس کو وعظ نہیں کہا جائے گا؛ کیوں کہ عرف عام میں وعظ کے لئے چند ایسی خصوصیات وشرائط ہیں جن کے بغیر اسے وعظ نہیں کہا جاتا ہے، یہی حال خطبہ جمعہ کا ہے، نیز جب عہد صحابہ میں فتوحات کے دروازے کھلتے گئے اور بڑی تعداد میں غیر عربی اقوام نے بھی اسلام قبول کیا، مگر ان کی مختلف زبانوں کے باوجود غیر عربی میں خطبہ گوارا نہ کیا گیا، نو مسلم قوم کی انہام وتفہیم کے لئے زیادہ مناسب دیگر ملکوں میں غیر عربی زبان ہی تھی؛ لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اس شدید ضرورت کے باوجود غیر عربی میں خطبہ نہ دینا خطبہ کے عربی میں ضروری ہونے کی واضح دلیل ہے — یہ رسالہ (۱۴) صفحات پر مشتمل ہے، جس کی اشاعت ۱۳۳۲ھ میں ہوئی تھی۔

تنزیہہ القرآن عن استبدال الازمان

اس رسالہ کے مرتب مولانا سید احمد حسن سنبھلی ہیں، جس میں ''مروجہ قرآن خوانی'' سے متعلق فقہی احکام کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے، رسالہ کی ضخامت (۱۶) صفحات ہے، جس کی اشاعت ۱۳۲۳ھ میں ہوئی تھی۔

توثیق الکلام فی الانصات خلف الامام

امام کے پیچھے مقتدی سورۂ فاتحہ پڑھے گا یا نہیں؟ اس سلسلہ میں حجۃ الاسلام حضرت

مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے ایک کتاب ''کیا مقتدی پر فاتحہ واجب ہے؟'' کے نام سے لکھی تھی؛ لیکن حضرت نانوتوی کی دقیق تحقیق اور قدیم اُردو کے پیش نظر مسائل کو سمجھنا آسان نہیں تھا؛ چنانچہ اس کی تشریح وتوضیح مفتی سعید احمد پالن پوری حفظہ اللہ نے کی اور اس کا نام ''توثیق الکلام فی الانصات خلف الامام'' رکھا، مولانا نے اپنی طرف سے عناوین قائم کرکے اس کے تحت اپنے الفاظ میں حضرت نانوتوی قدس سرہ کی عبارت کا مطلب بیان کیا ہے؛ تاکہ کتاب کا مطالعہ کرنے والا نفس مسئلہ اور مدعا سمجھ کر حضرتؒ کے دلائل و براہین پڑھے تو آسانی سے اس کے مطالب سمجھ سکے اور وہ ان حقائق و معارف تک پہنچ سکے جہاں پہنچانا مقصود ہے، کتاب کے شروع میں حضرت نانوتویؒ کے حالات بھی ذکر کیے گئے ہیں، کتاب کی ضخامت (۱۳۲) صفحات ہے۔

توضیح البرہان فی اشتراط السلطان

یہ رسالہ مولانا سید مہدی حسن کا مرتب کردہ ہے، جس میں آیات کریمہ، احادیث شریفہ، اُصولِ فقہ اور علماء سلف صالحین کے اقوال کی روشنی میں قیام واداء جمعہ کی حدود وقیود اور شرائط کی مفصل وضاحت کی گئی ہے اور واضح کیا گیا ہے کہ خلیفۃ المسلمین اور سلطان کے بغیر بھی نماز جمعہ درست ہے، نیز خلیفۂ ثالث سیدنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے واقعہ سے ہونے والے شبہ کا ازالہ بھی کیا گیا ہے، اس رسالہ کی ضخامت (۱۲) صفحات ہے، جسے مطبع قاسمی دیوبند نے شائع کیا ہے۔

چند اہم فقہی مسائل بدلتے ہوئے حالات میں

یہ کتاب مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ کی تصنیف ہے، جس میں قاضی صاحب نے آج کے بدلتے ہوئے حالات میں سودی قرضے، دیہات میں نماز جمعہ، فیملی پلاننگ، ازدواجی اُلجھنوں کا حل اور تحکیم کے شرعی اُصول وغیرہ پر تحقیقی بحث کی ہے، کتاب کی ضخامت (۱۲۸) صفحات ہے، جسے ۱۹۸۵ء میں مجلس تحقیقات اسلامی، حیدرآباد نے شائع کیا ہے۔

حلال وحرام

یہ کتاب حضرت الاستاذ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی نے مرتب فرمائی ہے، جس میں اعتقادات، عبادات، معاملات، آداب واخلاق، کھیل کود، صنعت وحرفت، جدید آلات کے ذریعہ تولید، حیوانات میں حلال وحرام، دریائی جانور کے احکام، خشکی کے جانوروں کا حکم، مشینی ذبیحہ، نجاست خور حلال جانور کا حکم، آلاتِ شکار، حشیش وتمباکو کا حکم، انسانی خون چڑھانا، اعضاء انسانی کی خرید وفروخت، اعذار سے تشبہ، بیوٹی سرجری، کریم وغیرہ کا استعمال، ناول وافسانے، ترنم وموسیقی، شطرنج اور بعض نئے کھیل، منگیتر کو دیکھنا، رسم وجہیز، جماع میں حق عورت، جانوروں سے تکمیل ہوس، عورتوں میں ہم جنسی، ٹسٹ ٹیوب سے تولید، مانع حمل ادویہ، مستقل منع حمل، ضبط تولید میں تعاون، بینک انٹرسٹ، پگڑی، ٹیلیفون کا حکم، عقیقہ، ختنہ اور جسمانی سرزنش وغیرہ موضوعات پر تفصیلی بحث کی گئی ہے، کتاب کی ضخامت (٤٧٥) صفحات ہے، جس کی اشاعت کتب خانہ نعیمیہ دیوبند سے ہوئی ہے۔

حل الدقائق فی تحقیق الصبح الصادق

یہ کتاب مولانا لطف اللہ کی مرتب کردہ ہے، مولانا کی نظر ایک ایسی جنتری پر پڑی جس میں رمضان المبارک، افطار وسحر وغیرہ کے اوقات درج تھے، جو مولانا کی تحقیق کے مطابق صحیح نہیں تھے، نیز اس جنتری کے مطابق سحری کا اعلان ایسے وقت میں ہونے لگا جس سے عوام میں خلفشار وانتشار کا خدشہ بڑھنے لگا تھا، مولانا نے اسی پس منظر میں صبح صادق کی صحیح تحقیق اور وقت افطار میں اختلاف مذاہب، اور حنفیہ کے مفتی بہ قول کو نقل کیا ہے، نیز مذکورہ جنتری کی دلیلوں کے جوابات اور بارہ مہینوں کے اوقات نماز کا نقشہ بھی شامل کر دیا گیا ہے، یہ رسالہ (٤٠) صفحات پر مشتمل ہے، جو ١٣١٢ھ میں رام پور سے چھپ چکا ہے۔

داڑھی اور انبیاء کی سنتیں

یہ کتاب مفتی سعید احمد پالن پوری (شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند) کی مرتب کردہ ہے،

جس میں چہرہ کی آرائش میں بالوں کا دخل، داڑھی کے ذریعہ مردانہ اور زنانہ حسن کا امتیاز، داڑھی کے بارے میں سکھوں کی افراط اور دانشوروں کی تفریط کے درمیان اسلام کی عادلانہ تعلیم، داڑھی سے متعلق قرآن وحدیث کی تعلیم، فقہی احکام اور شریعت کی حکمتیں، نیز داڑھی سے متعلق بعض شبہات کے ازالہ وغیرہ پر تفصیلی روشنی ڈالی گئی ہے، اس کتاب کی ضخامت (۱۴۴) صفحات ہے، جس کی اشاعت ۱۳۹۴ھ میں مکتبہ وحیدیہ دیوبند سے ہوئی ہے۔

دو ضروری مسئلے

تقسیم پاکستان کے وقت ہندوستان چھوڑ کر پاکستان چلے جانے والوں کے سلسلہ میں مولانا ابوالاعلیٰ مودودی صاحب سے کسی نے دو سوالات کئے تھے کہ پاکستان ہجرت کرنے سے نکاح باقی رہتا ہے یا نہیں؟ اور ہجرت کرنے والا اپنے آباء واجداد کے مال میں وارث ہوگا یا نہیں؟ مولانا مودودی صاحب نے جواب دیا تھا کہ "وراثت جاری نہ ہوگی، رہا نکاح تو عدالت میں درخواست دے کر بیوی نکاح فسخ کراسکتی ہے اور آئندہ ہندوستانی و پاکستانی کے مابین نکاح نہ ہونا چاہئے، یہی میرا خیال ہے اور منشاء قرآن بھی یہی ہے" — انھیں دونوں مسئلوں کی تحقیق میں مولانا محمد میاں دیوبندی نے یہ رسالہ مرتب کیا تھا، جو (۲۴) صفحات پر مشتمل ہے اور جس کی اشاعت ۱۳۷۱ھ میں ہوئی تھی۔

ذبح وقربانی — احکام ومسائل

یہ کتاب مفتی اشرف علی قاسمی (استاذ المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد) کی تصنیف کردہ ہے، جس میں حلال وحرام جانوروں کی تفصیل، ذبح کی اقسام وشرائط، ذبح کے رائج طریقوں کا شرعی حکم، قربانی کی تاریخ، اس کی مشروعیت، احکام واقسام، قربانی کن لوگوں پر واجب ہے، قربانی کا وقت، جانوروں کے عیوب، قربانی کے گوشت کا حکم، عقیقہ کی حکمت ومصلحت اور اس کا شرعی حکم، شکار کے مختلف طریقے اور شکار کے مباح ہونے کی شرائط پر تفصیلی روشنی ڈالی گئی ہے، اس کتاب میں ائمہ اربعہ کی فقہ سے بھی استفادہ کیا گیا ہے اور حوالوں میں ان کے اصل مصادر

و مراجع نقل کیے گئے ہیں، کتاب کی ضخامت (۲۵۸) صفحات ہے، جسے ۱۴۲۲ھ میں المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد نے شائع کیا ہے۔

رسالۂ فرائض

یہ رسالہ مولانا منفعت علی نے مرتب کیا ہے، جس میں (۱۶۸) دفعات میں میراث کے مسائل کے احاطہ کی کوشش کی گئی ہے، اس کتاب کی ترتیب "سراجی" کے طرز پر رکھی گئی ہے؛ کیوں کہ ترتیب آگے پیچھے کرنے سے فرائض سیکھنے والے طلبہ کا ذہن پریشان اور خلط ملط ہونے کا اندیشہ تھا؛ اسی لئے اسی ترتیب کو برقرار رکھا گیا، اس کتاب کی خاص بات یہ کہ ہر قاعدے کو مثالوں کے ذریعہ سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے، نیز ماسبق کی یاددہانی کی غرض سے تمرینات اور سوالات بھی قائم کیے گئے ہیں، کتاب کی ضخامت (۷۵) صفحات ہے، جس کی اشاعت مطبع ہاشمی، میرٹھ سے ہوئی ہے۔

رفع الخلاف عن أحکام فونوغراف

یہ رسالہ مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی کا مرتب کردہ ہے، مفتی صاحبؒ نے اپنے رسالہ میں فونوگراف کی تحقیق کی ہے اور اس سے متعلق شرعی احکام ذکر کیے ہیں، فونوگراف کا موجد اول کون ہے؟ ایجاد کی کیا ضرورت پیش آئی؟ اس میں کیا مقاصد پنہاں ہیں؟ ایجاد ہو جانے کے بعد لوگوں کا اس کے ساتھ کیا رویہ ہے؟ یہ آلۂ مزامیر میں شامل ہے یا نہیں؟ اس کی آواز حقیقی ہے یا بازگشت؟ قرآن کریم کو ریکارڈ کر لینے کے بعد عین قرآن کا حکم ہوگا یا نہیں؟ کیسٹ، سی ڈی یا ریکارڈ کیا ہوا پلیٹ بلا وضو چھو سکتے ہیں یا نہیں؟ یہ اور اس طرح کے پیش آنے والے سوالوں کا اس رسالہ میں تشفی بخش جواب دیا گیا ہے، یہ رسالہ (۱۲) صفحات پر مشتمل ہے، جس کی اشاعت ۱۳۵۶ھ میں دارالاشاعت دیوبند سے ہوئی۔

رفیق حج وعمرہ

حج ایک اہم اور عظیم اسلامی عبادت ہے؛ لیکن زندگی میں صرف ایک مرتبہ حج فرض

ہونے کی بنا پر، حجاج کرام اس کے اکثر مسائل سے ناواقف ہوتے ہیں اور پہلے بحری سفر ہوتا تھا جس میں دوران سفر کافی وقت مل جاتا تھا، جس میں علماء و مبلغین حضرات مسائل حج وعمرہ بتادیا کرتے تھے؛ لیکن اس زمانہ میں یہ سفر کم وقتوں میں طے ہو جاتا ہے اور مسائل کی رہنمائی کے لئے کم وقت ملتا ہے، جس کی وجہ سے مسائل پورے طور پر ذہن نشیں نہیں ہو پاتے، اسی پس منظر میں مولانا خالد سیف اللہ رحمانی نے حج کے ضروری مسائل پر ایک پاکٹ سائز کتاب مرتب کی ہے؛ تاکہ جس وقت کوئی مسئلہ پیش آئے، اسی وقت اس کتاب کے ذریعہ رہنمائی حاصل کرلی جائے، خاص کر اس وقت جو حج سے متعلق نئے نئے مسائل پیدا ہوگئے ہیں، ان پر مولانا نے سادہ انداز میں شرعی حکم واضح کردیا ہے، یہ کتاب پاکٹ سائز میں (۲۰۰) صفحات پر مشتمل ہے، جس کی اشاعت ۱۹۹۷ء میں ایشین ٹورس اینڈ ٹرولیس، حیدرآباد سے ہوئی ہے۔

رفیق سفر

یہ مختصر اور جامع رسالہ مولانا سید اصغر حسین دیوبندی کا مرتب کردہ ہے، جس میں مسافرین کے لئے پانی، تیمم اور نماز کے متعلق چند مسائل، ریل کے محصول اور ٹکٹ وغیرہ سے متعلق چند مسائل اور ریل کے متعلق چند متفرق مسائل بیان کئے گئے ہیں، اس رسالہ پر مفتی عزیز الرحمن عثمانی (سابق صدر مفتی دارالعلوم دیوبند) اور حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے نظر ثانی فرمائی ہے، نیز رسالہ کے آخر میں مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی نے ضرورت کے لحاظ سے چند ضروری مسائل کا اضافہ فرمادیا ہے، جو رسالہ میں شامل ہے، اس رسالہ میں مسافر شرعی کی تعریف، سفر کی دعائیں، سفر کے مخصوص مسائل، وطن کی اقسام واحکام، بچہ کا ٹکٹ، گاڑی چھوٹ جانے پر ٹکٹ کی واپسی، جتنا سامان لے کر سفر کرنے کی اجازت ہے، اس سے زیادہ سامان لے جانے اور ممنوع چیزوں کو لے جانے کا شرعی حکم وغیرہ، پر بحث کی گئی ہے، رسالہ کی ضخامت (۲۴) صفحات ہے، جسے ۱۳۵۴ھ میں دارالاشاعت دیوبند نے شائع کیا ہے۔

رکعاتِ تراویح

یہ کتاب مولانا حبیب الرحمن اعظمیؒ کی تصنیف ہے، جس میں انھوں نے احادیث

اور آثار صحابہ کی روشنی میں تراویح میں صحیح تعداد رکعات کی صراحت کی ہے اور اُمت مسلمہ کو راہ اعتدال اور حقیقت پسندی کی دعوت دی ہے، جا بجا اسماء رجال پر بحث کرکے حدیث سے استناد کے سلسلہ میں شکوک وشبہات کا ازالہ بھی فرمادیا ہے، یہ کتاب (۱۱۲) صفحات پر مشتمل ہے۔

رمضان المبارک کے فضائل ومسائل

یہ کتاب مولانا مظہر الدین کی مرتب کردہ ہے، جس میں مولانا نے روزہ، تراویح، اعتکاف، تلاوت، شب قدر، زکوٰۃ، صدقۂ فطر، تہجد، صلوٰۃ التسبیح، عید، نابالغ کی امامت، روزہ دار کو افطار کرانے کا ثواب، خواتین کی جماعت تراویح، عورتوں کے لئے عید کی نماز وغیرہ عناوین پر نہایت مختصر مگر کافی وشافی انداز میں روشنی ڈالی ہے، اس کتاب کی ضخامت (۵۰) صفحات ہے، جسے مدرسہ فیض القرآن (حیدرآباد) نے شائع کیا ہے۔

رہبر حجاج

یہ کتاب مولانا حبیب الرحمن اعظمیؒ کی تصنیف کردہ ہے، حج کے مسائل سے متعلق اُردو زبان میں متعدد رسائل وکتب موجود ہیں؛ مگر اس کتاب کی خصوصیت یہ ہے کہ مولانا نے اس میں دو مسئلوں پر خاص طور سے مدلل بحث فرمائی ہے، بعد نماز فجر وعصر طواف کی دو رکعت پڑھنے کا مسئلہ اور کثرت عمرہ کا مسئلہ، ان دونوں مسئلوں میں بعض لوگوں کو بہت تشدد ہے، ان کا خیال ہے کہ فجر وعصر کے بعد اگر طواف کیا جائے تو اسی وقت طواف کی واجب نماز ادا کرنی ضروری ہے، جب کہ حنفیہ کے نزدیک اس وقت نفل نماز مکروہ ہے، اسی طرح وہ کثرت عمرہ کو بدعت کہتے ہیں، مولانا نے ان دونوں مسئلوں پر بہت سنجیدہ اور عالمانہ بحث کی ہے، نیز مولاناؒ نے صفحہ ۵۶ پر ادعیہ ماثورہ کو نقل فرمایا ہے، اور صفحہ ۶۴ پر وہ مقامات جن کی زیارت کرنی چاہئے، ان کا ذکر اور وہاں پر کی دُعائیں نقل کی ہیں اور صفحہ ۶۶ پر "زیارتِ مساجد" کے عنوان سے پندرہ مبارک مسجدوں کا تعارف کرایا ہے اور صفحہ ۷۷ پر "متبرک کنویں" کے عنوان کے تحت سات کنوؤں "ابیار سبعہ" کو ذکر کیا ہے، یہ کتاب ۱۴۱۹ھ میں شائع ہوئی تھی، جس کی ضخامت (۸۰) صفحات ہے۔

سفر آخرت — احکام و مسائل

یہ کتاب ماضی قریب کے خوش رقم عالم مولانا رضوان القاسمی نے مرتب کی ہے، جس میں مریض کے احکام، وصیت کی حیثیت، نزاع کی علامتیں، قریب المرگ کے احکام، غسل اور تجہیز و تکفین کے آداب و طریقے، کفن کا بیان، میت کو دیکھنے کا مسئلہ، جنازہ اُٹھانے، جنازہ کے ساتھ چلنے اور ساتھ چلتے ہوئے راہ میں ذکر و اذکار کی شرعی حیثیت، نماز جنازہ کا بیان، ادعیہ جنازہ، مسجد میں نماز جنازہ، دفن و قبر کا بیان، قبر پر اذان، پختہ قبر، زیارت قبور، شہید کے احکام، عدتِ وفات اور ایصالِ ثواب وغیرہ مباحث کو بیان کیا گیا ہے، کتاب کی ضخامت (۱۱۴) صفحات ہے، جو شعبہ نشر و اشاعت دار العلوم سبیل السلام حیدر آباد سے شائع ہوئی ہے۔

صبح صادق و شفق کی تحقیق

یہ کتاب مولانا یعقوب صاحب کی مرتب کردہ ہے، جس میں علم ہیئت، صبح صادق کے بارے میں مختلف علماء کے فتاویٰ، برطانیہ میں نماز عشاء کا وقت اور اس سے متعلق مختلف فقہی اداروں کی آراء، غیر معتدل الاوقات علاقوں میں اوقاتِ نماز وغیرہ پر تفصیلی روشنی ڈالی گئی ہے، کتاب کی ضخامت (۳۲۰) صفحات ہے، جامعہ علوم القرآن جمبوسر نے اس کو شائع کیا ہے۔

صلوٰۃ الصالحات

مفتی کفایت اللہ دہلویؒ نے ایک رسالہ ''کف المومنات عن حضور الجماعات'' مرتب کیا تھا، جس پر بعض حلقوں سے اعتراض کیا گیا اور عورتوں کے نماز کے لئے مسجد میں آنے کی ممانعت کو بے دلیل قرار دے کر ایک رسالہ ''عید احمدی'' کے نام سے لکھا گیا، مفتی صاحب نے اسی ''عید احمدی'' کے جواب میں یہ رسالہ ''صلوٰۃ الصالحات'' مرتب فرمایا، جس میں مردوں کے حاضر مسجد نہ ہونے پر احادیث میں جو وعیدیں آئی ہیں عورتوں اور بچوں کے متعلق وہ مذکور نہیں ہیں، سے استدلال کیا گیا ہے کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں اور بچوں کا مسجد میں حاضر ہونا ضروری نہیں اور اگر ان کے حاضر ہونے سے فساد یقینی ہو جائے تو روکنا انسداد

فساد کے لئے ضروری ہو جاتا ہے؛ چنانچہ عہد صحابہ سے ہی اس پر روک تھام شروع ہو گئی تھی، نیز ایسی کوئی روایت نہیں جس سے یہ ثبوت فراہم ہو کہ عورتوں کا حاضر مسجد ہونا ضروری اور سنت مؤکدہ ہے؛ جب کہ اس کے خلاف روایات موجود ہیں، پھر مفتی صاحب نے اس رسالہ میں ایسی ستائیس احادیث ذکر کی ہیں، جن سے پتہ چلتا ہے کہ عورتوں کو مسجد سے زیادہ ثواب گھر میں نماز پڑھنے پر ملتا ہے، اس رسالہ میں ''عید احمدی'' میں مذکور چار حدیثوں کا بھی جواب دیا گیا ہے کہ ان حدیثوں میں صرف یہ ہے کہ مرد اپنی عورتوں کو مسجد جانے سے نہ روکے، یہ کہاں ثابت ہوتا ہے کہ عورتوں کا مسجد میں جانا سنت مؤکدہ ہے؟ رسالہ کے آخر میں عورتوں کو جماعت میں شرکت کی جو رخصت تھی وہ اب بھی ہے یا نہیں؟ اس کے تعلق سے چھ احادیث شریفہ اور اس پر ہونے والے اعتراضات و شبہات کا تشفی بخش جواب اور علماء کرام کی آراء ذکر کی گئی ہیں، رسالہ کی ضخامت (۲۰) صفحات ہے، جسے ۱۳۴۴ھ میں دہلی پرنٹنگ ورکس نے شائع کیا ہے۔

طریق السداد فی عقوبۃ الارتداد

مرزا غلام احمد قادیانی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کا انکار کیا، جس کی وجہ سے وہ دین اسلام سے خارج ہو گیا اور ایسے شخص پر اسلامی احکام کے مطابق مرتد کی سزا جاری ہونی چاہئے، چنانچہ مرزا کے مذہب کی اشاعت کے لئے مرزا کا ایک ایلچی کابل پہنچا، والی کابل نے علماء کرام سے فتویٰ لے کر مرتد ہونے کی وجہ سے اسے قتل کروا دیا، اس پر مرزا کے ماننے والے بجائے اس کے کہ اپنے مرتد نہ ہونے کا ثبوت پیش کرتے، اس قدر چراغ پا ہوئے کہ اس حکم سے ہی انکار کر دیا کہ اسلام میں مرتد کی سزا قتل ہے، اسی زمانہ میں اخبار ورسائل میں یہ بحث چلی کہ مرتد کی سزا قتل ہے یا نہیں؟ چنانچہ مفتی شفیع صاحبؒ نے مختلف اخبار ورسائل میں اسلام کی صحیح ترجمانی فرمائی اور مرتد کے بارے میں شریعت کے حکم کو بڑے واضح انداز میں بیان فرمایا، یہ رسالہ ان ہی مضامین کا مجموعہ ہے، جس میں آیت کریمہ، منتخب گیارہ

احادیث ، حضرت ابوبکر ﷺ کے چھ واقعات ، حضرت عمر ﷺ کے دو ، حضرت عثمان غنی ﷺ کے پانچ اور حضرت علی ﷺ کے تین واقعات کو بطور نمونہ پیش فرمایا ہے، جن میں خلفاء اربعہ نے مرتد سزا کے طور پر قتل کر دینے کا حکم صادر فرمایا تھا۔

خلفاء راشدین کے بعد بھی باقی خلفاء اسلام: حضرت عبداللہ ابن جبیر، حضرت خالد قسری، عبدالملک بن مروان، خلیفہ منصور، خلیفہ مہدی اور خلیفہ معتصم باللہ وغیرہ کا بھی مرتد کے لئے قتل کا فیصلہ منقول ہے، آخری صفحہ پر حضرات ائمہ اربعہ کا متفقہ فیصلہ مرتد کی سزا قتل نقل کیا گیا ہے، نیز اس مسئلہ پر بھی مختصر روشنی ڈالی گئی ہے کہ مرتد کی سزا صرف قتل ہے یا سنگسار بھی کیا جاسکتا ہے؟ جیسا کہ حضرت علی ﷺ سے منقول ہے کہ ایک سرکش شخص کو بجائے قتل کے پاؤں سے مسل کر مار دینے کا حکم فرمایا تھا، اس رسالہ کی ضخامت (۸) صفحات ہے جسے ۱۳۴۰ھ میں دارالاشاعت دیوبند نے شائع کیا ہے۔

طہور المسلمین

یہ رسالہ مولانا سید اصغر حسین نے مرتب کیا ہے، جس میں صرف تیمم سے متعلق مسائل کو جمع کیا گیا ہے، رسالہ کی ضخامت (۳۱) صفحات ہے، جس کی اشاعت کتب خانہ قاسمی دیوبند سے ہوئی۔

عبادات اور چند اہم جدید مسائل

یہ کتاب استاذ محترم مولانا خالد سیف اللہ رحمانی کی تصنیف ہے، جس میں ریڈیو، ٹی وی اور تار کے ذریعہ رؤیت ہلال کی اطلاع، پراویڈنٹ فنڈ، ڈپازٹ کی رقم، شیئرز، پونڈ اور ہیرے جواہرات میں زکوۃ کا حکم، اراضی ہند میں عشر و خراج کا مسئلہ، مچھلی، مکھانے اور سنگھاڑے میں عشر کا حکم، بنو ہاشم اور سادات کے لئے زکوۃ، مشینی ذبیحہ اور کتابی کے ذبیحہ کا حکم، مساجد پر ہندو اوقاف کی تولیت وغیرہ پر قرآن وحدیث اور فقہاء کی تصریحات کی روشنی میں تفصیلی بحث کی گئی ہے، کتاب کی ضخامت (۳۰۰) صفحات ہے، جسے کتب خانہ نعیمیہ دیوبند نے شائع کیا ہے۔

غنیۃ الناسک فی بغیۃ المناسک

یہ کتاب مولانا محمد حسن شاہ مہاجر مکیؒ کی مرتب کردہ ہے، جس میں حج وعمرہ کے متعلق مسائل کا احاطہ کیا گیا ہے، موسم حج میں حجاج کرام مولاناؒ سے مسائل دریافت کرتے تھے، مجلسیں قائم ہوتی تھیں، جس میں آپ مسائل حج بیان فرماتے تھے؛ چنانچہ مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ میں قیام کے دوران آپ نے مسائل حج پر یہ کتاب تالیف فرمائی، اس کا قلمی نسخہ ابھی تک ''کتب خانہ صولتیہ'' میں موجود ہے، یہ کتاب پہلی مرتبہ مولانا عاشق الٰہیؒ میرٹھی نے مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ کے حکم پر ''مطبع خیریہ'' میرٹھ سے ۱۳۴۴ھ میں شائع کی تھی، پھر ''ادارۃ القرآن دارالعلوم الاسلامیہ'' (پاکستان) نے قریب ساٹھ سال بعد ۱۴۱۷ھ میں اسے دوبارہ شائع کیا، یہ کتاب چوبیس ابواب اور ایک سوتیس فصلوں پر مشتمل ہے، جس میں حج کی تعریف وفرضیت، شرائط حج، آدابِ سفر، حج کے فرائض، واجبات، مستحبات، سنن، مکروہات، میقات اور حدود حرم میں دخول وغیرہ کے مسائل تفصیل سے بیان کئے گئے ہیں، کتاب کی ضخامت (۴۱۵) صفحات ہے۔

فتاویٰ محمدی مع شرح دیوبندی

یہ کتاب مولانا سید اصغر حسین دیوبندی نے مرتب کی ہے، مولانا نے اس میں عقائد، اعمال، طہارت، وضوء، حیض، نماز، حج بیت اللہ، روزہ، زکوٰۃ، صدقہ، ہدیہ، نفقہ، نکاح، طلاق، رضاع، بیع وشراء، ذبح وقربانی، عقیقہ، شکار، زینت، لباس، لقطہ، جہاد اور میراث وغیرہ سے متعلق صحابہ کرام کے استفتاءات اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جوابات نقل کئے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فتاویٰ کو اسی انداز میں جمع کیا گیا ہے، جو آج فتاویٰ کی ترتیب کا انداز ہے؛ البتہ استفتاء کے مفہوم کو واضح کرنے کے لئے ترجمہ، حسب ضرورت تشریح یا بغرض افہام وتفہیم ایک دو لفظ یا جملوں کے اضافہ کی ضرورت محسوس کی گئی تو انھیں بین القوسین میں رکھا گیا ہے، ہر سوال وجواب کا حوالہ کئی کئی کتب حدیث سے دیا گیا ہے، حاشیہ پر مستفتی اصحابہ ﷺ کا نام ا

جہاں کہیں نام معلوم نہیں ہوسکا وہاں راوی یعنی ناقل فتویٰ کا نام لکھ دیا گیا ہے، آخر میں چند ایسے سوال و جواب نقل کئے گئے ہیں، جن کے مجیب صحابہ کرام ؓ یا تابعین ہیں، کتاب کی ضخامت (۹۲) صفحات ہے، جسے ۱۳۲۶ھ میں دارالاشاعت دیوبند نے شائع کیا ہے۔

قاموس الفقہ (۵/جلدیں)

یہ کتاب علوم اسلامی کا ایک عظیم انسائیکلو پیڈیا ہے، جس کے مرتب حضرت الاستاذ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی ہیں، اس کتاب میں فقہ کی مصلحات کے علاوہ تفسیر، حدیث، اُصولِ فقہ اور قواعد فقہیہ کے اصطلاحی الفاظ کو حروف تہجی کی ترتیب پر جمع کیا گیا اور ہر اصطلاح کی لغوی و اصطلاحی تعریف، اس سے متعلق فقہی حدود و قیود اور بعض جگہ اس کے ذیلی مباحث اور متعلقات کو شرح و بسط کے ساتھ پیش کیا گیا ہے، فقہ حنفی کے علاوہ دیگر ائمۂ متبوعین کی اصطلاحات بھی ذکر کی گئی ہیں اور فقہ حنفی کے مسائل کو عقلی دلائل اور قیاس کے ساتھ آیاتِ قرآنی اور احادیث نبویہ سے بھی مدلل کیا گیا ہے، کتاب کی پہلی جلد کے (۱۵۸) صفحات تک پانچوں جلدوں کی مکمل فہرست دے دی گئی ہے؛ تاکہ مسائل تلاشنے کے لئے ہر جلد کی ورق گردانی نہ کرنی پڑے صفحہ (۱۵۹) سے صفحہ (۱۸۸) تک مفتی محمد ظفیر الدین مفتاحی، مولانا نعمت اللہ اعظمی، مولانا سید نظام الدین، مولانا انظر شاہ کشمیری، مولانا محمد قاسم مظفر پوری سمیت (۱۷) علماء کرام کی تقریظات شامل کتاب ہیں، نیز صفحہ (۱۹۹) تک کتاب کا تعارف اور صفحہ (۲۴۳) تک ترجمۃ المؤلف بھی کتاب میں شامل ہے، ۱۴۲۸ھ مطابق ۲۰۰۷ء میں کتب خانہ نعیمیہ دیوبند نے اسے شائع کیا ہے۔

قول الامام فی فساد امامت الغلام (فارسی)

تراویح میں بچہ کی امامت کا بعض لوگوں نے جواز پیش کیا تھا، یہ رسالہ اسی پس منظر میں مولانا احمد الدین نے مرتب کیا ہے، امامت کے سلسلہ میں احادیث شریفہ، آثار صحابہ اور تابعین و ائمۂ مجتہدین کی آراء نقل کی گئی ہیں، نیز علماء بلخ نے جو بچہ کی امامت پر جواز کا قول

اختیار کیا ہے، اس پر علامہ سرخسی کی طرف سے رد کیا گیا اور ان کی دلیل — حضرت حسن بن علی کی بچپن میں امامت والی حدیث — کا نہایت ضعیف و ناقابل استدلال ہونا بیان کیا گیا ہے، اخیر میں دیوبند، دہلی، شاہ پور، کانپور اور لاہور کے علماء کے تائیدی دستخط بھی رسالہ میں شامل ہیں، رسالہ کی ضخامت (۱۶) صفحات ہے، جس کی اشاعت ۱۳۳۵ھ میں روز بازار امرتسر سے ہوئی ہے۔

کحل العینین فی ترک رفع الیدین

یہ کتاب قاضی محمد رحمت اللہ کی مرتب کردہ ہے، جس میں مولانا نے ترک رفع یدین کے متعلق اکیس احادیث شریفہ پیش کر کے روایتاً و درایتاً بحث کرتے ہوئے اسباب ترجیح ذکر کیے ہیں، ساتھ ساتھ مخالفین کے جواب بھی دیے ہیں، رسالہ کی ضخامت (۳۰) صفحات ہے، جسے تحفۂ ہند پریس دہلی نے شائع کیا ہے۔

مباحثِ فقہیہ

یہ کتاب مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ (سابق صدر مسلم پرسنل لا بورڈ و جنرل سکریٹری اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا) کے مختلف فقہی مقالات کا مجموعہ ہے، کتاب کو چھ ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے، جس میں اُصول فقہ، اوقات وعبادات، عائلی زندگی کے شرعی قوانین، اسلامی عدالتی نظام، فقہ سے تعلق رکھنے والے طبی مباحث اور معاشی مسائل سے متعلق مضامین شامل ہیں، کتاب کے شروع میں اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کے جنرل سکریٹری مولانا خالد سیف اللہ رحمانی کے قلم سے مصنف کے حالاتِ زندگی اور خدمات پر بھی تفصیلی روشنی ڈالی گئی ہے، اس کتاب کی ضخامت (۶۵۱) صفحات ہے، جسے ایفا پبلیکشنز دہلی نے شائع کیا ہے۔

مروجہ بدعات — فقہاء اسلام کی نظر میں

یہ کتاب مولانا خالد سیف اللہ رحمانی کی مرتب کردہ ہے، جس میں فقہی کتابوں کی روشنی میں مروجہ رسم و رواج اور بدعات کا تحقیقی جائزہ لیا گیا ہے، اہل بدعت نے قرآن

وحدیث کی غلط تفسیر کر کے اپنے غلط نظریات کی تائید کی کوشش کی ہے؛ اس لئے مولانا نے جابجا ان کی کتابوں سے حقیقت کا انکشاف کیا ہے، کتاب کی خاص بات یہ ہے کہ اس میں مناظرانہ انداز اپنانے کے بجائے حکیمانہ اُسلوب اپنایا گیا ہے اور ہر مسئلہ کی وضاحت فقہی تصریحات سے کی گئی ہے، یہ کتاب (۷۹) صفحات پر مشتمل ہے، جس کی اشاعت ۱۹۹۷ء میں دارالعلوم سبیل الفلاح، جالے، ضلع دربھنگہ (بہار) سے ہوئی ہے۔

مروجہ سیاست کے شرعی احکام

یہ کتاب حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے افادات کا مجموعہ ہے، جسے مفتی محمد زید مظاہری نے مرتب کیا ہے، جس میں اربابِ علم اور لیڈران قوم اور مقتداء ملت کے لئے مکمل رہنمائی ہے کہ سیاسی میدان میں کام کرنے کے کیا طریقے اور شرعی احکام ہیں؟ سیاسی اختلافات کے حدود اور کسی سیاسی پارٹی میں شریک ہونے کے ضابطے اور شرکت کے بعد کے ضروری احکام کیا ہیں؟ نیز علماء اور لیڈران قوم کے مل کر کام کرنے کا طریقہ، کامیابی کا راستہ، مروجہ سیاسی تدبیروں کے شرعی احکام وغیرہ پر تفصیلی روشنی ڈالی گئی ہے، کتاب کو چھ ابواب پر تقسیم کیا گیا ہے، باب اول میں حکومت وسیاست کے شریعت کا اہم جزء ہونے کو بیان کیا گیا ہے اور ان لوگوں کی تردید کی گئی ہے جو سیاست کو دین سے الگ سمجھتے ہیں، باب دوم میں سیاست کی دو قسمیں: ایک سیاست کے شرعی احکام، دوسری قسم سیاست کی تجرباتی تدبیریں اور علماء کا منصب بیان کیا گیا ہے، باب سوم میں بیان کیا گیا ہے کہ کس سیاسی جماعت کا ساتھ دینا چاہے اور کس کا نہیں، باب چہارم میں سیاسی مسائل میں اختلاف کی بنیاد کو بیان کیا گیا ہے، باب پنجم میں دو آیت اور دو حدیث کی روشنی میں کافروں سے بائیکاٹ اور ان سے قطعاً معاملات نہ کرنے اور بھوک ہڑتال وغیرہ کے شرعی احکام بیان کئے گئے ہیں، باب ششم میں مسئلہ امارت اور اس کی شرائط کی وضاحت کی گئی ہے، یہ رسالہ (۵۸) صفحات پر مشتمل ہے اور ادارہ افادات اشرفیہ (باندہ) سے شائع ہوئی ہے۔

مسائل اذان

یہ کتاب مولانا حبیب الرحمٰن خیر آبادی نے مرتب کی ہے، مولانا نے اذان کی لغوی واصطلاحی تعریف کرنے کے بعد فضائل اذان کی پندرہ روایتوں کو ترجمہ اور مختصر تشریح وتوضیح کے ساتھ نقل کیا ہے اور اذان کی شرائط بیان کی ہیں، نیز قبروں پر اذان، کلماتِ اذان میں ائمہ کے اختلافات، مؤذن کی صفات، اذان کے جواب میں انگوٹھا چومنا، اذان کے بعد مسجد سے نکلنا اور نماز کے لئے حی علی الفلاح پر کھڑا ہونا وغیرہ کو تفصیلی طور پر بیان کیا ہے، کتاب کی ضخامت (۹۶) صفحات ہے، جسے مکتبہ اسلامیہ حیات العلوم پیرزادہ (مرادآباد) نے شائع کیا ہے۔

مسائل سجدہ سہو

یہ کتاب بھی مولانا حبیب الرحمٰن خیر آبادی (مفتی دارالعلوم دیوبند) کی تصنیف ہے، جس میں قرأت میں سہو، رکوع اور سجدہ میں سہو، سجدۂ تلاوت میں سہو، رکعت کی تعداد میں سہو، قعدہ اور التحیات میں سہو، تکبیرات میں سہو، اذکار وتسبیحات میں سہو، مسبوق اور لاحق پر سجدہ سہو، وتر میں سہو، تراویح میں سہو وغیرہ کے مسائل پر روشنی ڈالی گئی ہے، (۱۰۴) صفحات پر مشتمل حرا بک ڈپو دیوبند سے اس کی طباعت ہوئی ہے ۔

مسجد کے آداب واحکام

یہ کتاب مولانا محمد قاسم مظفر پوری (قاضی شریعت دارالقضاء امارت شرعیہ پھلواری شریف، پٹنہ) نے مرتب فرمائی ہے، جس میں مسجد کی حقیقت، مسجد کا تبادلہ، مسجد کے درجات اور ان میں نماز کی تفصیل، مسجد کے لئے سامان وجائیداد وغیرہ وقف کرنے کی صورتیں، مسجد کے مال یا وقف کی آمدنی کا استعمال، وہ چیزیں جن کا کرنا مسجد میں جائز یا ناجائز ہیں، مسجد میں بلند آواز سے ذکر وتسبیح اور تلاوت، مسجد کے نقش ونگار کا حکم، مسجد میں درخت لگانا، مسجد میں نماز جنازہ، گم شدہ چیزوں کا مسجد میں تلاش کرنا، مسجد میں اشعار پڑھنا، مسجد میں جھگڑے حل کرنا اور فیصلے کرنا وغیرہ موضوعات پر قرآن وحدیث کی روشنی میں تفصیلی بحث کی گئی ہے، کتاب کی

ضخامت (۹۳) صفحات ہے، جسے ۲۰۰۱ء مطابق ۱۴۲۲ھ میں امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ نے شائع کیا ہے۔

مسنون قراءت

مولانا زین العابدین اعظمی کا یہ رسالہ بہت ہی مختصر مگر وقیع ہے، جس میں پنج وقتہ نمازوں میں قراءت مسنونہ کی حد احادیث مبارکہ کی روشنی میں بیان کی گئی ہے، یہ کتاب دس ابواب اور (۴۵) صفحات پر مشتمل ہے، جسے اصلاحی کتب خانہ، گجرات نے شائع کیا ہے۔

معاشرتی مسائل دین فطرت کی روشنی میں

ہندوستان میں مسلمانوں کے عائلی قوانین پر وقتاً فوقتاً آواز اُٹھائی جاتی رہی ہے، اس پس منظر میں ڈاکٹر یوسف نجم الدین کے دفتر میں ایک جلسہ کے درمیان یہ بات طے پائی کہ ایک عالمانہ انداز کا لٹریچر تیار کیا جائے جو اہل علم اور دانشوروں کو مطمئن کر سکے اور یہ ذمہ داری مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ کے سپرد ہوئی؛ لیکن مولانا موصوف نے اپنی عدم فرصتی کے باعث یہ ذمہ داری مولانا محمد برہان الدین سنبھلی کے سپرد فرمائی؛ چنانچہ مولانا برہان الدین سنبھلی نے یہ کتاب مرتب فرمائی ہے، جو اپنی نوعیت کی پہلی کتاب ہے، اس کتاب میں مولانا نے عائلی مسائل، شریعت میں نکاح کی اہمیت، شادی میں فطری تقاضوں کی رعایت، پسندیدہ بیوی کا معیار شریعت کی نظر میں، کفو کی حقیقت و مصلحت، نکاح میں عورتوں کا اختیار، زمانہ جاہلیت کے ازدواجی رشتے، دوسرے مذاہب (عیسائی، یونانی، رومی، بدھ مت، ہندو دھرم) کی جھلکیاں، قانون شریعت میں چند بیویاں رکھنے کی اجازت اور اس پر کی جانے والی تنقیدوں کی حقیقت، تنقیدوں کا اصل محرک، مرد و زن میں ''مساوات'' کا نعرہ اور اس کی حقیقت، شریعت کا قانون طلاق، عورتوں کو طلاق کا اختیار نہ دینے کی حکمتیں اور اسلام کے نظام وراثت وغیرہ پر، تحقیقی انداز میں تفصیل سے روشنی ڈالی ہے، نیز مولانا نے قرآن و حدیث اور دین فطرت کی روشنی میں اسلامی قوانین کی برتری اور معاصر قوانین پر ان کے تفوق

وامتیاز کو بھی ثابت کیا ہے، کتاب کی ضخامت (۲۴۴) صفحات ہے، جسے ۱۹۸۰ء میں مجلس تحقیقات ونشریات اسلام (لکھنؤ) نے شائع کیا ہے۔

منیۃ المساجد فی آداب المساجد

یہ رسالہ مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی کا مرتب کردہ ہے، جس میں مسجد بنانے کا ثواب، گھروں میں مسجد بنانا، مسجد میں نقش ونگار وغیرہ بے ضرورت چیزیں بنانا، مساجد کی صفائی کا بیان، مسجد میں خوشبو لگانے کا بیان، مسجد جانے کے آداب اور اس کا ثواب، ان کاموں کا بیان جو مسجد میں ناجائز یا مکروہ ہیں، مساجد کے چند مخصوص احکام، مسجد ضرار کی تعریف اور اس کا حکم، عیدگاہ کے حکم وغیرہ عناوین پر روشنی ڈالی گئی ہے، کتاب کے صفحہ ۴۲ پر مفتی عزیز الرحمن عثمانی اور علامہ انور شاہ کشمیریؒ کی تقریظات شامل ہیں، اس کتاب کی ضخامت (۴۲) صفحات ہے، جو ۱۳۴۲ھ میں دار الاشاعت دیوبند سے شائع ہوئی ہے۔

میراث المسلمین

یہ کتاب مولانا اصغر حسین دیوبندی کی مرتب کردہ ہے، جس میں وراثت کے ضروری اور عام مسائل قرآن وحدیث کی روشنی میں لکھے گئے ہیں، قواعد تخریج اور دلائل وغیرہ سے زیادہ تعرض نہیں کیا گیا ہے؛ چنانچہ اس کتاب میں علم فرائض کی فضیلت، اسلام سے پہلے تقسیم میراث کا دستور، ابتداء میراث، واقعات نزول میراث، تجہیز وتکفین، اقرار مریض، وصیت، مریض کی طلاق، مہر، حمل، مفقود، مرتد کے احکام، عصبات، ذوی الارحام، شریک، مستقل وارثین اور حاجب محجوب وغیرہ کی عام فہم انداز میں تفصیل بیان کی گئی ہے، یہ کتاب مفتی عزیز الرحمن عثمانی (سابق صدر مفتی دار العلوم دیوبند) کے علاوہ تقریباً ۳۵ علماء کرام کی تصدیقات کے ساتھ منظر عام پر آئی، جسے ۱۳۲۲ھ میں مطبع احمدی لکھنؤ نے شائع کیا۔

نوازل فقہیہ معاصرۃ

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی کو اللہ تعالیٰ نے جدید مسائل کے شرعی حل میں مہارت

وامتیاز سے نوازا ہے؛ چنانچہ مولانا نے پاکی وناپاکی، نماز، روزہ، زکوۃ، عشر وخراج، حج، اقتصادی مسائل، بیع وشراء، نوٹ وکرنسی، اجارہ، قمار، سودی قرضے، علاج ومعالجہ وغیرہ کے جدید طریقوں پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے، جواس سے قبل ''جدید فقہی مسائل'' کے عنوان سے کئی جلدوں میں چھپ چکی تھی اور ہند وپاک سے اس کے کئی ایڈیشن شائع ہو چکے تھے، جب شام کے ایک ممتاز عالم وفقیہ ڈاکٹر وہبہ زحیلی پر سفر ہندوستان کے موقع سے اس کتاب کی مقبولیت اور جدید مسائل کے حل میں اس کی اہمیت واضح ہوئی تو انھوں نے بڑی شدت سے اس کے عربی ترجمہ کی خواہش ظاہر کی، چنانچہ جدید فقہی مسائل کے چند ابواب کا مولانا نثار احمد حصیر قاسمی اور مولانا محمد مصطفیٰ عبدالقدوس ندوی کے ذریعہ عربی میں ترجمہ کروایا گیا، جس کا نام ''نوازل فقہیہ معاصرة'' رکھا گیا ہے، اس کتاب کی ضخامت (۶۰۰) صفحات ہے، جسے ۱۹۹۹ء میں مکتبۃ الصحوۃ، کویت نے شائع کیا ہے۔

ہماری نمازیں

یہ کتاب مولانا ابوالکلام شمس کی تصنیف ہے، جس میں وضو کا بیان، غسل کا بیان، تیمم کا بیان، نماز کیسے کہتے ہیں؟ اذان واقامت کا بیان، نیز امام کے اخلاق وعادات اور نوافل کے متعلق مباحث تفصیل کے ساتھ ذکر کیے گئے ہیں، کتاب کی ضخامت (۸۸) صفحات ہے، جسے مسعود پبلشنگ ہاؤس دیوبند نے شائع کیا ہے۔

☆ ☆ ☆

فضلاءِ دیوبند کی فقہی خدمات - ایک مختصر جائزہ

پانچواں باب

فضلاءِ دیوبند کے مطبوعہ فتاوے

احسن الفتاویٰ

یہ مفتی رشید احمد کراچی (پاکستان) کے فتاویٰ کا مجموعہ ہے، جو آپ نے دارالافتاء دارالعلوم کراچی اور دارالافتاء والارشاد (کراچی) وغیرہ سے جاری فرمائے، یہ مجموعہ آٹھ جلدوں پر مشتمل ہے، مفتی صاحب نئے مسائل پر بڑی گہری نظر رکھتے تھے اور ٹھوس دلائل کے ساتھ مفصل جواب لکھا کرتے تھے، آپ کے بہت سے فتاویٰ رسائل کی شکل اختیار کیے ہوئے ہیں، جنھیں اس مجموعہ میں شامل کرلیا گیا ہے۔

امدادالفتاویٰ

یہ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نوراللہ مرقدہ کے فتاویٰ کا مجموعہ ہے، جو آپ نے دارالعلوم دیوبند، جامع العلوم کانپور اور خانقاہ امدایہ تھانہ بھون میں رہ کر لکھے تھے، ان فتاویٰ کو حضرت تھانوی کے شاگرد رشید مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی نے مرتب کیا ہے، جس پر مفتی سعید احمد پالن پوری نے مفید حواشی کا اضافہ فرمایا ہے، اس مجموعہ کی کل چھ جلدیں ہیں۔

امدادالمفتیین

یہ مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی کے ۱۳۴۹ھ سے ۱۳۶۲ھ تک لکھے گئے فتاویٰ کا مجموعہ ہے، جو انھوں نے دارالعلوم دیوبند کے صدر مفتی کی حیثیت سے لکھے تھے، آپ کے لکھے گئے چالیس ہزار فتاویٰ میں سے یہ ایک مختصر سا حصہ ہے، جسے خود آپ نے ہی پہلے آٹھ مختصر جلدوں میں مرتب کیا تھا، اب اسے نئی ترتیب وتبویب کے ساتھ ایک ضخیم جلد میں شائع کیا گیا ہے، جس کے مجموعی صفحات (۸۹۶) ہیں۔

حبیب الفتاویٰ

یہ جامعہ اسلامیہ دارالعلوم مہذب پور (اعظم گڑھ) کے بانی و مہتمم مفتی حبیب اللہ کے فتاویٰ کا مجموعہ ہے، جو انھوں نے دارالعلوم مہذب پور کے دارالافتاء سے جاری فرمائے، فتاویٰ مستند کتابوں کے حوالوں کے ساتھ لکھے گئے ہیں، جس کی وجہ سے فتاویٰ کو وقار و اعتماد کی نظروں سے دیکھا جاتا ہے، یہ مجموعہ ایک جلد میں ہے۔

خیر الفتاویٰ

یہ حضرت مولانا خیر محمد جالندھری کے قائم کردہ ادارہ "خیر المدارس" کے دارالافتاء سے جاری کئے گئے فتاویٰ کا مجموعہ ہے، جس کی وجہ سے اس کا نام "خیر الفتاویٰ" رکھا گیا، اس دارالافتاء کے پہلے مفتی مولانا محمد عبداللہ تھے جو دارالعلوم دیوبند کے جید فاضل اور حضرت مدنی کے طریقت میں شاگرد تھے، یہ آپ کے بتیس (۳۲) سالہ فتاویٰ کا مجموعہ ہے، جو آپ نے وہاں کے دارالافتاء سے دیئے، آپ کے علاوہ ادارہ کے بانی مولانا خیر محمد جالندھری، مفتی عبدالستار، مفتی محمد انور اور دیگر مفتیان کے فتاویٰ بھی اس میں شامل ہیں، یہ مجموعہ پانچ جلدوں اور (۳۲۳۸) صفحات پر مشتمل ہے۔

دینی مسائل اور ان کا حل

یہ مفتی محمد سلمان منصور پوری (استاذ فقہ وحدیث جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد) کے ان فتاویٰ کا مجموعہ ہے، جو انھوں نے شہر مرادآباد کے ایک ماہنامہ "تحفۂ خواتین" کے ذریعہ آنے والے سوالات کے جواب میں لکھے ہیں، اس مجموعہ میں کل (۲۰۷) فتاویٰ شامل ہیں۔

عزیز الفتاویٰ

یہ مفتی اعظم ہند وصدر مفتی دارالعلوم دیوبند مفتی عزیز الرحمٰن کے منتخب فتاویٰ کا مجموعہ

ہے، جسے آپ کے شاگرد رشید مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی نے مرتب کیا ہے، اس میں مفتی صاحب کے ۱۳۲۹ھ سے ۱۳۳۴ھ تک لکھے گئے فتاویٰ کا انتخاب پیش کیا گیا ہے، ۱۳۵۷ھ میں پہلی مرتبہ آٹھ مختصر جلدوں میں اس کی اشاعت ہوئی تھی، اب اسے نئی ترتیب وتبویب کے ساتھ ایک ضخیم جلد میں شائع کیا گیا ہے، جس کے مجموعی صفحات (۷۵۴) ہیں۔

فتاویٰ احیاء العلوم

یہ مولانا محمد یٰسین مبارکپوری کے فتاویٰ کا مجموعہ ہے، جو آپ نے مدرسہ ''احیاء العلوم مبارک پور'' کی تدریس کے زمانہ میں لکھے، اس مجموعہ کی پہلی جلد مولانا جمیل احمد نذیری نے مرتب کی ہے، جس میں مولانا یٰسین صاحب کے فتاویٰ کا انتخاب پیش کیا گیا ہے۔

فتاویٰ امارت شرعیہ

امارت شرعیہ بہار، اڑیسہ، جھارکھنڈ نے شروع ہی سے دار الافتاء کا شعبہ شروع کردیا تھا، شروع شروع میں امارت شرعیہ کے بانی مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد علیہ الرحمہ از خود فتاویٰ لکھا کرتے تھے؛ چنانچہ آپ کے فتاویٰ کو قاضی مجاہد الاسلام قاسمی نے فتاویٰ امارت شرعیہ (پہلی جلد) کے نام سے مرتب کیا، فتاویٰ امارت شرعیہ کی دوسری جلد میں امارت کے دوسرے مفتیان کے فتاویٰ جمع کیے گئے ہیں، جن میں مفتی محمد عباس پھلواروی (متوفی: ۱۳۶۲ھ، مطابق ۱۹۴۳ء) قاضی نور الحسن پھلواروی (متوفی: ۱۳۷۵ھ، مطابق ۱۹۵۶ء)، مولانا عبد الصمد رحمانی (متوفی: ۱۳۹۳ھ مطابق ۱۹۷۳ء) اور مولانا سید محمد عثمان غنی (متوفی ۱۳۹۷ھ مطابق ۱۹۷۷ء) کے فتاویٰ شامل ہیں۔

فتاویٰ دار العلوم دیوبند

یہ دار العلوم دیوبند کے مفتی اول مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی (متوفی: ۱۳۴۷ھ مطابق ۱۹۲۸ء) کے فتاویٰ کا مجموعہ ہے، جسے مفتی محمد ظفیر الدین مفتاحی (مفتی دار العلوم دیوبند) نے

۱۲ رجلدوں میں مرتب کیا ہے، فتاویٰ کی تیرہویں جلد کی ترتیب بھی مکمل ہوگئی تھی، مگر طباعت سے پہلے ایک حادثہ میں ضائع ہوگئی، مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی کے چند منتخب فتاویٰ کو ان کے شاگرد رشید مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی نے بھی ''عزیز الفتاویٰ'' کے نام سے مرتب فرمایا تھا، اس کے ساتھ مفتی شفیع صاحب نے اپنے فتاویٰ بھی ''امداد المفتیین'' کے نام سے مرتب فرمائے تھے، پھر ان دونوں مجموعوں (عزیز الفتاویٰ و امداد المفتیین) کو ایک ساتھ دو جلدوں میں شائع کیا گیا، جواب بھی ''فتاویٰ دارالعلوم دیوبند'' (۲ رجلدیں) کے نام سے الگ مطبوع ہے۔

فتاویٰ رشیدیہ

یہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کے فتاویٰ کا مختصر سا مجموعہ ہے، جو آپ نے زندگی کے مختلف اوقات میں اور خصوصاً دارالعلوم دیوبند کے سرپرست ہونے کی حیثیت سے دارالعلوم میں آنے والے استفتاءات کے جواب میں لکھے ہیں، یہ مجموعہ چھ سو آٹھ (۶۰۸) صفحات پر مشتمل ہے، جس میں اس وقت کے لحاظ سے بدعات وخرافات اور عقائد سے متعلق بھی بہت سے فتاویٰ موجود ہیں۔

فتاویٰ قاضی

ماضی قریب کے ممتاز فقیہ قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ چوں کہ امارت شرعیہ بہار، اڑیسہ، جھارکھنڈ کے قاضی شریعت تھے اور قاضی کو فتویٰ دینے میں احتیاط کی ضرورت پڑتی ہے؛ تاکہ مقدمات کے فریقین فتویٰ لے کر پہلے ہی قاضی کی رائے پر مطلع نہ ہوجائیں؛ اس لئے قاضی صاحب نے بہت کم فتاویٰ لکھے، جن کی تعداد ڈیڑھ سو سے کچھ زائد ہے، آپ کے انھیں چند فتاویٰ کو ''فتاویٰ قاضی'' کے نام سے مرتب کیا گیا ہے، جو ارباب افتاء کے لئے سرمۂ بصیرت کا درجہ رکھتے ہیں۔

فتاویٰ محمودیہ

یہ مفتی محمود حسن گنگوہی (سابق صدر مفتی دارالعلوم دیو بند) کے فتاویٰ کا مجموعہ ہے، اس مجموعہ میں نو ہزار آٹھ سو پچاسی (۹۸۸۵) استفتاءات کے جواب مطبوع ہیں، جن میں مجموعی طور پر بارہ ہزار پانچ سو ستہتر (۱۲۵۷۷) مسائل آگئے ہیں، فتاویٰ کی ترتیب کا کام مولانا سلیم اللہ خان کی نگرانی میں علماء کی ایک جماعت نے کیا ہے، جس میں ابواب کی ترتیب، مسئلہ کی ترقیم اور حوالہ جات کی تخریج کا بڑا اہتمام کیا گیا ہے، یہ مجموعہ ۲۰ رضخیم جلدوں پر مشتمل ہے۔

کتاب الفتاویٰ

یہ استاذ محترم مولانا خالد سیف اللہ رحمانی کے فتاویٰ کا مجموع ہے، جس میں بیشتر فتاویٰ وہ ہیں جو ۲۰۰۳ء تک روز نامہ منصف (حیدرآباد) میں چھپے ہیں، ان کے علاوہ کچھ دوسرے مسائل اور دارالافتاء المعہد العالی الاسلامی سے دیئے گئے فتاویٰ ہیں، جنھیں آپ کے ایک شاگرد مولانا عبد اللہ سلیمان مظاہری نے مرتب کیا ہے، یہ مجموعہ چھ جلدوں میں ہے جن کے مجموعی صفحات (۲۳۷۱) ہیں، اس مجموعہ میں نئے مسائل سے متعلق سوالات و جوابات بڑی کثرت سے آئے ہیں، ۲۰۰۳ء کے بعد فتاویٰ کی ترتیب کا کام جاری ہے اور اُمید ہے کہ اس کی مزید چار جلدیں جلد ہی منظر عام پر آجائیں گی۔

کفایۃ المفتی

یہ مفتی کفایت اللہ دہلوی کے فتاویٰ کا مجموعہ ہے، جو انھوں نے سہ روزہ ''الجمعیۃ'' نئی دہلی میں ''حوادث واحکام'' کے عنوان سے لکھے تھے اور مدرسہ امینیہ دہلی کے دارالافتاء سے جاری فرمائے تھے، اس مجموعہ کو آپ کے فرزند اکبر مولانا حفیظ الرحمٰن واصف نے مرتب کیا ہے، جو نو جلدوں پر مشتمل ہے، اس مجموعہ میں آپ کے زمانہ کے لحاظ سے بہت سے فتاویٰ سیاسیات سے متعلق بھی ہیں۔

منتخبات نظام الفتاویٰ

مفتی نظام الدین اعظمی نے تقریباً چالیس سال فتویٰ نویسی کی خدمت انجام دی اور ساٹھ ہزار سے زائد فتاویٰ لکھے، آپ دارالافتاء دارالعلوم دیوبند کے صدر مفتی رہے ہیں، اللہ نے آپ کو اختراعی ذہن سے نوازا تھا، جدید مسائل پر آپ کی بڑی گہری نظر تھی؛ چنانچہ جدید مسائل سے متعلق آپ کے فتاویٰ کو قاضی مجاہد الاسلام قاسمی نے اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) کے اراکین کے ذریعہ دو جلدوں میں مرتب فرمایا، جسے "منتخبات نظام الفتاویٰ" کا نام دیا گیا ہے، اس کی مزید دو جلدوں کی ترتیب کا کام بھی فقہ اکیڈمی کے ذریعہ ہو رہا ہے۔

☆ ☆ ☆

چھٹا باب

معہد کے تربیت یافتہ فضلاء دار العلوم کی تالیفات

اجارہ — احکام وتطبیقات

عالمی معاشی بحران کے بعد خدائی قانون سے بغاوت کرنے والوں کو زبردست سبق ملا اور استثمار کے تعلق سے دنیا میں ایک نئی بیداری پیدا ہوئی ہے، دنیا اس بحران کی بھٹی میں پکنے کے بعد پھر اسی نظام میں اپنے لئے جائے پناہ دیکھ رہی ہے، جسے فرسودہ خیال کر کے مسترد کر دیا گیا تھا؛ چنانچہ پوری دنیا میں اسلامی نظامِ معیشت کی طرف لوگوں کا زبردست رجحان بڑھ رہا ہے اور اسلامک بینکنگ کے قیام کی تجاویز سامنے آنے لگی ہیں، اسی پس منظر میں استاذ محترم حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی نے اسلامی طریقہ پر بینک کاری کے مختلف پہلوؤں پر اپنے فضلاء سے تحقیقی مقالات لکھوائے ہیں، جن میں سے ''اجارہ — احکام وتطبیقات'' کا موضوع مولوی عبد الباسط قاسمی کے سپرد کیا گیا۔

اس مقالہ میں اجارہ کی تعریف، اس کا ثبوت، شرائط، مختلف احکام اور اجارہ کی نئی شکلوں کا شرعی نقطۂ نظر سے جائزہ لیا گیا ہے، مقالہ کو کل چھ ابواب پر تقسیم کیا گیا ہے، جن کے مجموعی صفحات (۱۷۵) ہیں۔

اجتہاد اور تقلید

یہ کتاب مولانا عبد الرحمٰن قاسمی نے مرتب کی ہے، جس میں اجتہاد وتقلید کی حقیقت، شرائط، شرعی حیثیت، موجودہ دور میں اجتہاد کی شکل اور تقلید کی ضرورت وغیرہ پر تفصیلی روشنی ڈالی گئی ہے، اس کتاب کی ضخامت ڈیڑھ سو صفحات کے قریب ہے۔

احکام الجنین

یہ مقالہ مولانا نثار احمد ندوی قاسمی نے مرتب کیا ہے، جس میں نکاح کے صحیح مقاصد،

کلوننگ کے ذریعہ تولید اور اس کا شرعی حکم، ٹیسٹ ٹیوب سے تولید کی شکلیں اور احکام، ضبط ولادت اور نس بندی وغیرہ کے نقصانات اور ان سے متعلق شرعی احکام، مانع حمل اشیاء کا استعمال اور جنین کے لئے وراثت، وصیت، ہبہ اور وقف وغیرہ کے احکام پر تفصیلی روشنی ڈالی گئی ہے، یہ مقالہ طبع شدہ ہے، جس کی ضخامت (۱۰۳) صفحات ہے۔

احکام الصلوٰۃ — فقہ شافعی میں

یہ کتاب مولانا عبدالعزیز لجی قاسمی نے مرتب کی ہے، موصوف شافعی مسلک سے تعلق رکھتے ہیں، اس لئے ان کو فقہ شافعی کے مطابق نماز کے تفصیلی احکام لکھنے کو کہا گیا تھا، انھوں نے تقریباً تین سو صفحات پر مشتمل نماز کے مختلف احکام لکھے ہیں۔

احکام القرآن للجصاص (تحقیق و تعلیق)

علامہ جصاص رازیؒ کی معرکۃ الآراء کتاب "احکام القرآن" پر مولانا محمد ناصر سجاد قاسمی اور مولانا عبدالعزیز کوثر قاسمی نے بڑی خوبی کے ساتھ تحقیق و تعلیق کا کام کیا ہے، جس میں علامہ رازی کی ذکر کردہ احادیث کی تخریج، بعض لغات کی تحقیق، رجال کا ترجمہ اور فقہی مسائل کا کتب فقہ سے حوالہ نقل کیا گیا ہے، مولانا محمد ناصر سجاد قاسمی کی تحقیق کتاب الطہارۃ سے شروع ہو کر کتاب الزکوٰۃ پر مکمل ہوئی ہے، جس کے مجموعی صفحات تقریباً (۵۰۰) ہیں اور مولانا عبدالعزیز کوثر نے اجتماعی احکام پر تحقیق و تعلیق کا کام کیا ہے۔

اختلاف مشائخ الحنفیہ

جن مسائل میں مشائخ احناف کے درمیان اختلاف ہے، ان کو ایک جگہ جمع کرنے کا کام معہد کے چند فضلاء کے سپرد کیا گیا تھا، جن میں سے طہارت سے متعلق مسائل کو مولانا مجتبیٰ حسن قاسمی، نماز سے متعلق مسائل کو مولانا محمد جہانگیر حیدر قاسمی، قربانی سے متعلق مسائل کو مولانا احمد علی قاسمی، وقف سے متعلق مسائل کو مولانا عبدالباسط قاسمی اور مالی معاملات سے متعلق مسائل کو مولانا وسیم احمد نذیری قاسمی نے جمع کیا، جب کہ اجتماعی احکام سے متعلق مسائل کو مولانا

شوکت علی ندوی اور احوالِ شخصیہ سے متعلق مسائل کو مولانا عبداللہ سلیمان مظاہری نے جمع کیا ہے، کتاب کی کمپوزنگ ہو چکی ہے، اُمید ہے کہ یہ کتاب چار جلدوں (عبادات، احکامِ اجتماعیہ، احوالِ شخصیہ، معاملات مالیہ) میں طبع ہوگی۔

اُردو زبان میں فقہیات کا سرمایہ

عربی زبان کے بعد مسلمانوں کا سب سے زیادہ مذہبی مواد اُردو زبان ہی میں ہے؛ چنانچہ تفسیر، حدیث، کلام اور ادب کے علاوہ فقہ کا بھی بہت بڑا سرمایہ اُردو زبان میں موجود ہے، مولانا امتیاز احمد قاسمی نے اسی طرح کی کتابوں کی جستجو کی اور ان کا مختصر تعارف پیش کیا ہے، یہ مجموعہ تقریباً دو سو صفحات پر مشتمل ہے۔

اسلام اور جدید ذرائع ابلاغ

اس مقالہ میں تصویر کی مختلف صورتیں اور احکام، ریڈیو، کیسٹ کی بنا پر شہادت وقضاء، ریڈیو، ٹیلی ویژن، ٹیلی فون اور انٹرنیٹ کے ذریعہ عقود ومعاملات، اداکاری وغیرہ کا حکم، ٹیلی ویژن پر مزاحیہ پروگرام، کھیل، معلوماتی اور مذہبی پروگرام دیکھنے کا حکم، فحش ویڈیو کے ذریعہ حرمت مصاہرت کا حکم اور دعوتِ دین کے لئے جدید ذرائع ابلاغ کے استعمال وغیرہ عناوین پر تفصیلی بحث کی گئی ہے، یہ مقالہ مولانا مجتبیٰ حسن قاسمی نے مرتب کیا ہے، جس کی ضخامت (۱۷۰) صفحات ہے۔

اسلام اور ماحولیات

یہ مقالہ مولانا محمد جہانگیر حیدر قاسمی نے مرتب کیا ہے، جو چھ ابواب اور (۲۰۴) صفحات پر مشتمل ہے، اس میں فضائی آلودگی، آبی آلودگی اور صوتی آلودگی وغیرہ سے متعلق اسلامی آداب اور فقہی احکام بیان کئے گئے ہیں، یہ مقالہ طبع شدہ ہے۔

اسلام کا قانونِ تعزیر

یہ مقالہ مولانا مناظر احسن قاسمی نے ترتیب دیا ہے، اس مقالہ میں تعزیر، حدود اور

قصاص کی تعریف، ان کا ثبوت، حکمت و مصلحت، ان کے فوائد و اقسام اور ان سے متعلق اسلامی احکام پر تفصیلی روشنی ڈالی گئی ہے، نیز اسلامی تعزیرات اور دیگر مذاہب میں جرائم پر مقررہ کردہ سزاؤں کا تقابل کرتے ہوئے مخالفین کے اعتراضات کا جواب بھی دیا گیا ہے، یہ مقالہ پانچ ابواب اور (۲۰۵) صفحات پر مشتمل ہے۔

الأدلة الشريفة على مذهب الإمام أبي حنيفة (تحقیق و تعلیق)

یہ ایک قدیم عالم کی کتاب ہے، جس میں حنفیہ کے منصوص دلائل کو بڑی خوبی کے ساتھ جمع کیا گیا ہے، اس کی ایک جلد (جو عبادات اور احوالِ شخصیہ پر ہے) مدینہ منور کے مخطوطات کے کتب خانہ سے حاصل ہوئی ہے، معہد میں سالِ دوم کرنے والے چند فضلاء سے اس پر تحقیق و تعلیق کا کام کروایا گیا، جس میں مولانا محمد بلال قاسمی (مہاراشٹر) نے کتاب الطہارت اور کتاب الصلاۃ کا کام کیا ہے، اس میں مختلف کتابوں سے احادیث کی تخریج، رجال کا ترجمہ اور مشکل لغات کا حل پیش کیا گیا ہے، جس کی ضخامت (۲۵۵) صفحات ہے۔

بچے — حقوق و احکام

یہ مقالہ مولانا محمد نعمت اللہ ناظم قاسمی کا مرتب کردہ ہے، جس میں پیدائش سے بلوغ تک بچوں کی زندگی میں پیش آنے والے مسائل کے احاطہ کی کوشش کی گئی ہے، عبادات، معاملات، اور دوسرے ابواب میں نابالغوں سے متعلق احکام اور حقوق پر یہ ایک جامع کتاب ہے، جس میں بچوں کی تحنیک، کان میں اذان و اقامت، ختنہ، عقیقہ، بچوں کے مال میں زکوۃ وصدقۂ فطر، بچوں کی گواہی، بچوں کا نکاح و طلاق، بچوں کی خرید و فروخت اور بچوں کی جنایات وغیرہ سے متعلق تفصیلی بحث کی گئی ہے، یہ مقالہ طبع شدہ ہے، جس کی ضخامت (۳۹۶) صفحات ہے۔

حقوق اور ان کی خرید و فروخت

یہ مقالہ مولانا محمد عمر عابدین قاسمی مدنی نے مرتب کیا ہے، اس مقالہ میں جن حقوق سے

مالی منفعت متعلق ہے، ان کے قابل خرید وفروخت ہونے اور نہ ہونے کے بارے میں بحث کی گئی ہے، مثلاً حق تالیف، حق ایجاد، لائسنس، روڈ ٹیکس، پلوں پر سے گذرنے کا حق، فضاء سے گذرنے کا حق، حق تعلّی کی خرید وفروخت، ٹریڈ مارک کی خرید وفروخت وغیرہ عناوین پر تفصیلی گفتگو کی گئی ہے، یہ مقالہ مطبوع ہے، جس کی ضخامت (۲۲۴) صفحات ہے۔

حیوانات کے فقہی احکام

اس مقالہ کو مولانا محمد ابرار قاسمی نے مرتب کیا ہے، جس میں حیوانات کو ایذا رسانی کی ممانعت، حلال وحرام پرندے اور جانوروں کی تفصیل، ذبح کے مختلف طریقے اور ان سے متعلق احکام، جانوروں کے اجزاء بدن سے متعلق احکام، جانوروں کی زکوٰۃ اور جانوروں کی خرید وفروخت سے متعلق تفصیل سے فقہی احکام بیان کئے گئے ہیں، مقالہ کی ضخامت (۱۱۵) صفحات ہے۔

خطبات — احکام ومسائل

یہ مقالہ مولانا حسین احمد نعمانی قاسمی نے مرتب کیا ہے، مقالہ چھ ابواب پر منقسم ہے، جس میں جمعہ، عیدین، استسقاء، کسوف اور حج کے خطبات سے متعلق احکام، طریقے اور ان کے ضروری مضامین ومشمولات بیان کئے گئے ہیں، مقالہ کی ضخامت (۳۴۷) صفحات ہے۔

سجدے — احکام ومسائل

یہ مقالہ مولانا فضل الرحمٰن قاسمی نے ترتیب دیا ہے، جس میں سجدۂ صلوٰتیہ، سجدۂ سہو، سجدۂ تلاوت اور سجدۂ شکر وغیرہ سے متعلق تفصیل کے ساتھ شرعی احکام بیان کئے گئے ہیں، جس کی ضخامت (۱۳۲) صفحات ہے۔

سود اور مروج سودی معاملات

یہ کتاب مولانا محمد شفیق قاسمی نے مرتب کی ہے، جس میں قرآن وحدیث کی روشنی میں

سود کی مذمت، سود کی معاشرتی خرابی اور سود کی مروجہ صورتوں پر تفصیلی روشنی ڈالی گئی ہے، کتاب کی ضخامت دو سو صفحات کے قریب ہے۔

شرکت — احکام و تطبیقات

یہ مقالہ مولانا ابو عبیدہ قاسمی کا مرتب کردہ ہے، مقالہ چھ ابواب پر منقسم ہے، جس میں شرکت کی تعریف، ثبوت، شرائط، ارکان، اقسام اور مختلف احکام بیان کئے گئے ہیں، نیز ائمہ اربعہ کی فقہ سے استفادہ کرتے ہوئے شرکت سے متعلق نئے مسائل کا حل بھی پیش کیا گیا ہے، یہ مقالہ (۲۵۰) صفحات پر مشتمل ہے، مقالہ کی کمپوزنگ ہو چکی ہے، اُمید ہے کہ بہت جلد طبع ہو کر منظر عام پر آ جائے گا۔

غیر مسلموں سے متعلق فقہی احکام

فقہ کے بہت سے مسائل ایسے ہیں، جن میں غیر مسلموں کے ساتھ مسلمانوں کے معاملات کا حکم بیان کیا گیا ہے، مولانا خالد سیف اللہ قاسمی نے اسی قسم کے مسائل کو جمع کیا ہے اور تقریباً دو سو صفحات پر مشتمل یہ کتاب ترتیب دی ہے، جس کی طباعت بہت جلد متوقع ہے۔

فتاویٰ نوازل (تحقیق و تعلیق)

''فتاویٰ نوازل'' شیخ ابو اللیث سمرقندیؒ کی مشہور تصنیف ہے، جس پر مولانا مجاہد الاسلام قاسمی نے تحقیق و تعلیق کا کام کیا ہے، اس میں آیات کی ترقیم، احادیث کی تخریج، بعض رجال کا ترجمہ اور مقامات کی تشریح کی گئی ہے، اس کی ضخامت تقریباً چار سو صفحات ہے۔

فسخ نکاح بہ سبب ظلم و زیادتی

فسخ نکاح کے بہت سے اسباب ہیں، جن پر تفصیلی کام کی ضرورت تھی؛ چنانچہ ان اسباب کو تین حصوں میں تقسیم کر کے تین فضلاء سے ان پر تفصیلی کام کروایا گیا، ''ازدواجی حقوق ادا نہ کرنے کی وجہ سے فسخ نکاح'' کا عنوان مولوی مقیم الدین اشاعتی کے سپرد کیا گیا، ''عیوب

وامراض کی وجہ سے فسخ نکاح'' کا کام مولوی وسیم جعفر رشادی کے حوالہ کیا گیا اور'' عدم مناسبت، ظلم وزیادتی اور اختلاف شدید کی وجہ سے فسخ نکاح'' کا کام مولوی رضی الرحمٰن قاسمی کے ذمہ کیا گیا، آخر الذکر مقالہ کی ضخامت (۲۹۵) صفحات ہے، جس کی کمپوزنگ ہوچکی ہے۔

مرابحہ — احکام وتطبیقات

اسلامک بینکنگ میں مرابحہ کی بڑی اہمیت ہے، چنانچہ مرابحہ کے سلسلہ میں مکمل تحقیق اور اس کی موجودہ شکلوں کی تطبیق کا کام مولانا سید مدثر احمد قاسمی نے کیا ہے، یہ مقالہ سات ابواب پر مشتمل ہے، جس میں مرابحہ کی تعریف، ثبوت، شرائط، ارکان، اقسام اور اس سے متعلق مختلف احکام پر تفصیلی روشنی ڈالی گئی ہے، نیز اسلامی بینکوں میں رائج مرابحہ کے طریقوں کا بھی جائزہ لیا گیا ہے، مقالہ کی ضخامت (۱۵۰) صفحات ہے۔

مرد وعورت کے مسائل میں فرق

اس مقالہ میں خاص ان مسائل کو جمع کیا گیا ہے، جن میں مرد وعورت کے درمیان فرق پایا جاتا ہے، مثلاً سر منڈوانے کا حکم، خضاب وخوشبو لگانے کا حکم، غسل میں چوٹی کھولنے کا حکم، اذان ونماز کے مسائل، کفن ودفن کا حکم، زکوٰۃ، حج اور وراثت کے مسائل، انگوٹھی، ہار وغیرہ پہننے کا حکم اور شہادت واقرار وغیرہ کے مسائل —— یہ مقالہ تقریباً ڈیڑھ سو صفحات پر مشتمل ہے، جسے مولانا ابو قمر قاسمی نے مرتب کیا ہے۔

مزارعت کے شرعی احکام

اس مقالہ میں زراعت کی اہمیت وفضیلت، مزارعت کے ارکان وشرائط، زراعت میں عشر کا نصاب، اراضی ہند کی شرعی حیثیت، روئی، ریشم، لکڑی اور بانس وغیرہ میں عشر، افیون، بھنگ، کوکا اور تمباکو وغیرہ کی کاشتکاری کا حکم، سینچائی اور اس سے متعلق احکام، تابیر کی شرعی حیثیت وغیرہ عناوین پر تفصیلی روشنی ڈالی گئی ہے، اس مقالہ کو مولانا محمد نافع عارفی قاسمی نے ترتیب دیا ہے، یہ مقالہ بھی مطبوع ہے اور (۱۰۷) صفحات پر مشتمل ہے۔

مضاربت — احکام وتطبیقات

یہ مقالہ راقم الحروف (آفتاب غازی قاسمی) نے مرتب کیا ہے. جس میں مضاربت کی فضیلت واہمیت، مضاربت کا ثبوت، مضاربت کی مختلف اقسام اوران سے متعلق شرعی احکام اوراسلامک بینکنگ میں مضاربت کے رول وغیرہ پر تفصیلی روشنی ڈالنے کی کوشش کی گئی ہے، مقالہ کی ضخامت (۴۵۰) صفحات ہے جس کی کمپوزنگ ہو چکی ہے، اُمید ہے کہ بہت جلد زیور طبع سے آراستہ ہوکر منظر عام پر آجائے گا۔

معاشرتی زندگی سے متعلق قرآنی تعلیمات

یہ مقالہ مولانا ذبیح اللہ قاسمی نے مرتب کیا ہے، اس مقالہ میں قرآنی تعلیمات کی روشنی میں انسان کی معاشرتی زندگی سے متعلق آداب اور فقہی احکام بیان کیے گئے ہیں، مثلاً سلام کا طریقہ، گفتگو کے آداب، حرام جانوروں کی تفصیل، پردہ کے احکام، طلاق کی قسمیں اوراحکام، سود، شراب اور جوا وغیرہ کی ممانعت جیسے تقریباً ایک سو عنوانات پر تفصیلی گفتگو کی گئی ہے. مقالہ کی ضخامت ڈھائی سو صفحات کے قریب ہے۔

معاشرتی زندگی سے متعلق منشیات کے شرعی احکام

یہ مقالہ مولانا خلیل کوثر قاسمی نے ترتیب دیا ہے، مقالہ کو پانچ ابواب پر تقسیم کیا گیا ہے، میں منشیات سے متعلق آیات واحادیث، منشیات کی تعریف، ان کی اقسام، ان کے جسمانی، اقتصادی اور اخلاقی نقصانات اوران سے متعلق فقہی احکام پر تفصیلی روشنی ڈالی گئی ہے، نیز منشیات سے متعلق ملکی وبین اقوامی قوانین اور مذاہب عالم کی نظر میں ان کی ممانعت پر بھی بحث کی گئی ہے، یہ مقالہ (۱۵۸) صفحات پر مشتمل ہے۔

موافقات الأئمۃ الأربعۃ

جن مسائل میں ائمہ اربعہ متفق ہیں، ان کو جمع کرنے کا کام معہد کے چند فضلاء پر تقسیم

کیا گیا تھا، جن میں کتاب الطہارۃ اور کتاب الصلوٰۃ کے مسائل کو مولانا مدبر احمد قاسمی نے جمع کیا ہے (صفحات: ۱۵۳) کتاب الصیام اور کتاب الزکوٰۃ سے متعلق مسائل کو مولانا نورالدین قاسمی نے جمع کیا ہے (صفحات: ۱۳۵) اور کتاب البیوع سے کتاب الفرائض تک کے مسائل کو مولانا مظفرالدین قاسمی نے جمع کر کے اس کام کو مکمل کیا ہے (صفحات: ۶۱۷) جب کہ درمیان میں کتاب الحج اور کتاب النکاح کے مسائل کو مولانا جنید احمد گجراتی نے جمع کیا ہے، (صفحات: ۲۷۴) — یہ کتاب انشاء اللہ تقریباً چار ضخیم جلدوں میں طبع ہوگی۔

موافقات الإمام أبي حنيفة والإمام مالك

جن مسائل میں امام ابوحنیفہ اور امام مالک رحمہما اللہ متفق ہیں اور دوسرے ائمہ کا ان میں اختلاف ہے، ان مسائل کو جمع کرنے کی ذمہ داری مولانا سہیل رومی قاسمی کو دی گئی تھی، انھوں نے بڑی حد تک ان مسائل کو جمع کیا ہے، جب کہ امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کی موافقات کو جمع کرنے کا کام مولانا صاحب احسن ندوی کے ذمہ کیا گیا تھا؛ لیکن کام طویل ہونے کی وجہ سے مکمل نہیں ہو سکا، تاہم معتد بہ کام ہوگیا ہے۔

☆ ☆ ☆

فضلاء دیوبند کی فقہی خدمات - ایک مختصر جائزہ

ساتواں باب

فقہی ادارے

دار الافتاء دار العلوم دیوبند

دار الافتاء کے قیام سے پہلے فتاویٰ نویسی

گیارہویں صدی ہجری کے اواخر تک اہلِ ہند کے لئے دینی رہنمائی کا مرکز دار السلطنت دہلی تھا اور زیادہ تر اہل علم اور اربابِ افتاء کا تعلق مدرسہ رحیمیہ (دہلی) سے رہا ہے، جس کو حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے والد ماجد حضرت شاہ عبد الرحیم نے قائم فرمایا تھا، اسی ادارہ کے فیض یافتہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی نے ۱۲۸۲ھ میں دار العلوم قائم فرمایا تو اس علاقہ کے لوگوں کی دینی رہنمائی کے لئے دار العلوم دیوبند واحد مرکز بن گیا اور اور اس علاقے اور قرب وجوار سے استفتاء حضرت نانوتوی اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کی خدمت میں آنے لگے۔

فتاویٰ نویسی کا پہلا دور

حضرت نانوتوی چند خاص موضوعات پر تو از خود جواب لکھتے؛ مگر عموماً اپنی متواضعانہ طبیعت کی وجہ سے استفتاء مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے حوالہ فرمادیتے تھے، افسوس کہ حضرت نانوتویؒ کے فتاویٰ کی نقل محفوظ نہیں کی جاسکی اور جو کچھ بھی آپ کے مکاتیب محفوظ ہیں، وہ بھی فتاویٰ کے رنگ میں نہیں؛ بلکہ علمی وتحقیقی رسائل کی شکل میں ہیں — یہ دار العلوم کی فتاویٰ نویسی کا پہلا دور تھا۔

دوسرا دور

دار العلوم دیوبند سے فتاویٰ کا دوسرا دور حضرت نانوتوی کی وفات (۱۲۹۷ھ) کے بعد

کا ہے، حضرت نانوتویؒ کی وفات کے بعد تمام اکابر نے متفقہ طور پر فقیہ النفس حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کو دارالعلوم کے رکن شوریٰ اور سرپرست کی حیثیت سے نامزد فرمایا، حضرت گنگوہی کے یہاں فتاویٰ کی کثرت تھی اور عوام کے علاوہ علماء اور مشائخ بھی آپ سے رُجوع ہوتے تھے اور آپ کے دیئے گئے فتویٰ پر اعتماد کرتے تھے اور کہا جاسکتا ہے کہ حضرت گنگوہی کے زمانہ سے ہی دراصل دارالعلوم دیوبند کے فتاویٰ کی اہمیت لوگوں کے دلوں میں بیٹھ گئی اور پورے ہندوستان میں اس کو خاص مرجعیت حاصل ہوئی۔

تیسرا دور

حضرت گنگوہیؒ جس وقت دارالعلوم کے سرپرست کی حیثیت سے فتویٰ دیتے تھے، اسی زمانہ میں حضرت مولانا یعقوب نانوتوی دارالعلوم کے صدر المدرسین تھے؛ چنانچہ کچھ فتاویٰ حضرت مولانا یعقوب نانوتوی بھی تحریر فرماتے تھے اور یہ ''کچھ'' بھی اتنے زیادہ ہوتے تھے کہ حضرت مولانا یعقوب نانوتوی کو کارِ تعلیم میں دشواری محسوس ہونے لگی اور ۱۳۰۱ھ میں مجلس شوریٰ کی تجویز کے ذریعہ بڑی حد تک آپ کو اسباق سے فارغ کر دیا گیا — اس کو دارالعلوم سے فتاویٰ نویسی کا تیسرا مرحلہ قرار دیا جاسکتا ہے۔

چوتھا دور

حضرت مولانا یعقوب صاحب نانوتوی جس وقت دارالعلوم کے صدر المدرسین تھے، اس زمانہ میں حضرت مولانا اشرف علی تھانوی دارالعلوم دیوبند میں تحصیل علم کی خاطر اور حضرت مولانا یعقوب سے خصوصی استفادہ کے لئے تشریف لائے، آپ کی تعلیم کے آخری مرحلہ میں چند کتابوں کے اسباق بھی آپ سے متعلق کئے گئے اور حضرت مولانا یعقوب فتاویٰ بھی اکثر وبیشتر آپ کے حوالہ کر دیتے تھے اور نظر ثانی کے بعد اسے جاری فرماتے تھے، یہ فتاویٰ بھی اس تعداد میں تھے کہ حضرت تھانویؒ نے اپنے تمام فتووں کو تین حصوں میں تقسیم فرمایا ہے، جس میں پہلا حصہ ۱۳۰۱ھ تک کا ہے، جو دارالعلوم دیوبند میں رہ کر آپ نے لکھا، دوسرا حصہ ۱۳۱۴ھ تک کا

ہے، جو کانپور کے قیام کے زمانہ میں آپ نے تحریر فرمایا اور تیسرا حصہ ۱۳۱۵ھ کے بعد سے وفات تک کا ہے، جو تھانہ بھون میں رہ کر آپ نے لکھا، گویا حضرت تھانوی نے دارالعلوم میں جو فتاویٰ لکھے، اسے دارالعلوم کے فتاویٰ نویسی کا چوتھا دور کہا جاسکتا ہے؛ کیوں کہ اس وقت سب سے زیادہ آپ نے ہی فتاویٰ لکھے ہیں۔

پانچواں دور

حضرت مولانا یعقوب صاحب نانوتوی کی وفات (۱۳۰۲ھ) کے بعد ۱۳۱۰ھ تک ایسی کسی ایک شخصیت کا نام نہیں لیا جاسکتا، جو صرف فتاویٰ نویسی کے لئے خاص ہو؛ بلکہ یہ کام دارالعلوم کے تمام اساتذہ پر منقسم تھا اور مختلف اساتذہ کے نام اور دارالعلوم کے مہتمم حضرت مولانا رفیع الدین صاحب کے نام استفتاءات آتے تھے اور مہتمم صاحب کے نام کے استفتاء بھی مختلف اساتذہ پر تقسیم کردیے جاتے تھے اور سب کے جواب کو جمع کر کے دارالعلوم کی طرف سے روانہ کیا جاتا تھا، ۱۳۰۴ھ میں جب کہ دارالعلوم کی عمر ۲۲ سال کی تھی خدمت افتاء کا اعلان کیا گیا، مگر باضابطہ دارالافتاء قائم نہیں کیا گیا؛ بلکہ حسبِ سابق مختلف اساتذۂ کرام ہی جواب لکھتے رہے، یہ دارالعلوم سے فتاویٰ نویسی کا پانچواں مرحلہ تھا۔

— غرض دارالعلوم میں باضابطہ دارالافتاء قائم ہونے سے پہلے مولانا محمد قاسم نانوتوی، مولانا رشید احمد گنگوہی، مولانا یعقوب نانوتویؒ، مولانا اشرف علی تھانویؒ اور دارالعلوم کے مختلف اساتذہ نے اس کام کو انجام دیا اور دینی وشرعی معاملات میں لوگوں کی رہنمائی فرمائی۔

دارالافتاء کا قیام اور پہلے صدر مفتی

جب طلب فتاویٰ کی تعداد بہت زیادہ بڑھ گئی اور اساتذہ کے لئے تدریس کے ساتھ اتنے استفتاءات کا جواب لکھنا مشکل ہونے لگا تو دارالعلوم کی مجلس شوریٰ نے — جس میں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ بھی شامل تھے — ایک علاحدہ دارالافتاء کے قیام کی تجویز طے کی اور ۱۳۱۰ھ میں مستقل دارالافتاء کا قیام عمل میں آیا (۱) اور فقہ وفتاویٰ میں ید طولیٰ رکھنے والی

(۱) دیکھئے: تاریخ دارالعلوم دیوبند: ۱/۳۴۰

شخصیت مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی کو اس کام کے لئے خاص کر دیا گیا، جو اس وقت دار العلوم کے نائب مہتمم تھے؛ چنانچہ دار العلوم دیو بند کی ۱۳۱۰ھ کی روئداد میں لکھا ہے :

چوں کہ بفضل تعالیٰ اس مدرسہ کی شہرت دور دور ہے، اس وجہ سے مقامات دور دراز سے استفتاءات بکثرت آتے ہیں اور مدرسانِ عربی کو کارِ تعلیم سے اس قدر فرصت نہیں ہوتی کہ بلا حرج تعلیم ان کے جوابات لکھ سکیں اور اشاعت اور تحقیق علوم دین سے بڑا مقصد یہ ہے کہ عام مسلمانوں کو مسائل شرعیہ دریافت ہوں اور تحقیق حق میں سہولت ہو...... لہٰذا بنظر مصلحت یہ تجویز قرار پائی کہ عہدہ نائب مہتمم کا تخفیف میں آوے اور مولوی عزیز الرحمٰن نائب مہتمم کو اس عہدہ سے جدا کر کے خدمت افتاء مدرسہ اور تعلیم اسباق شرح ملا سے نیچے کی کتب پر مقرر کیا جائے۔(۱)

دار الافتاء میں کام کرنے والی شخصیات

دار العلوم دیو بند کو جس طرح پورے برصغیر میں مرجعیت حاصل ہے، اسی طرح یہاں کے دار الافتاء کو ہمیشہ ایسی شخصیات ملتی رہی ہیں، جن کا شمار اپنے وقت کی باکمال شخصیتوں میں ہوتا ہے؛ چنانچہ دار العلوم کے دار الافتاء میں جن شخصیتوں نے کام کیا ہے، ذیل میں ان کا مختصر تعارف پیش کیا جاتا ہے :

۱- مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی

(۱۲۷۵-۱۳۴۷ھ) جیسا کہ اوپر بیان ہوا کہ دار العلوم کے دار الافتاء میں سب سے پہلے مفتی عزیز الرحمٰن ہی نے صدر مفتی کی حیثیت سے کام شروع کیا، آپ نے ۱۳۱۰ھ سے

(۱) فتاویٰ دار العلوم دیو بند: ۲/۹۴، ط: زکریا بک ڈپو دیو بند، بحوالہ: روئداد دار العلوم دیو بند ۱۳۱۰ھ، ص: ۲

دارالافتاء کا کام سنبھالا اور ۱۳۴۴ھ تک چونتیس سال اس منصب پر فائز رہے، آپ کو فقہ و فتاویٰ میں ایسی مہارت تھی کہ بڑے بڑے معرکۃ الآراء استفتاء کا جواب مراجعت کتب کے بغیر بلا تکلف لکھ دیتے تھے، اُس دور میں بے شمار ایسے مشکل فتاویٰ لکھے، جو نہ صرف فتویٰ؛ بلکہ معرکۃ الآراء مہمات میں محاکمہ کی حیثیت رکھتے ہیں، فتاویٰ مختصر، عام فہم اور سلیس زبان میں لکھتے تھے، آپ کی فتاویٰ نویسی کی مہارت کے بارے میں اہل نظر لکھتے ہیں :

> یوں تو فتاویٰ ہر زمانہ میں لکھے گئے، مگر فتویٰ نویسی کا جو کمال حضرت مفتی صاحب کو حاصل تھا، یہ کمال جماعت دیوبند میں صرف تین شخصوں کے حصے میں آیا ہے، ایک مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، دوسرے حضرت مفتی (عزیز الرحمٰن) صاحبؒ اور تیسرے حضرت مفتی کفایت اللہ دہلویؒ۔(۱)

آپ کے فتاویٰ کی تعداد قاری محمد طیب صاحب (سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند) کے ایک سرسری اندازے کے مطابق ایک لاکھ اٹھارہ ہزار کے قریب ہے، آپ کی فتاویٰ نویسی کے ابتدائی بیس سال تک نقل فتاویٰ کا اہتمام نہیں کیا جاسکا، ۱۳۳۰ھ سے فتاویٰ کی نقل محفوظ کی گئی، جو اس وقت "عزیز الفتاویٰ" اور "فتاویٰ دارالعلوم" کے نام سے محفوظ ہیں، آپ ۱۳۴۴ھ میں دارالعلوم سے مستعفی ہو گئے تھے اور ۱۳۴۷ھ میں آپ کی وفات ہوئی۔(۲)

۲- مفتی ریاض الدین بجنوری

۱۳۴۴ھ میں مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی کے مستعفی ہونے کے بعد قائم مقام مفتی کی حیثیت سے افتاء کی خدمت مولانا مسعود احمد دیوبندی کے سپرد کی گئی — جو حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی کے داماد تھے — انھوں نے ۱۳۵۷ھ تک یہ خدمت انجام دی، اسی دوران ۱۳۴۷ھ کے اواخر میں باضابطہ اس منصب کے لئے مدرسہ عالیہ میرٹھ سے مولانا مفتی ریاض الدین

(۱) تاریخ دارالعلوم دیوبند: ۲/۲۲۸

(۲) مفتی صاحب کے مفصل حالات مستقل عنوان سے ذکر کیے جاتے ہیں۔

بجنوری کو طلب کیا گیا اور اوائل ۱۳۵۰ھ تک وہ اس منصب پر فائز رہے، کم و بیش دو سال کی اس مدت میں دارالافتاء سے تقریباً سات ہزار استفتاءات کے جواب لکھے گئے، صفر ۱۳۵۰ھ میں انھیں شعبۂ تدریس میں منتقل کر دیا گیا اور ۲۲رذی الحجہ ۱۳۶۶ھ کو ان کی وفات ہوئی۔

۳- مفتی محمد شفیع صاحب

مفتی ریاض الدین کے زمانہ میں مفتی شفیع صاحب دارالعلوم میں علیا کے مدرس تھے اور طالب علمی ہی کے زمانہ سے فقہ و ادب میں آپ کی مہارت اساتذہ پر واضح ہو چکی تھی؛ چنانچہ ۱۳۵۰ھ میں مفتی ریاض الدین کی جگہ آپ کو دارالافتاء کا صدر مفتی بنایا گیا اور ۱۳۵۴ھ کے وسط تک ساڑھے چار سال آپ اس منصب پر فائز رہے، درمیان میں مولانا محمد سہول صاحب بھاگلپوری اس منصب پر رہے اور ۱۳۵۹ھ میں دوبارہ آپ کو یہ عہدہ سپرد کیا گیا، اس طرح مزید پانچ سال آپ نے صدر مفتی کی حیثیت سے خدمت انجام دی، ۱۳۶۲ھ میں آپ نے استعفیٰ دے دیا پھر ۱۳۶۸ھ مطابق ۱۹۴۹ء میں آپ پاکستان چلے گئے اور وہاں دستور ساز اسمبلی کے بورڈ آف تعلیمات اسلام کے رکن کی حیثیت سے اسلامی دستور کی ترتیب کا کام کیا، ۱۹۵۱ء میں دارالعلوم کراچی کی بنیاد ڈالی، آپ کے زمانہ میں دارالعلوم کے دارالافتاء سے ۲۶ ہزار کے قریب فتاویٰ لکھے گئے، ۱۳۹۶ھ میں آپ نے آپ کی وفات ہوئی، آپ کے فتاویٰ کا بڑا حصہ امداد المفتیین اور فتاویٰ دارالعلوم میں مطبوع ہے۔

۴- مولانا محمد سہول بھاگلپوری

۱۳۵۴ھ کے وسط میں مولانا محمد سہول بھاگلپوری کو دارالافتاء کا صدر مفتی بنایا گیا، اس وقت آپ مدرسہ عالیہ شمس الہدیٰ (پٹنہ) میں پرنسپل تھے، مگر دارالعلوم کی دعوت پر ملازمت چھوڑ کر یہاں چلے آئے۔ تاہم اپنی بعض ذاتی مشکلات اور ضروریات کی وجہ سے زیادہ دن دارالعلوم میں خدمت نہیں کر سکے اور ۱۳۵۷ھ تک تقریباً تین سال صدر مفتی رہ کر اپنی سابقہ ملازمت پر لوٹ گئے، آپ کے زمانہ میں پندرہ ہزار ایک سو پچاسی (۱۵۱۸۵) فتاویٰ دارالافتاء

سے جاری کئے گئے، ۱۳۵۰ھ سے ۱۳۶۲ھ تک آپ مجلس شوریٰ کے رکن بھی رہے، ۲۷ر رجب ۱۳۶۷ھ مطابق ۱۹۴۸ء کو آپ کی وفات ہوئی۔

۵- مولانا کفایت اللہ گنگوہی

۱۳۵۶ھ کے اواخر میں مولانا کفایت اللہ گنگوہی کو دارالعلوم کے دارالافتاء کے لئے منتخب کیا گیا، تقریباً دو سال آپ نے دارالعلوم کے دارالافتاء میں خدمت انجام دی اور ۱۳۵۹ھ میں آپ کو شعبۂ تدریس میں منتقل کر دیا گیا، آپ کے زمانہ میں دارالافتاء سے پانچ ہزار آٹھ سو چالیس (۵۸۴۰) فتاوے روانہ کئے گئے، ۱۳۶۳ھ میں آپ دارالعلوم سے مستعفی ہو گئے۔

۶- مولانا فاروق احمد انبہٹوی

۱۳۶۲ھ میں دارالعلوم کے دارالافتاء میں صدر مفتی کی حیثیت سے آپ کا تقرر ہوا، آپ کو جامعہ عباسیہ بھاول پور سے بلایا گیا تھا؛ لیکن آپ دارالعلوم میں زیادہ دنوں نہیں رہ سکے؛ بلکہ ریاست بھاول پور کی وزارتِ تعلیم کی جانب سے آپ پر واپسی کے لئے زور ڈالا گیا اور ۱۳۶۳ھ میں آپ سابقہ جگہ (جامعہ عباسیہ) تشریف لے گئے اور وہاں شیخ الحدیث مقرر ہوئے، دارالافتاء دارالعلوم دیوبند سے آپ کے زمانہ میں آٹھ ہزار چار سو ستائیس (۸۴۲۷) فتاویٰ لکھے گئے۔

۷- مولانا اعزاز علی امروہوی

حضرت مولانا اعزاز علی امروہوی دارالعلوم کے نہایت ممتاز فضلاء میں تھے، ۱۳۳۰ھ میں دارالعلوم میں مدرس کی حیثیت سے آپ کا تقرر ہوا، پہلی مرتبہ ۱۳۴۷ھ سے ۱۳۴۸ھ تک ایک سال آپ دارالافتاء میں رہے، پھر ۱۳۶۴ھ سے ۱۳۶۶ھ تک آپ نے دارالافتاء میں صدر مفتی کی حیثیت سے خدمت انجام دی، آپ کے عہد صدارت میں چوبیس ہزار آٹھ سو پچپن (۲۴۸۵۵) فتاوے لکھے گئے، ۱۳۷۴ھ میں آپ کی وفات ہوئی۔

۸- مفتی مہدی حسن شاہجہان پوری

۱۳۴۷ھ میں مفتی مہدی حسن شاہجہان پوری کو دارالعلوم کے دارالافتاء میں صدر مفتی کے منصب پر فائز کیا گیا، ۱۳۸۷ھ میں اپنی طویل علالت اور ضعف و کمزوری کی وجہ سے دارالعلوم سے سبکدوش ہو کر وطن چلے گئے، ۲۸ ربیع الثانی ۱۳۹۶ھ کو آپ کی وفات ہوئی، آپ کے زمانۂ صدارت میں دارالافتاء سے پچہتر ہزار تین سو چوبیس (۷۵۳۲۴) فتاوے جاری کئے گئے۔

۹- مفتی محمود حسن گنگوہی

مفتی محمود حسن گنگوہی نے بیس سال مظاہر علوم سہارنپور میں افتاء کی خدمت انجام دی، چودہ سال جامع العلوم کانپور میں صدر مفتی رہے، ۱۳۸۵ھ مطابق ۱۹۶۵ء میں دارالعلوم دیوبند میں صدر مفتی کی حیثیت سے آپ کو مدعو کیا گیا اور درمیان میں معمولی وقفہ کے ساتھ اپنی وفات (۱۴۱۷ھ مطابق ۱۹۹۶ء) تک اس منصب پر فائز رہے، فقہی جزئیات پر خاص کر بہت ہی عبور حاصل تھا اور آپ کی حاضر جوابی ولطیفہ سنجی مشہور تھی، آپ کے فتاویٰ کا مجموعہ "فتاویٰ محمودیہ" کے نام سے ۲۰ جلدوں میں طبع شدہ ہے، آپ افریقہ کے سفر پر تھے وہیں ۱۹ ربیع الثانی ۱۴۱۷ھ مطابق ۲ ستمبر ۱۹۹۶ء کو آپ کی وفات ہوئی۔

۱۰- مفتی نظام الدین اعظمی

مفتی نظام الدین اعظمی کو ۱۳۸۵ھ میں دارالعلوم دیوبند میں افتاء کی خدمت پر مقرر کیا گیا اور مفتی محمود حسن گنگوہی کے بعد آپ دارالافتاء کے ذمہ دار رہے، آپ کو اللہ تعالیٰ نے اختراعی ذہن سے نوازا تھا، علماء دیوبند میں حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کے بعد جدید مسائل کے شرعی حل میں آپ کی خدمات نمایاں ہیں۔

۱۱- مفتی ظفیر الدین مفتاحی

۱۹۵۶ء میں مفتی ظفیر الدین مفتاحی کو دارالعلوم دیوبند میں شعبۂ تبلیغ کے لئے مدعو کیا گیا تھا، ۱۳۷۶ھ میں آپ کا تبادلہ دارالافتاء میں مرتب فتاویٰ کی حیثیت سے ہوا اور ایک سال بعد

۱۳۷۷ھ سے فتاویٰ نویسی کا کام بھی آپ کے سپرد ہوا، ۱۴۲۹ھ مطابق ۲۰۰۸ء تک آپ نے فتاویٰ نویسی کی خدمت انجام دی ۲۰۰۸ء میں پیرانہ سالی اور ضعف و امراض کی وجہ سے آپ دارالعلوم سے مستعفی ہو گئے اور اس وقت آپ گھر پر زیرِ علاج ہیں۔

۱۲- مفتی حبیب الرحمٰن خیرآبادی

مفتی حبیب الرحمٰن خیرآبادی نے ۲۳ سال مدرسہ حیات العلوم مرادآباد میں افتاء کی خدمت انجام دی، پھر دارالعلوم دیوبند میں تدریس کے لئے آپ کی تقرری ہوئی کچھ دنوں بعد آپ کو دارالافتاء منتقل کر دیا گیا اور تاہنوز آپ اس منصب پر فائز ہیں۔

دارالعلوم دیوبند میں فتاویٰ نویسی کا منہج

فتاویٰ نویسی میں دارالعلوم دیوبند کے دارالافتاء کا جو منہج ہے، اسے مختصراً حسبِ ذیل نکات میں بیان کیا جاسکتا ہے:

۱- فتویٰ میں فقہ حنفی کو اپنایا جاتا ہے، مگر ظاہر نص کے تقاضوں یا زمانہ کی ضرورتوں کے تحت بھی فقہ حنفی سے عدول کو بھی روا رکھا جاتا ہے۔

۲- ضرورت اور حالات کے پس منظر میں اگر فقہ حنفی پر عمل پیرا ہونے میں حرج و تنگی محسوس ہو، یا اس سے اباحیت اور فکر و عمل کے فساد کا اندیشہ ہو تو دوسرے فقہاء کی آراء سے بھی استفادہ کیا جاتا ہے اور اس کو دین سے بے دینی کی طرف نہیں؛ بلکہ دین سے دین کی طرف عدول سمجھتے ہیں؛ چنانچہ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ اس سلسلہ میں فرماتے ہیں:

> میرا ارادہ تھا کہ ایک رسالہ احکامِ معاملات میں ایسا لکھوں کہ جن معاملات میں عوام مبتلا ہیں، اگر وہ صورتیں کسی مذہب میں بھی جائز ہوں تو اس کی اجازت دے دوں؛ تاکہ مسلمانوں کا فعل کسی طرح سے توجیہ ہو سکے، میں نے احتیاطاً اس کے بارے میں حضرت گنگوہی سے بھی دریافت کیا کہ ایسے مسائل

میں دوسرے مذہب پر فتویٰ دینا جائز ہے یا نہیں؟ تو حضرت
نے بھی اجازت دے دی، مولانا نہایت پختہ حنفی تھے۔(۱)

اس عدول کی وجہ نفس پرستی نہیں؛ بلکہ مقصد یہ ہوتا ہے کہ لوگ تنگی کی وجہ سے شریعت کے دائرہ سے باہر نہ ہو جائیں؛ بلکہ ان کے دلوں میں شریعت کی محبت پیدا ہو اور وہ اپنے اوپر احکام شریعت کو بوجھ نہ سمجھنے لگیں؛ چنانچہ حضرت تھانویؒ ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں:

مختلف فیہ مسائل میں وسعت دینی چاہئے، اس طرح ایک تو
شریعت سے محبت پیدا ہوگی، دوسرے آرام رہے گا۔(۲)

غرض نفس پرستی کے فتنہ سے بچانے کے لئے تقلید شخصی کو ضروری سمجھتے ہوئے اعتدال کی راہ اختیار کرنا اور حتی الامکان لوگوں کو حرج و تنگی سے بچانا دارالعلوم کے دارالافتاء کا امتیاز ہے۔

۳- فتاویٰ میں ممکنہ حد تک فقہی جزئیات کو ملحوظ رکھا جاتا ہے اور ضرورت شدیدہ کے بغیر شذوذ اختیار کرنے یا انفرادی رائے دینے سے گریز کیا جاتا ہے۔

۴- فتاویٰ بڑی باریک بینی اور قیود و شرائط کے ساتھ لکھے جاتے ہیں کہ کوئی شخص یا حکومت فتویٰ کے الفاظ کی غلط تشریح نہ کر سکے اور کسی کے غلط مفاد میں اس کا استعمال نہ ہو سکے۔

۵- فتاویٰ میں حسب ضرورت ہدایت اور نصیحت سے بھی کام لیا جاتا ہے، مثلاً کسی مسئلہ میں اباحت کا حکم ہو؛ مگر اس پر عمل کی وجہ سے معاشرہ میں خرابی پیدا ہونے کا اندیشہ ہو تو اصل جواب کے ساتھ لکھ دیا جاتا ہے کہ "اس سے بچنا مناسب ہے" وغیرہ۔

۶- فتاویٰ عموماً آسان اُسلوب، سہل انداز، سادے الفاظ اور مختصر جملوں میں لکھے جاتے ہیں۔

۷- دارالعلوم کے دارالافتاء سے عوام کے ساتھ خواص بھی بڑی تعداد میں رُجوع ہوتے ہیں؛ اس لئے اگر علماء یا اربابِ دانش کی طرف سے استفتاء آئے ہوں تو ان کا مفصل اور مدلل جواب لکھا جاتا ہے، یہاں تک کہ بعض مرتبہ فتویٰ "رسالہ" کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔

---

(۱) کلمۃ الحق: ۷/۱ (۲) انفاس عیسیٰ: ۳۴۴/۲

۸- اگر سوال مبہم ہو، یا سوال میں بے جا تفصیلات آ گئی ہوں اور عبارت خلط ملط ہو گئی ہو تو پہلے اس کا خلاصہ لکھا جاتا ہے کہ "اگر واقعی آپ کے سوال کا حاصل یہ ہے:...... تو اس کا جواب اس طرح ہے"۔

۹- فتویٰ لکھنے کے بعد دارالافتاء کے کئی مفتیوں کے پاس سے اسے گذارا جاتا ہے؛ تا کہ کسی طرح کی کوئی خامی رہ گئی ہو تو اس کی نشان دہی ہو سکے۔

۱۰- اگر استفتاء کسی بڑی تنظیم، تحریک، یا ادارہ کی طرف سے آیا ہو اور جواب دور رس نتائج کا حامل ہو، یا اس کا تعلق صرف فرد سے نہیں؛ بلکہ مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد سے ہو، یا ایسا مسئلہ ہو جس میں شریعت کا صریح اور واضح حکم معلوم نہ ہو؛ بلکہ اس میں ایک گونہ اجتہاد اور اپنی رائے پیش کرنے کی ضرورت ہوتی ہو اور اس سلسلہ میں فیصلہ کو دارالعلوم کا موقف قرار دیا جائے، یا ایسا اختلافی مسئلہ ہو جس میں مسلمانوں کے دو گروہوں کے درمیان ٹکراؤ کا اندیشہ ہو وغیرہ — تو ایسے مسائل میں جواب دینے کے لئے دارالعلوم کے بڑے اساتذہ کی ایک بنچ قائم ہے اور باہمی مشورہ اور تبادلۂ خیال کے بعد ہی کوئی جواب لکھا جاتا ہے۔

آن لائن افتاء کی شروعات

دارالافتاء دارالعلوم دیوبند نے اُمتِ مسلمہ کی ضرورت اور سہولت کا لحاظ کرتے ہوئے آن لائن افتاء کا سلسلہ بھی شروع کیا اور اس کام کے لئے سب سے پہلے دارالعلوم ہی کے ایک نوجوان فاضل مفتی اعجاز ارشد قاسمی کو متعین کیا گیا، موصوف نے بڑی لیاقت کے ساتھ اس کام کو انجام دیا، دارالعلوم سے ان کی علاحدگی کے بعد یہ کام دوسرے فضلاء کے سپرد ہوا، جو بہتر طور پر اس خدمت کو انجام دے رہے ہیں۔

فقہ و فتاویٰ میں دارالعلوم کا مقام

دارالعلوم دیوبند نے ہر جہت سے دین و شریعت کی خدمت کی اور مسلمانوں کے خلاف اُٹھنے والے ہر فتنہ کا منہ توڑ جواب دیا، ملک و وطن کی بھی حفاظت کی اور اہل اسلام کی فکری سرحدوں کی بھی حفاظت کا فریضہ انجام دیا، جہالت و ناخواندگی سے لے کر ارتداد

دہریت کی تمام تاریکیوں میں ایک روشن کرن اور قندیل ربانی بن کرامت کے لئے ''قبلہ نما'' اور ''خضر طریق'' کا کام کیا، علوم اسلامی کی خدمت میں دار العلوم کی تاریخ کا ورق ورق روشن ہے، کلام وعقیدہ، احسان وتصوف، تفسیر وحدیث، فقہ وقواعد، زبان وادب، تاریخ وتذکرہ، سیر ورجال اور شعر وسخن ہر موضوع اور ہر فن میں دار العلوم نے نمایاں خدمات انجام دیں، تاہم ''فقہ وفتاویٰ'' دار العلوم کی خاص جولان گاہ تحقیق رہا ہے؛ کیوں کہ فقہ دراصل تمام علوم اسلامی کا عطر اور نچوڑ ہے، یہ قرآن کی عملی ہدایت کا خلاصہ اور احادیث کا لب لباب ہے۔

''فتویٰ'' فقہ سے عام ہے؛ کیوں کہ مسلمان اپنے ہر دینی معاملہ میں علماء کی رہنمائی چاہتے ہیں، خواہ اس کا تعلق باضابطہ کسی فقہی باب سے ہو یا نہ ہو، چنانچہ دار العلوم کے دار الافتاء میں زندگی کے تمام شعبوں سے متعلق استفتاءات آتے رہے ہیں اور علماء دیوبند نے ان کا تحقیقی جواب مرحمت فرمایا ہے، خواہ ملکی معاملات میں استفتاء آیا ہو، یا عقائد سے متعلق ہو، یا جدید معاملات میں یا مسلمانوں کے کسی دوسرے دینی، ملی سماجی، معاشرتی، اقتصادی اور عائلی مسائل سے متعلق ہو، ہر ایک کا جواب دار العلوم کے اربابِ افتاء نے بسط وتفصیل کے ساتھ دیا ہے اور عوام نے یہیں کے فتوے کو سب سے زیادہ اہمیت دی اور اس پر اعتماد کیا ہے، یہی وجہ ہے کہ جب مولانا ابوالکلام آزاد ۱۳۷۰ھ میں دار العلوم دیوبند تشریف لائے اور دار العلوم کے دار الافتاء سے جاری کئے گئے فتووں کو مرتب انداز میں دیکھا تو اس کی جامعیت کے بارے میں اظہار خیال کرتے ہوتے ہوئے فرمایا:

> اس سے ایک دوسرا تاتارخانیہ، (۱) مرتب ہو سکتا ہے، یہ ایک بڑی دینی خدمت ہے، اس سے لوگوں کی مشکلات حل ہوتی ہیں۔ (۲)

---

(۱) فتاویٰ تاتارخانیہ، فتاویٰ عالمگیری کی طرح ہندوستان میں مرتب کی گئی ہے، آٹھویں صدی ہجری میں خاندان تغلق کے عہد میں خانِ اعظم تاتارخان کی فرمائش پر شیخ عالم بن علاء الحنفی نے اسے چار ضخیم جلدوں میں مرتب کیا تھا؛ اسی لئے اس کا نام ''تاتارخانیہ'' پڑا، اس کا کچھ ہی حصہ مطبوع تھا، باقی مخطوطہ کی شکل میں تھا، اس وقت مفتی شبیر احمد قاسمی (دار الافتاء، مدرسہ قاسمیہ شاہی مرادآباد) اس پر کام کر رہے ہیں، اُمید ہے کہ عنقریب یہ کتاب کئی جلدوں میں چھپ کر اہل علم اور اربابِ افتاء کے لئے بڑا قیمتی سرمایہ ثابت ہوگی۔ (۲) تاریخ دار العلوم دیوبند: ۳۴۲/۱

فقہ و فتاویٰ میں دارالعلوم کے مقام کا اندازہ عقائد و عبادات اور عام معاملات کے علاوہ ترکِ موالات، ہندوستان کی شرعی حیثیت، ضبط تولید اور نفقۂ مطلقہ وغیرہ سے متعلق ملکی و بین اقوامی پیمانہ پر اثر ڈالنے والے دارالعلوم کے فتووں سے لگایا جاسکتا ہے، مولوی رحیم بخش (پریسیڈنٹ ریاست بھاول پور) لکھتے ہیں :

> ان کے فیصلے اور فتوے کو ہندوستان کے اندر اور باہر اہل اسلام کی بڑی تعداد بلاپس و پیش قبول کرتی ہے۔(۱)

حیدرآباد کی عدالت عالیہ کے لئے دارالعلوم کے مہتمم کا انتخاب

فقہ و فتاویٰ میں دارالعلوم کے مقام اور اس کے اعتماد و وقار کا اندازہ اس سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ حیدرآباد دکن، جہاں اسلامی طرز پر دارالقضاء کا محکمہ تھا اور افتاء کا منصب سرکاری طور پر قائم تھا، اس منصب افتاء کی اتنی اہمیت تھی کہ عدالت عالیہ کے فیصلے اور سزائے موت وغیرہ کا انحصار مفتی کے فتوے پر ہی ہوا کرتا تھا؛ اس لئے اس عہدہ کے لئے گہرا علم رکھنے والے اور شانِ تفقہ کے ساتھ افتاء کے سلسلہ میں تجربہ کار افراد کا ہی انتخاب ہوا کرتا تھا؛ چنانچہ نظام دکن نے جب اس عہدہ کے لئے کسی لائق شخصیت کو منتخب کرنا چاہا تو ان کی نظر دارالعلوم دیوبند اور یہاں کے اربابِ افتاء پر پڑی اور انھوں نے دارالعلوم کے مہتمم مولانا حافظ محمد احمد صاحب (فرزند حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی صاحبؒ) کو مدعو کیا اور ۱۳۴۰ھ کے اوائل میں نظام دکن کے چیف سکریٹری کا خط دارالعلوم پہنچا، جس کی عبارت اس طرح تھی :

> اعلیٰ حضرت نے حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب مہتمم دارالعلوم کو حیدرآباد کی عدالت عالیہ (ہائی کوٹ) کے عہدۂ افتاء پر تین سال کے لئے بمشاہرہ ایک ہزار روپیہ تجویز فرمایا ہے۔(۲)

---

(۱) تاریخ دارالعلوم دیوبند: ۱/۲۱۸

(۲) تاریخ دارالعلوم دیوبند: ۱/۲۵۹

مولانا حافظ محمد احمد صاحب دارالعلوم جیسے ادارہ کے مہتمم ہونے کی حیثیت سے کافی مشغول تھے؛ چنانچہ ۴ربیع الآخر ۱۳۴۰ھ کو نظام دکن سے انھوں نے ملاقات کی اور دارالعلوم کی مشغولیات کا ذکر فرمایا تو نظام دکن نے کہا:

> میں جانتا ہوں کہ وہ کام جس کو آپ انجام دیتے ہیں، بہت بڑا ہے اور اگر آپ اس بنیاد پر یہاں آنے سے انکار کردیتے تو مجھے ملال نہ ہوتا؛ لیکن میرا خیال تھا کہ میرے منشاء کا اتباع ضرور کریں گے، آپ یہاں رہ کر بھی دارالعلوم کی خدمات انجام دے سکتے ہیں۔(۱)

دارالعلوم دیوبند کے کارِ اہتمام میں آپ کی مشغولیت کو دیکھتے ہوئے تین سالوں کے لئے آپ کو زحمت دی گئی تھی؛ لیکن مدت مکمل ہونے کے بعد اس میں مزید ایک سال کی توسیع کردی گئی؛ تاہم خرابیٔ صحت کی وجہ سے اس سال مدت پوری ہونے سے قبل ہی مولانا مستعفی ہوگئے۔

دارالافتاء کی توسیع اور جدید عمارت میں منتقلی

دارالعلوم کو جو مقبولیت اور شہرت حاصل ہے اور یہاں سے دین کے تمام شعبوں میں خدمت کے ساتھ خاص کر شرعی رہنمائی اور فتاویٰ کے سلسلہ میں جو اس کی نمایاں خدمات ہیں اور لوگوں کا اس پر کامل اعتماد اور مکمل بھروسہ ہے، اس کی وجہ سے شرعی رہنمائی کے لئے برصغیر کے گوشے گوشے سے علماء اور عوام کا رُجوع اس قدر بڑھا کہ دارالافتاء کی سابقہ جگہ بہت تنگ ہوگئی اور ضرورت محسوس کی گئی کہ اس کام کے لئے وسیع عمارت ہو؛ چنانچہ دارالعلوم کی مسجد (جو اس وقت ''مسجد قدیم'' کے نام سے جانی جاتی ہے) کی مشرقی جانب کی عمارت کے بالائی حصہ پر ایک وسیع اور کشادہ عمارت تعمیر کی گئی، جس میں متعدد وسیع کمرے بنائے گئے اور ایک

---

(۱) تاریخ دارالعلوم دیوبند:۱/۲۶۰

ہال دارالافتاء کے کتب خانہ کے لئے مخصوص کیا گیا، ۱۹؍ربیع الآخر ۱۳۶۷ھ میں دارالافتاء کو جدید عمارت میں منتقل کردیا گیا۔

نقل فتاویٰ کا اہتمام

دارالعلوم کے قیام کی ابتداء سے ہی یہاں سے لوگوں کی شرعی رہنمائی اور افتاء کا کام شروع ہوگیا تھا، مگر ابتداءً فتاویٰ کی نقول رکھنے کا اہتمام نہیں کیا گیا، چنانچہ حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی کے فتاویٰ محفوظ نہیں کیے جاسکے اور جو کچھ محفوظ ہیں وہ بھی فتاویٰ کی شکل میں نہیں؛ بلکہ تحقیقی رسائل کی شکل میں ہیں، اسی طرح حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کے فتاویٰ کا بہت کم حصہ محفوظ کیا جاسکا جو ''فتاویٰ رشیدیہ'' کے نام سے صرف ایک جلد میں مطبوع ہے، اسی طرح بعد کے ادوار میں ۱۳۲۹ھ تک فتاویٰ کی نقل رکھنے کا اہتمام نہیں کیا جاسکا؛ اس لئے دارالعلوم میں ۴۷ سال کے فتاویٰ کی نقلیں محفوظ نہیں رہ سکیں، ۱۳۲۹ھ کے بعد نقل فتاویٰ کا اہتمام کیا گیا اور وہ بھی اس طرح کہ ۱۳۳۲ھ تک باضابطہ کوئی ناقل مقرر نہیں کیا گیا؛ بلکہ افتاء کے مختلف طلبہ سے یہ کام لیا گیا، جس کی وجہ سے بہت سے فتاوے کی نقل اب بھی محفوظ نہیں کی جاسکی، ۱۳۳۳ھ میں مستقل ناقل رکھا گیا۔

فتاویٰ کی ترتیب وطباعت

پیچھے ذکر کیا گیا کہ ۱۳۲۹ھ تک نقل فتاویٰ کا اہتمام نہیں کیا جاسکا تھا؛ اس لئے وہ فتاویٰ محفوظ نہیں رہ سکے اور ۱۳۲۹ھ سے ۱۳۳۲ھ تک مفتی عزیز الرحمٰن عثمانیؒ نے مختلف طلبہ سے یہ کام لیا، جس کی وجہ سے تمام فتوے محفوظ نہیں ہوسکے، ۱۳۳۳ھ میں باضابطہ ناقل رکھا گیا اور فتاویٰ کے رجسٹر تیار کیے گئے۔

جو فتاویٰ محفوظ تھے، ان کی ترتیب کا کام سب سے پہلے مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے شروع کیا؛ چنانچہ انھوں نے پہلے مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی کے ۱۳۲۹ھ سے ۱۳۴۴ھ تک لکھے گئے فتاویٰ کو مرتب کرنا شروع کیا اور ۱۳۵۳ھ سے ۱۳۶۱ھ تک ماہنامہ ''المفتی'' (۱) میں انھیں قسط وار

(۱) یہ رسالہ مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے اپنے ذاتی مصارف سے ۱۳۵۳ھ میں جاری فرمایا تھا۔

شائع کیا، پھر دارالاشاعت دیوبند سے آٹھ جلدوں میں اس کی اشاعت ہوئی، پھر ۱۳۹۶ھ میں جدید ترتیب وتبویب اور حذف وترمیم کے ساتھ دارالاشاعت کراچی (پاکستان) سے اس کو شائع کیا گیا، یہ مجموعہ فتاویٰ دارالعلوم اور ''عزیز الفتاویٰ'' کے نام سے اس وقت زکریا بک ڈپو دیوبند سے بھی شائع ہوا ہے، جو مفتی عزیز الرحمٰن کے مختصر تذکرہ کے ساتھ (۷۵۴) صفحات پر مشتمل ہے، اس مجموعہ میں مفتی عزیز الرحمٰن کے لکھے ہوئے فتووں کے چودہ رجسٹروں میں سے صرف دو رجسٹروں کے فتاویٰ کا انتخاب ہے۔

دوسرا مجموعہ فتاویٰ دارالعلوم اور ''امداد المفتیین'' کے نام سے مرتب ہے، یہ مفتی محمد شفیع صاحب کے لکھے گئے ان فتاویٰ کا مجموعہ ہے، جو موصوف نے ۱۳۴۹ھ ۱۳۶۲ھ تک دارالعلوم دیوبند کے صدر مفتی کی حیثیت سے لکھے تھے، اس مجموعہ کو بھی خود مفتی صاحب نے ہی مرتب فرما کر ماہنامہ ''المفتی'' میں قسط وار شائع کیا تھا، پھر دارالاشاعت دیوبند سے اس کی اشاعت ہوئی تھی؛ لیکن عزیز الفتاویٰ اور امداد المفتیین دونوں کی ترتیب جدید کی ضرورت تھی؛ چنانچہ مفتی شفیع صاحب نے اپنی نگرانی میں دارالعلوم کراچی کے اساتذہ کے ذریعہ یہ کام مکمل کرایا اور دونوں کو ۱۳۸۳ھ میں کراچی سے دو ضخیم جلدوں میں شائع کروایا، امداد المفتیین میں اب مفتی شفیع صاحب کے بعض ان فتاویٰ کو بھی شامل کر دیا گیا ہے، جو انھوں نے دارالعلوم سے مستعفی ہونے کے بعد ۱۳۷۱ھ تک لکھے تھے، ایسے فتاویٰ پر واوین کے ساتھ ''اضافہ'' لکھ دیا گیا ہے، یہ مجموعہ مفتی محمد شفیع صاحب کی مفصل سوانح حیات کے ساتھ (۸۹۶) صفحات پر مشتمل ہے اور زکریا بک ڈپو دیوبند نے بھی اس کو شائع کیا ہے۔

فتاویٰ کی ترتیب کے لئے باضابطہ کسی آدمی کا تقرر نہیں ہوا تھا؛ اس لئے مفتی شفیع صاحب کے بعد ۱۳۷۴ھ تک ترتیب کا کام نہیں ہوسکا، ۲۳ ربیع الثانی ۱۳۷۴ھ میں دارالعلوم کے مہتمم مولانا قاری محمد طیب صاحب نے مجلس انتظامیہ میں یہ تجویز رکھی کہ دارالعلوم کے فتاویٰ کی باضابطہ ترتیب کا کام ہونا چاہئے؛ چنانچہ یہ تجویز منظور ہوئی اور ۱۵ جمادی الاولیٰ ۱۳۷۴ھ سے ترتیب فتاویٰ کا کام باضابطہ شروع ہوگیا، تاہم فتاویٰ کی ترتیب کا یہ کام ۱۳۷۶ھ تک بڑی

ست رفتاری سے چلا اور تقریباً دو سال کی مدت میں صرف پانچ ہزار فتوے مرتب ہو سکے، ۴؍ ذی قعدہ ۱۳۷۶ھ میں اس کام کے لئے مفتی ظفیر الدین مفتاحی کی شکل میں ایک لائق شخصیت مل گئی اور یہ کام ان کے سپرد کر دیا گیا، مفتی صاحب نے بڑی محنت و جاں فشانی اور شوق و دلچسپی سے یہ کام کیا اور ۱۳۷۶ھ سے ۱۳۷۸ھ تک دو سال کی مدت میں بتیس ہزار (۳۲۰۰۰) فتوے مرتب کئے، دار العلوم دیو بند میں چوں کہ کثرت سے استفتاءات آتے ہیں، اس لئے فتاویٰ کے ذخیرے میں بڑی تعداد ایسے فتاویٰ کی تھی، جن میں فقہی عبارت نقل کرنے کا اہتمام نہیں کیا گیا تھا، یا عبارت تھی تو حوالہ نہیں تھا، یا صرف حوالہ تھا عبارت نہیں تھی، مفتی ظفیر الدین صاحب نے حاشیہ میں مسائل و جزئیات کی فقہی عبارت، باب، جلد اور صفحہ کے ساتھ لکھنے کا اہتمام فرمایا، جس کی وجہ سے فتووں کا استناد و اعتماد اور بھی بڑھ گیا، مفتی ظفیر الدین صاحب نے ۱۲؍ جلدوں میں یہ کام کیا تھا، جو خود مکتبہ دار العلوم دیو بند سے شائع ہوا، تیرہویں جلد کا کام بھی آپ نے مکمل فرما لیا تھا؛ مگر دار العلوم کی انتظامیہ کی تبدیلی کے وقت جو ہنگامہ بپا ہوا، اس میں یہ جلد ضائع ہو گئی۔

غرض دار العلوم دیو بند کے دار الافتاء سے لکھے گئے فتاویٰ اب تک عزیز الفتاویٰ، امداد المفتین اور فتاویٰ دار العلوم (۱۲؍ جلدیں) کے نام سے شائع ہوئے ہیں، نیز اس میں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی اور حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کے بھی بعض فتاویٰ کو شامل کر لیں جو انھوں نے دار العلوم میں رہ کر لکھے ہیں تو "فتاویٰ رشیدیہ" اور "امداد الفتاویٰ" کو بھی دار العلوم کے مرتب شدہ فتاویٰ میں شمار کیا جا سکتا ہے۔

دار الافتاء کی موجودہ صورتِ حال

اس وقت دار الافتاء میں مجموعی طور پر ۱۳؍ افراد کام کر رہے ہیں، جن میں دار الافتاء کے ناظم مولانا حبیب الرحمٰن خیر آبادی اور مفتی محمود حسن بلند شہری (جو فقہی جزئیات پر گہری نظر رکھنے اور جواب میں حزم و احتیاط کے حوالہ سے کافی وقعت کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں) خاص

کر قابل ذکر ہیں، ان کے علاوہ دیگر مفتیانِ، تدریب فی الافتاء کے دو فضلاء اور متعدد نقل نویس حضرات یہاں خدمت انجام دے رہے ہیں۔

شعبۂ تربیت افتاء

فقہ و فتاویٰ میں افراد کاری کی تیاری کی غرض سے دارالعلوم میں ایک سالہ شعبۂ تربیت افتاء بھی قائم ہے، جس میں ہر سال امتیازی صلاحیت کے حامل ملک کے مختلف علاقوں سے تعلق رکھنے والے تقریباً تیس فضلاء کا داخلہ لیا جاتا ہے، دارالعلوم نے اپنے قیام کے سو سال پورے ہونے پر جو اجلاس (صد سالہ) کیا تھا، اس وقت کی رپورٹ کے مطابق (۱۷۸۴) فضلاء نے دارالعلوم میں افتاء کی تربیت حاصل کی تھی اور صد سالہ کے بعد سے اب تک متعدد فضلاء دارالعلوم کے دارالافتاء سے تربیت پا کر مختلف علاقوں میں فقہ و فتاویٰ اور عوام کی شرعی رہنمائی کی خدمت انجام دے رہے ہیں۔

شعبۂ افتاء میں تربیت پائے ہوئے دو تین طالب علموں کو ایک سال کے لئے ''تدریب فی الافتاء'' میں بھی داخل کیا جاتا ہے، پھر مزید لیاقت دیکھتے ہوئے ایک دو سال کے لئے ''معین مفتی'' کی حیثیت سے بھی تقرری ہوتی ہے، نیز یہاں چند فضلاء کو فقہ حنفی پر کام کرنے کے لئے بھی رکھا جاتا ہے، اس وقت ''مطالعہ شامی'' کا سلسلہ چل رہا ہے، جس میں چند فضلاء فقہ حنفی کی مشہور کتاب ردالمحتار (فتاویٰ شامی) پر کام کر رہے ہیں، فقہ حنفی کی جزئیات کے احاطہ کے اعتبار سے فتاویٰ شامی کو دوسری کتابوں کے مقابلہ ایک امتیاز حاصل ہے؛ چنانچہ اس شعبہ میں فتاویٰ شامی کے ہر جزئیے کو الگ الگ عنوان کے ساتھ علاحدہ کرنے کا کام ہو رہا ہے' تاکہ مفتیان کرام کو مراجعت اور جزئیات کی تلاش میں آسانی ہو۔

☆ ☆ ☆

دارالقضاء امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ

امارت شرعیہ کے قیام کا پس منظر

اسلام ایک ابدی مذہب ہے اور یہ انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں کو محیط ہے، اسلامی شریعت جہاں انسان کی انفرادی اور شخصی زندگی میں اس کی رہنمائی کرتی ہے، جس پر چل کر انسان فلاح و بہبود کی منزلیں طے کرسکتا اور اپنے معبود کی خوشنودی حاصل کرسکتا ہے، وہیں اس کی معاشرتی اور اجتماعی زندگی میں بھی اس کو صحیح راستہ بتاتی ہے، جس کے ذریعہ انسان ایک دوسرے کے حقوق کی رعایت کرکے دنیا میں امن و امان کا پیغام بر اور انسانیت کا صحیح ترجمان بن سکتا ہے، تاہم یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ یہ دنیا دارالامتحان ہے، جسے طرح طرح کی رنگینیوں، دلفریبیوں اور عیش و عشرت کے اسباب سے بھر دیا گیا ہے اور پھر انسانوں کو ان دلفریبیوں میں اُلجھانے کے لئے نفس و شیطان بھی مسلط ہیں، جس کی وجہ سے انسان وقتی لذتوں میں پڑکر خدائی حدود کو توڑ دیتا اور اپنے کو خدا کی ناراضگی کا مستحق بنالیتا ہے۔

انسان اگر اپنی انفرادی زندگی میں خدا کے حکم کو توڑتا ہے تو عموماً اس کا نقصان خود اس کی ذات تک محدود رہتا ہے اور اسے وعظ و نصیحت کے ذریعہ اس دلدل سے نکالا جاسکتا ہے؛ لیکن اگر اس کی معاشرتی اور اجتماعی زندگی میں بگاڑ آجائے تو اس سے پوری قوم پر زوال آنے لگتا ہے اور پوری ملت اس کا نقصان اُٹھاتی ہے اور پھر اس دلدل سے اسے نکالنے کے لئے محض وعظ و نصیحت کافی نہیں ہوتی؛ بلکہ باضابطہ ایک ایسے نظام کی ضرورت پڑتی ہے جو انسان کی اجتماعی زندگی میں اس کی رہنمائی بھی کرے اور اگر کسی طرح کا بگاڑ در آئے تو اس کا علاج بھی کرسکے۔

ماضی میں مسلمانوں کے اجتماعی نظام کی نگرانی مسلم حکومتیں کیا کرتی تھیں اور تمام اجتماعی احکام وقوانین کا اجراء اور نفاذ اسلامی حکومتوں کے خلیفہ اور حکمرانوں کے ذریعہ ہوتا تھا؛ لیکن جب ۱۸۵۷ء کے بعد مغلیہ سلطنت کے زوال کے ساتھ ہی مسلمانوں کے اقتدار کا خاتمہ ہوگیا اور مسلمانوں کی اجتماعی زندگی سے متعلق احکام وقوانین کو نافذ کرنے کے لئے حکومتی پیمانہ پر طاقت وقوت باقی نہیں رہی تو ایسے وقت میں مسلمانوں کی شیرازہ بندی اور ان کی اجتماعی زندگی کو صحیح اسلامی خطوط پر منظم کرنے کے لئے کئی تحریکوں نے جنم لیا، خاص کر بیسویں صدی کے شروع ہوتے ہی ''تحریک خلافت'' اور ''تحریک آزادی ہند'' نے پورے ملک میں ایک عام بیداری کی لہر پیدا کردی، اسی وقت اسلامی احکام کے نفاذ اور مسلمانوں کی اجتماعی زندگی کو منظم کرنے کے لئے ۱۹۲۱ء میں کل ہند پیمانہ پر امارت شرعیہ کے قیام کی تجویز منظر عام پر آئی، جس کے اصل محرک مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ، مولانا ابوالکلام آزادؒ، مفتی کفایت اللہ دہلویؒ، اور علامہ سید سلیمان ندویؒ وغیرہ تھے؛ لیکن جب بعض اسباب کی بنا پر اس بکھرے ہوئے ہندوستان میں کل ہند پیمانہ پر امارت شرعیہ کے قیام کا خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہوسکا، تو مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ نے صوبائی پیمانہ پر مسلمانوں کی اجتماعی زندگی کو منظم کرنے اور امارت شرعیہ قائم کرنے کی کوشش شروع کردی، خدا کے فضل سے یہ کوشش بارآور ہوئی اور بہار میں امارت شرعیہ کا قیام عمل میں آیا۔

سن قیام، بانی اور امیر

مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد علیہ الرحمہ — جو شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی کے خصوصی تربیت یافتہ تھے — کی کوششوں سے ۱۹ رشوال ۱۳۳۹ھ م ۲۶ رجون ۱۹۲۱ء کو باضابطہ امارت شرعیہ بہار واڑیسہ کا قیام عمل میں آیا، جس کو امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا محمد علی مونگیری اور مولانا شاہ بدرالدین مجیبی اور دیگر علماء کی پرزور تائید حاصل ہوئی، بحمد اللہ یہ شرعی تنظیم مسلمانوں کی [illegible] نے اور ان کو نظام شرعی پر قائم رکھنے کی مسلسل کامیاب کوشش کررہی ہے۔

اور مسلمانوں نے جس طرح اس نظام کو قبول کیا اور اس سے اپنی وابستگی کا اظہار کیا ہے کہ اسے دیکھ کر کہا جا سکتا ہے کہ ''اسلام جس اجتماعی زندگی کا مسلمانوں سے مطالبہ کرتا ہے، موجودہ دور میں امارت شرعیہ (بہار، اُڑیسہ، جھارکھنڈ) اس کی بہترین عملی شکل ہے''۔

امارت کے امیر اول کے طور پر مولانا شاہ بدر الدین (سجادہ نشیں خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف پٹنہ) کو منتخب کیا گیا اور مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد علیہ الرحمہ نے نیابت امارت قبول فرمائی، مولانا شاہ بدر الدین صاحب ۱۹؍شوال ۱۳۳۹ھ سے ۱۶؍صفر ۱۳۴۳ھ تک (تین سال تین ماہ ستائیس دن) امیر رہے، پھر ۹؍ربیع الاول ۱۳۴۳ھ سے ۲۹؍جمادی الاولیٰ ۱۳۶۶ھ تک (۲۳ سال دو ماہ بیس دن) حضرت مولانا سید شاہ محی الدین (سجادہ نشیں خانقاہ مجیبیہ، پٹنہ) امیر رہے، پھر تیسرے امیر کے طور پر حضرت مولانا سید شاہ قمر الدین (خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف) کا انتخاب عمل میں آیا، آپ ۱۷؍شعبان ۱۳۶۶ھ سے ۳۰؍رجب ۱۳۷۶ھ تک (سات دن کم دس سال) امیر رہے، چوتھا امیر حضرت مولانا منت اللہ رحمانی کو منتخب کیا گیا، آپ ۲۲؍شعبان ۱۳۷۶ھ سے ۳؍رمضان ۱۴۱۱ھ تک (۳۴ برس) امیر رہے، پھر حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب کو پانچواں امیر منتخب کیا گیا، آپ ۱۴؍رمضان ۱۴۱۱ھ سے ۱۴۱۹ھ تک (تقریباً نو سال) امیر رہے، آپ کے بعد ۱۱؍رجب ۱۴۱۹ھ کو حضرت مولانا سید نظام الدین صاحب کو امیر منتخب کیا گیا جو تا ہنوز اس منصب پر فائز ہیں۔

نائب امیر شریعت کے طور پر مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ کے بعد مولانا عبدالصمد رحمانی، پھر مولانا عبدالرحمٰن صاحب (جو بعد میں امیر شریعت بھی بنے) پھر مولانا سید نظام الدین صاحب (موجودہ امیر شریعت) پھر قاضی مجاہد الاسلام قاسمی، پھر مولانا سید محمد ولی رحمانی کو منتخب کیا گیا۔(۱)

امارت شرعیہ کے سلسلہ میں شبہات و جوابات

کل ہند پیمانہ پر جس نظام کے قیام میں ناکامی ہو چکی تھی، اس کو ریاستی پیمانہ پر زندہ

(۱) امارت شرعیہ — تعارف، خدمات اور سرگرمیاں (۲۰۰۶ء)، ص: ۱۲

کرنے میں جہاں کئی طرح کی رکاوٹیں اور دشواریاں تھیں، وہیں ہندوستان جیسے ملک میں اس نظام کے سلسلہ میں بہت سے اہل علم اب تک مطمئن بھی نہیں تھے؛ چنانچہ بعض علماء کی طرف سے اس کے متعلق شبہات بھی آئے، خصوصاً ہندوستان کے ممتاز عالم دین حضرت مولانا عبدالباری فرنگی محلی کی طرف سے جو چند شبہات پیش کئے گئے، ان کا ذکر یہاں مناسب ہے۔

مولانا عبدالباری صاحب ہندوستان کو ''دارالاسلام'' سمجھتے تھے اور موجودہ حکومت کو ''استیلاء کفار'' تصور کرتے تھے، چنانچہ خود ہی لکھتے ہیں :

> فقیر عرض کرتا ہے کہ ہندوستان میرے نزدیک ''دارالاسلام'' ہے اور اس پر ''استیلاء کفار'' ہے۔

اور آگے لکھتے ہیں :

> فقیر نے اپنا مسلک کبھی ''دارالامن'' کا نہیں ذکر کیا ہے..... فقیر تو اس کو ''دارالاستیلاء'' سمجھتا ہے اور دارالاستیلاء کے ازالہ کو لازم سمجھتا ہے۔(۱)

مولانا عبدالباری صاحب نے اپنے اسی نظریہ کی بنا پر ایک اہم شبہ یہ پیش کیا تھا کہ کیا جہاں کفار کا استیلاء اور غلبہ ہو، وہاں کے مسلمانوں سے کسی شخص کی امارت پر بیعت لینا سنت سے ثابت ہے؟ — امارت شرعیہ سے اس کا جواب دیا گیا کہ حجاز میں مسلم حکومت قائم ہونے کے بعد نہ حضور کے زمانہ میں استیلاء کفار ہوا اور نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد؛ اس لئے دارالاستیلاء میں بیعت کے سنت نبوی ہونے کی جستجو قابل تعجب ہے، ہاں دارالحرب میں اہل دار سے بیعت کے سنت ہونے کا ثبوت ہے کہ بیعت عقبہ کے وقت تمام ملکِ عرب دارالکفر اور دارالحرب تھا، جس میں مشرکین کو غلبہ واستیلاء حاصل تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل دارالحرب سے بیعت لی۔

دوسرا شبہ یہ تھا کہ ''سیاست مذہبی میں بیعت کی کیا ضرورت ہے'' — اس کا جواب یہ

(۱) امارت شرعیہ — شبہات وجوابات، ص:۳۹، مکتوب مولانا عبدالباری فرنگی محلی۔

دیا گیا کہ امارت کے قیام کا مقصد صرف سیاست مذہبی نہیں ؛ بلکہ اقامتِ صلوٰۃ، ایتاءِ زکوٰۃ اور نصح مسلم وغیرہ سب کاموں کو شامل ہے، گویا یہ ''بیعت اطاعت'' ہے، جس کا ثبوت قرآن وسنت میں موجود ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلم خواتین سے برائیوں سے اجتناب پر بیعت لی تھی: ''ولا یعصینک فی معروف'' (الممتحنۃ:۱۲) اور مردوں سے بھی اس قسم کی بیعت کا احادیث میں ذکر آیا ہے،؛ چنانچہ سنن ابن ماجہ کی روایت ہے، انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حتی المقدور سمع وطاعت پر ہم سے بیعت لی۔(۱)

ایک سوال یہ تھا کہ ''امیر کی حیثیت کیا ہوگی؟ امام اعظم خلیفۃ المسلمین کی، یا والی ملک کی، یا نائب خلیفہ کی؟ اس کا جواب یہ دیا گیا کہ امیر کی حیثیت ''والی ملک'' کی ہے اور اس کا مسئلہ یہ ہے کہ اگر والی ملک امام اعظم کی طرف سے مقرر ہو تو وہ امام اعظم کا نائب ہوگا اور اس کا عزل ونصب امام ہی کے سپرد ہوگا اور پھر امام کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے بعد اس والی کے ہاتھ پر بیعت کی ضرورت نہیں ہوگی ؛ لیکن اگر والی کا تقرر امام کی جانب سے نہ ہو؛ بلکہ قوم نے از خود ولایت عامہ کسی کے سپرد کر کے اسے والی بنالیا ہو تو اس صورت میں اس والی کی بیعت اسی طرح لازم ہے، جس طرح امام اعظم کی بیعت لازم ہے، رہی بات ایسی ولایت اور امارت کے ثبوت کی جو امام کے بجائے قوم کی جانب سے ہو تو اس سلسلہ میں فتنۂ یمن کو نظیر بنایا جا سکتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اسود عنسی نے صنعاء یمن کے بعض علاقوں پر قبضہ کر لیا تھا، اس وقت مسلمانوں نے باہمی مشورہ سے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو اپنا امیر مقرر کر لیا تھا: ''تنافسوا الإمارۃ فی صنعاء، ثم اتفقوا علی معاذ ''(۲)— مسلمانوں کا حضرت معاذ کو اپنا امیر بنالینا، بغیر اس کے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت حاصل کریں، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ مرکز خلافت سے دور رہنے والے مسلمان اپنا ایک امیر مقرر کر لیں تو

(۱) دیکھئے: ابن ماجہ، باب البیعۃ، کتاب الجہاد، حدیث نمبر: ۲۸۶۸، نیز دیکھئے: بخاری: ۷۲۰۰، مسلم: ۱۷۰۹

(۲) تاریخ ابن خلدون: ۲/ ۶۱

یہ جائز اور سنت صحابہ ہے(۱) ــ اس طرح کے اور بھی کئی سوالات تھے، جن کا جواب امارت شرعیہ سے ملنے کے بعد خود مولانا عبدالباری فرنگی محلیؒ کو بھی اطمینان ہوا اور انھوں نے اس کی حمایت کی اور دیگر علماء نے بھی اس کی تائید کی۔

امارت شرعیہ کے مقاصد

امارت شرعیہ کا قیام چوں کہ مسلمانوں کی شرعی اور اجتماعی ضرورتوں کی تکمیل کے لئے ہوا ہے؛ اس لئے امارت کے مقاصد میں وہ تمام چیزیں شامل ہیں، جن کے ذریعہ مسلمانوں کو زیادہ سے زیادہ منظم کیا جاسکے اور شریعت کی حدود میں رہ کر ان کی ہر طرح کی ترقی کو ممکن بنایا جاسکے، ذیل میں ان مقاصد کو نمبروار لکھا جاتا ہے :

۱۔ منہاج نبوت پر نظام شرعی کا قیام۔
۲۔ ممکنہ حد تک نظام شرعی کے اجراء وتنفیذ کے مواقع پیدا کرنا۔
۳۔ ایسی استطاعت پیدا کرنے کی جدوجہد، جس کے ذریعہ قوانین خداوندی کو نافذ وجاری کیا جاسکے۔
۴۔ اُمت مسلمہ کے جملہ اسلامی حقوق ومفادات کا تحفظ اور اس کی نگہداشت۔
۵۔ مسلمانوں کو بلا اختلاف مسلک محض کلمۂ توحید کی بنیاد پر مجتمع کرنا؛ تاکہ وہ اپنی اجتماعی قوت ''کلمۃ اللہ'' کو بلند کرنے پر خرچ کریں۔
۶۔ مسلمانوں کو تعلیم، معاش اور ترقی کے میدان میں، اسلامی نظامِ تعلیم اور اسلامی نظامِ تجارت کی روشنی میں رہنمائی دینا۔
۷۔ عام انسانی خدمت کے لئے رفاہی اور فلاحی ادارے قائم کرنا۔
۸۔ اسلام کے وقار کو محفوظ رکھتے ہوئے تمام مذہبی فرقوں کے ساتھ صلح وآشتی کا برتاؤ کرنا اور ملک میں امن پسند قوتوں کو فروغ دینا۔(۲)

---

(۱) دیکھئے: امارت شرعیہ شبہات وجوابات، ص:۲۰، از: امیر شریعت اول حضرت مولانا شاہ بدرالدین مجیبیؒ۔
(۲) امارت شرعیہ ــ تعارف، خدمات اور سرگرمیاں:۶

مختلف شعبوں میں امارت کی خدمات

امارت شرعیہ نے دینی ملی، سیاسی، سماجی اور تعلیمی ہر میدان میں اُمتِ مسلمہ کی نمایاں خدمات انجام دی ہیں؛ چنانچہ مسلمانوں کی دینی تعلیم کے لئے ۱۹۹۶ء میں دینی مکاتب کے قیام کی تجویز طے ہوئی اوراب تک ایک ہزار سے زائد مقامات پر مکاتب قائم کئے جا چکے ہیں، عصری تعلیم پانے والے ذہین، محنتی نادار طلبہ کو ریسرچ، میڈیکل اور انجینئرنگ وغیرہ کی تعلیم کے لئے وظائف دیئے جاتے ہیں، جس کے لئے مستقل ''تعلیمی فنڈ امارت شرعیہ'' قائم ہے، نیز اسی مقصد کے لئے ۱۹۹۳ء میں امارت ایجوکیشنل ویلفیئر ٹرسٹ، مولانا محمد منت اللہ رحمانی ٹیکنیکل انسٹی ٹیوٹ، امارت انسٹی ٹیوٹ آف کمپیوٹر اینڈ الیکٹرونکس، پارہ میڈیکل انسٹی ٹیوٹ، ۱۹۹۵ء میں امارت مجیبیہ ٹیکنیکل انسٹی ٹیوٹ دربھنگہ، ۱۹۷۷ء میں امارت ٹیکنیکل انسٹی ٹیوٹ پورنیہ، ۲۰۰۰ء میں ریاض آئی ٹی آئی مغربی چمپارن، عثمان غنی کمپیوٹر انسٹی ٹیوٹ برائے خواتین پٹنہ اور ۲۰۰۲ء میں امارت عمر ٹیکنیکل انسٹی ٹیوٹ بسرار اور کیلا میں قائم ہوا، ان اداروں سے سینکڑوں طلبہ فارغ ہوکر ہندوستان کے علاوہ ایشیاء کے دوسرے ملکوں، افریقہ، امریکہ وغیرہ میں برسرروزگار ہیں۔

اس مہنگے دور میں غریبوں کے لئے علاج و معالجہ کا خرچ ایک بڑا مسئلہ بنا ہوا ہے؛ چنانچہ امارت نے مسلمانوں کی اس ضرورت کی تکمیل کے لئے ۲۲ر شعبان ۱۴۰۸ھ مطابق ۱۰ر اپریل ۱۹۸۸ء کو مولانا سجاد میموریل ہاسپٹل قائم کیا، جس میں روزانہ سینکڑوں مریضوں کا علاج ہوتا ہے، نیز بہار، اڑیسہ و جھارکھنڈ کے مختلف مقامات پر موبائل میڈیکل سروس کے ذریعہ غریب مریضوں کے مفت علاج کا نظم کیا جاتا ہے، ان کے علاوہ مسلمانوں کی مختلف ضروریات کے لئے باضابطہ ''بیت المال'' بھی قائم ہے، جس کے تحت جہاں مسلمانوں کی دینی وعصری تعلیم کے لئے وظائف مقرر کئے جاتے ہیں اور فقراء و مساکین، بیوگان، یتیموں اور محتاجوں کا تعاون کیا جاتا ہے، وہیں فرقہ وارانہ فسادات اور قدرتی حادثات کے موقع پر متاثرین کی بھی بڑی مدد کی جاتی ہے۔

امارت شرعیہ کا شعبۂ افتاء وقضاء

امارت شرعیہ میں یوں تو شعبۂ تنظیم، شعبۂ تحفظ مسلمین، شعبۂ بیت المال، شعبۂ اُمور مساجد، وفاق المدارس وغیرہ کئی اہم شعبے ہیں، تاہم امارت نے اپنی ابتداء سفر سے ہی فقہ اسلامی اور قانون شریعت کو خاص کر اپنی توجہ کا مرکز بنایا ہے اور اس کے سب سے اہم اور بنیادی شعبوں میں اس کا ''دارالقضاء'' ہے، جو اسلامی شریعت کے مطابق مسلمانوں کے عائلی معاملات سے متعلق مقدمات کے فیصلے کرتا ہے اور اس کا ''دارالافتاء'' ہے جو مسلمانوں کی طرف سے آنے والے دینی، فقہی سوالات کا جواب دیتا ہے اور مسلمانوں کی بڑی تعداد اس سے رُجوع ہوتی اور مکمل اعتماد کے ساتھ یہاں کے قاضی شریعت کو اپنے معاملات میں ثالث مانتی ہے اور یہاں کے دارالافتاء سے دیئے گئے فتووں کو قبول کرتی ہے۔

ہندوستان میں نظامِ قضاء کا قیام خاص کر بہت ضروری تھا، کیوں کہ حلال وحرام سے متعلق بہت سے شرعی قوانین کا اجراء مسلم قاضی کے فیصلے کے بغیر نہیں ہوسکتا تھا، مثلاً شوہر کی مفقودالخبری کی وجہ سے نا قابل برداشت تکلیفوں میں مبتلا ہونے والی عورتوں کا بے سہارا زندگی گذارنا، یا بیوی کا شوہر کی طرف سے ظلم وایذاء رسانی کا شکار ہونا، یا عورت کا نان ونفقہ سے محروم ہونا، میاں بیوی کے درمیان حرمت مصاہرت کا پیدا ہوجانا اور اس طرح کے دوسرے مقدمات میں عورت کی گلوخلاصی کا واحد ذریعہ قاضی کا فیصلہ ہی ہوسکتا تھا — ان حالات میں دارالقضاء کا قیام مسلمانوں کے لئے بڑی راحت کا ذریعہ بنا۔

دارالقضاء کا مرکزی دفتر پھلواری شریف پٹنہ میں ہے اور اسے اتنی مقبولیت حاصل ہے کہ اس وقت یہاں نہ صرف بہار، اُڑیسہ اور جھارکھنڈ کے مقدمات آتے ہیں؛ بلکہ ہندوستان کے دوسرے علاقوں کے معاملات بھی آتے ہیں جہاں باضابطہ دارالقضاء قائم نہیں ہے، جیسے بنگال، راجستھان، اترپردیش اور نیپال وغیرہ۔

امارت شرعیہ کے مرکزی دارالقضاء کی نگرانی میں مختلف علاقائی اور ذیلی دارالقضاء بھی اپنا فرض ادا کررہے ہیں، جن کی مجموعی تعداد چالیس ہے، چنانچہ اس وقت دربھنگہ، پورنیہ، کشن

گنج، مونگیر، بیگوسرائے، سمستی پور، سہرسہ، روتہاس، مظفر پور، چمپارن، ارریہ، سیوان، گھگو یا، کٹیہار، مدھوبنی، سیتامڑھی، ویشالی، جموئی، گیا، گریڈیہہ، چترا، جمشید پور، جامتاڑا، گڈا، رانچی، دھنباد، کٹک، راورکیلا، دیناج پور، پرولیا، بردوان، کولکاتا اور آکولہ (مہاراشٹر) وغیرہ میں امارت کے ذیلی دار القضاء کام کر رہے ہیں۔

دار الافتاء اور دار القضاء میں کام کرنے والی شخصیات

امارت شرعیہ کے بانی حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ خود ایک فقیہ النفس عالم تھے؛ چنانچہ شروع میں خود آپ نے بہت سے فتوے لکھے اور بہت سے مقدمات کے فیصلے فرمائے، آپ کے یہ فتاویٰ اور فیصلے تاریخی اہمیت کے حامل ہیں، جنھیں دار الافتاء اور دار القضاء میں کام کرنے والوں کے لئے سرمۂ بصیرت کہا جاسکتا ہے، آپ کے فتاویٰ کی بڑی تعداد ''فتاویٰ امارت شرعیہ'' کے نام سے مطبوع ہے، آپ کے علاوہ جناب محمد شفیع صاحب، مولانا عثمان غنی، قاضی نور الحسن اور مولانا عبد الصمد رحمانی وغیرہ نے بڑی خوبی سے اس کام کو انجام دیا، ۱۳۷۶ھ کے بعد امیر شریعت رابع مولانا محمد منت اللہ رحمانی (جن کی فقہ اسلامی پر بڑی وسیع اور عمیق نظر تھی) نے اس کام میں اور بہتری پیدا کی، آپ کے بعد ہند و بیرون ہند کے ممتاز فقیہ اور کارِ قضاء میں بے پناہ خداداد صلاحیتوں کے مالک مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ نے اس شعبہ کو چار چاند لگادیئے اور دار القضاء کو شہرت وترقی کے بام عروج پر پہنچایا اور ساتھ ہی ''المعہد العالی للتدریب فی القضاء والافتاء'' اور ''اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا'' جیسے رجال ساز ادارے قائم کرکے ایسے افراد کار تیار کئے جو دار القضاء امارت شرعیہ کے مقاصد کو بروئے کار لانے اور ہند وبیرون ہند اس پیغام کو عام کرنے میں نقیب کی حیثیت رکھتے ہیں۔

قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ کے بعد بھی دار القضاء کو ایسے افراد ملتے رہے، جو کار قضاء میں اپنی مہارت کی وجہ سے قاضی شریعت کے عہدے کو اچھی طرح سنبھال سکیں، چنانچہ ان میں نمایاں نام بہار کے سینئر قاضی مولانا محمد قاسم صاحب مظفر پوری کا ہے، جو اپنی فقہی بصیرت، معاملہ فہمی، نصوص پر گہری نظر اور مسائل میں نصوص سے اعتناء کی بنا پر نہ صرف مرکزی دار القضاء

کے سینئر قاضی ہیں؛ بلکہ بہت سے مفتیان وقضاۃ کے لئے مرجع بھی ہیں، آپ کے علاوہ قاضی جسیم الدین صاحب اور قاضی عبدالجلیل قاسمی بھی اس وقت دارالقضاء امارت شرعیہ میں بڑی خوبی کے ساتھ قضاء کی خدمت انجام دے رہے ہیں۔

غرض امارت شرعیہ کو شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی کے خصوصی تربیت یافتہ مفکر اسلام مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد علیہ الرحمہ نے قائم فرمایا، مولانا محمد منت اللہ رحمانی نے اس اس کو ترقی کی راہ پر لگایا اور قاضی مجاہد الاسلام قاسمی نے اس کو شہرت وترقی کے بام عروج پر پہنچایا اور آج بھی مولانا انیس الرحمٰن قاسمی، مولانا محمد قاسم مظفر پوری اور قاضی عبدالجلیل قاسمی جیسی جلیل القدر شخصیات اس ادارہ کو حاصل ہیں۔

دارالقضاء میں فیصل کئے گئے مقدمات

دارالقضاء امارت شرعیہ سے مسلمانوں کا اس قدر رُجوع ہے کہ نومبر ۲۰۰۶ء تک مرکزی دارالقضاء سے فیصل کئے گئے مقدمات کی تعداد چالیس ہزار سے متجاوز تھی، یہاں کے دارالقضاء پر لوگوں کو اتنا اعتماد اور بھروسہ ہے کہ بعض مقدمات حکومتی عدالتوں سے بھی یہاں ریفر کئے جاتے ہیں اور عدالتوں سے متعلق جج اور وکلاء بھی اپنے بعض نجی معاملات میں امارت شرعیہ کے دارالقضاء سے رُجوع ہوتے ہیں۔

ملک بھر میں نظامِ قضاء کا قیام

فقہ سے مربوط ایک اہم شعبہ دارالقضاء کا ہے، جس میں مقدمات کے فیصلے کئے جاتے ہیں فقہاء نے غیر مسلم اکثریت ممالک میں بھی نظام دارالقضاء کے قیام کو مسلمانوں کا شرعی فریضہ قرار دیا ہے، ہندوستان میں برطانوی سامراج کے بعد ہی سے علماء نے اس نظام کے قائم کرنے کا اہتمام کیا ہے، سید احمد شہیدؒ کی تحریک میں مولانا عبدالحی بڈھانوی کو قاضی شریعت مقرر کیا گیا، حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کی زیر امارت میں دارالقضاء قائم ہوا اور مولانا رشید احمد گنگوہی قاضی مقرر ہوئے، پھر اس زمانہ کے پانچ سو علماء نے متفقہ فتویٰ جاری کیا کہ نظام قضاء

قائم کرنا مسلمانانِ ہند کا شرعی فریضہ ہے، اس فتوے کی ترتیب واشاعت اصل میں دیوبند نے کی تھی اور دارالعلوم دیوبند کے محافظ خانہ میں ابھی بھی یہ فتویٰ موجود ہے، جس کا ذکر قاری محمد طیب صاحب نے اپنے ایک رسالہ میں کیا ہے، اسی تصور کو مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد (بانی امارت شرعیہ بہار واڑیقہ) نے ایک تحریک کی شکل دی، جس کی ابتداء بہار واڑیسہ سے ہوئی اور مسلم پرسنل بورڈ کے قیام کے بعد یہ ایک ہندوستان گیر تحریک بن گئی۔

چنانچہ بورڈ کی کوششوں سے جو دارالقضاء قائم ہوئے، زیادہ تر بزرگانِ دیوبند سے یہ خدمت متعلق رہی، دارالقضاء مالیگاؤں کو قاضی مولانا عبدالاحد ازہری کو جو دیوبند کے فضلاء میں ہیں، دارالقضاء امارت ملتِ اسلامیہ آندھراپردیش کا قاضی مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، دارالقضاء برہان پور کا قاضی مولانا محمد رحمت اللہ، دارالقضاء اندور کا قاضی مولانا ذکاءاللہ شبلی، مرکزی دارالقضاء لکھنؤ کا چیف قاضی مولانا محمد برہان الدین سنبھلی ابنائے دیوبند ہی میں ہیں اور ملک کے اکثر شہروں میں اس فریضہ کو اسی حلقہ کے علماء انجام دے رہے ہیں، اسی طرح امارت شرعیہ آسام کے تحت بڑی تعداد میں دارالقضاء قائم ہوا اور عام طور پر وہاں قضاء کی خدمت ابنائے دیوبند سے متعلق ہیں۔

☆ ☆ ☆

ادارۃ المباحث الفقہیہ

قیام کا پس منظر

یہ حقیقت ہے کہ اُمت کی کشتی کے پتوار اور حالات کے سمندر میں ان کو ساحل مراد تک پہنچانے کے ذمہ دار اُمت کے علماء ہی ہیں، جنھوں نے ہر دور میں اُمت کی قیادت کا عظیم الشان فریضہ انجام دیا اور درپیش مسائل کو حل فرمایا، خواہ وہ مسائل دینی ہوں یا سیاسی ہوں، یا سماجی اور معاشی ہوں اور یہ بھی حقیقت ہے کہ کسی ملک کا حاکم اگر مسلم ہو تو مسلمان مسائل ومشکلات سے نسبتاً کم دوچار ہوتے ہیں؛ لیکن جب حکومت مسلمانوں کے پاس نہ ہو اور اتفاق سے حکمراں ظالم بھی ہو تو مسلمانوں کو مختلف مسائل سے دوچار ہونا پڑتا ہے اور ان کے سامنے طرح طرح کے دینی، سیاسی، سماجی اور معاشرتی اُلجھنوں کا طوفان کھڑا ہونے لگتا ہے، جہاں اُمت ہوش وحواس کھونے لگتی ہے اور احساسِ کمتری کا شکار ہو کر خود فراموش اور خدا فراموش بننے لگتی ہے — کچھ اسی قسم کے حالات ہندوستان پر انگریزوں کے غلبہ کے بعد مسلمانوں کے ساتھ پیش آئے؛ چنانچہ مختلف قائدین نے ان حالات کے مقابلہ کے لئے مختلف تحریکیں چلائیں، اس وقت اصل قیادت کے اہل علماء کرام نے بھی مختلف تحریکوں کی بنیاد ڈالی اور مختلف تحریکوں سے وابستہ ہوئے؛ چنانچہ اسی موقع سے ۱۹۱۹ء میں ''جمعیۃ علماء ہند'' کا قیام عمل میں آیا۔

جمعیۃ علماء ہند نے سیاسی میدان میں بھی خدمت انجام دی اور انگریزی استعمار کو للکارا، سماجی اور معاشرتی میدان میں بھی کام کیا اور مختلف اصلاحی کوششیں بھی کیں اور ملت میں دینی بیداری پیدا کی۔

جمعیۃ نے آزادی کے بعد بھی مسلمانوں کے مسائل کے حل میں قابل قدر کوششیں کیں

اور مسلمانوں کے مسائل کی یکسوئی کے لئے عدالتوں کا دروازہ کھٹکھٹایا اور حکومت کے ایوانوں میں دستک دی؛ لیکن بسا اوقات بدلتے ہوئے حالات میں عدالتوں سے ایسے قوانین بھی پاس ہونے لگے، جن کا شریعت میں بظاہر کوئی واضح حکم موجود نہیں تھا؛ اس لئے حکومت کے سامنے مسلمانوں کی ترجمانی کرتے ہوئے واضح موقف پیش کرنا دشوار نظر آرہا تھا؛ چنانچہ اسی پس منظر میں جمعیۃ نے ایک ادارہ کی ضرورت محسوس کی، جس میں علماء اور ارباب افتاء کے باہمی مشورہ اور اتفاق رائے سے موجودہ معاملات میں شریعت کا واضح موقف متعین کیا جائے اور حکومت کے سامنے اسے پیش کیا جائے، اسی مقصد کے تحت ''ادارۃ المباحث الفقہیہ'' کا قیام عمل میں آیا۔

سن قیام اور بانی

ادارۃ المباحث الفقہیہ کا باضابطہ قیام ۱۹۷۰ء میں مشہور مصنف وفقیہ مفتی محمد میاں صاحبؒ کی تحریک پر عمل میں آیا اور تاحیات آپ ہی اس ادارہ کے مدیر و نگراں رہے اور اپنے زمانہ میں رؤیت ہلال، حق تصنیف کی بیع، کوآپریٹو سوسائٹیوں کے مسائل وغیرہ موضوعات پر غور وخوض کے لئے علماء ومفتیان کو جمع فرمایا، تاہم آپ کے وصال کے بعد یہ سلسلہ تھم سا گیا تھا، پھر مولانا اسعد مدنی علیہ الرحمہ کی مسلسل تحریک پر ۱۹۹۰ء میں مجلس عاملہ نے اس ادارہ کی نشاۃ ثانیہ کے سلسلہ میں تجویز طے کی اور ادارہ کو پھر سے متحرک بنایا؛ چنانچہ ادارہ کے تحت نئے مسائل کے سلسلہ میں اجتماعی غور وفکر کا سلسلہ دوبارہ شروع ہوا اور کئی فقہی اجتماعات منعقد ہوئے۔

ادارہ کے فقہی اجتماعات

ادارہ کا پہلا فقہی اجتماع ۲۲-۲۴؍رجب ۱۴۱۱ھ م ۸-۱۰؍فروری ۱۹۹۱ء کو شیخ الہند ہال دیوبند میں منعقد ہوا، جس میں ''غیر سودی رفاہی ادارے اور سوسائٹیاں'' کے عنوان سے علماء وارباب افتاء کو جمع کیا گیا اور مندرجہ ذیل اُمور پر بحث کی گئی :

۱- اس طرح کے اداروں کا قیام جن سے قرض بلا سود دیا جائے مفید اور ضروری ہے۔

۲- ان اداروں کے مصارف کے حصول کے چار طریقے ہوسکتے ہیں :

(الف) فارم کی بیع کے ذریعہ مصارف کا حصول۔

(ب) وثیقہ شیٔ مرہون کی قیمت بذمہ راہن۔

(ج) اشیاء مرہونہ کی حفاظت کا کرایہ بذمہ راہن۔

(د) اجرۃ الخدمت (سروس چارج)

ان اُمور پر غور و فکر کے بعد اتفاق رائے سے مندرجہ ذیل اُمور طے پائے:

(۱) اجراء کھاتہ کے لئے پاس بک مناسب قیمت پر فروخت کرنا جائز ہے۔

(۲) پہلا قرض ختم کیے بغیر توسیع مدت کے لئے معاہدہ نامہ فروخت کرنا جائز ہے۔

(۳) ودیعت کی حفاظت کا کرایہ لینا جائز ہے۔

(۴) میعادی چک کم یا زیادہ قیمت پر فروخت کرنا جائز نہیں۔

(۵) جائز طریقہ پر حاصل شدہ آمدنی ادارہ حسب صواب دید خرچ کرنے کا مجاز ہے۔

(۶) فکس ڈپازٹ میں رقم جمع کرنا حرام ہے، نیز حصول سود کے لئے کسی بھی اکاؤنٹ میں رقم جمع کرنا جائز نہیں۔(۱)

نظامِ قضاء کا قیام

ادارہ کی اہم خدمات میں ادارہ کے تحت نظامِ قضاء کا قیام ہے؛ کیوں کہ ہندوستان جیسے جمہوری اور سیکولر ملک میں یہ توقع رکھنا کہ حکومتی عدالت سے ہر فیصلہ شریعت اسلامی کے موافق ہی ہوگا یہ ایک فضول توقع ہے؛ بلکہ اس کے لئے ضروری تھا کہ حکومتی عدالت سے ٹکراؤ اور مسلمانوں پر کسی طرح کے جبر کے بغیر ایسے نظام کی بنیاد ڈالی جائے، جہاں سے آپسی رضامندی سے مسلمانوں کے باہمی معاملات میں صحیح شرعی فیصلہ ہو سکے؛ چنانچہ علماء ہند نے کل ہند پیمانہ پر اس کام کو شروع کرنے کی تجویز بھی رکھی تھی؛ لیکن یہ خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکا تو مولانا ابو المحاسن محمد سجاد علیہ الرحمہ (ناظم جمعیۃ علماء ہند) نے صوبائی پیمانہ پر بہار میں اس کام کو

---

(۱) سہ ماہی "فکر اسلامی" بستی کی خصوصی اشاعت معاصر فقہ اسلامی نمبر: ۳۷۹ (جولائی ۱۹۹۹ء)

شروع کیا اور امارت شرعیہ اور اس کے تحت دار القضاء قائم کیا اور اس کے تحت بہار، اڑیسہ، جھارکھنڈ کے مسلمانوں کو ایک نظام کے تحت مربوط کرنا آسان ہوا؛ لیکن ان صوبوں کے علاوہ ہندوستان کے دوسرے علاقوں میں یہ کام باضابطگی سے نہیں چل رہا تھا اور مسلمانوں کے عائلی معاملات میں فیصلہ کے لئے دار الافتاء سے آگے کی کوئی چیز نہیں تھی، جس کے نتیجہ میں مسلمان حکومتی عدالت کا دروازہ کھٹکھٹاتے اور اپنی جیب سے بھاری رقم خرچ کر کے اور لمبی مدت انتظار کرنے کے بعد بعض مرتبہ خلاف شریعت فیصلے حاصل کیا کرتے تھے، ایسے وقت میں ان علاقوں میں جمعیۃ کی طرف سے نظامِ قضاء قائم کرنے کی کوشش دراصل اکابر علماء ہند کے حسین خواب کو تعبیر دینے کے مترادف تھی؛ اس لئے طویل مدت اور انتہائی غور وفکر کے بعد تاخیر سے سہی مگر ادارہ کے اس اقدام کو بہت سراہا گیا۔

دوسرا فقہی اجتماع

چنانچہ ادارہ کے دوسرے فقہی اجتماع (منعقدہ: ۲۸-۲۹ر نومبر ۱۹۹۱ء، شیخ الہند ہال، دیوبند) کا عنوان ''اسلامی نظامِ قضاء اور ہندوستان'' رکھا گیا، جس میں درج ذیل تجاویز طے ہوئیں:

(الف) تجویز: بہ سلسلہ نظام قضاء اور ہندوستان:

> ادارۃ المباحث الفقہیہ (جمعیۃ علماء ہند) کے زیر اہتمام فقہی اجتماع منعقدہ ۲۸-۲۹ر نومبر ۱۹۹۱ء یہ فیصلہ کرتا ہے کہ مسلمانوں کے لئے نظامِ قضاء کا وجود بے حد اہم ہے اور احکام خداوندی کے مطابق نزاعی معاملات میں فیصلے کے لئے ہر جگہ اس کا قیام مسلمانوں کے لئے فریضۂ محکمہ ہے، جس سے صرفِ نظر نہیں کیا جاسکتا اور فقہاء کی تصریحات کے مطابق ہندوستان اور اس جیسے ممالک میں اس کی بہتر صورت یہ ہے کہ حکومت سے مطالبہ کیا جائے کہ وہ مسلمانوں کے دین دار ارباب حل وعقد کی رضا سے

نظامِ قضاء کا اجراء کرے اور جب تک اس میں کامیابی نہ ہو تو فقہی اجتماع اس سے اتفاق کرتا ہے کہ مسلمانوں کے اربابِ حل وعقد کی طرف سے قائم کردہ امارت کے ذریعہ امیر اپنی حیثیت کے مطابق قضاۃ کا تقرر کرے، جو تین قسم کے معاملات کے تصفیہ کے شرعاً مجاز ہوں گے؛ کیوں کہ قاضی کے دائرۂ عمل کی تحدید فقہاء کی تصریحات کے مطابق درست ہے، وہ تین قسم کے معاملات یہ ہیں :

۱- وہ معاملات جن کے لئے قوت تنفیذ کی ضرورت نہیں، جیسے نکاح پڑھانا، رویت ہلال کا اعلان اور جمعہ وعیدین کا قیام وغیرہ۔

۲- وہ نزاعی معاملات جو پرسنل لا کے تحت تو نہیں آتے؛ البتہ ان میں حَکَم بنانا درست ہے، ایسے معاملات میں قاضی فریقین سے اسٹامپ پر فیصلہ کے تسلیم کرنے پر دستخط لے کر شرعی فیصلہ صادر کرے۔

۳- وہ معاملات جو پرسنل لا کے ذیل میں آتے ہیں، جیسے فسخ وتفریق وغیرہ؛ البتہ قاضی فسخ وتفریق کے مقدمات میں کم از کم دو علماء یا دو معاملہ فہم اور متدین مسلمانوں کو شریک کرے۔

(ب) تجویز: بہ سلسلہ قاضی بل :

غیر مسلم حکومت کی جانب سے مسلم قضاۃ کا تقرر تراضی مسلمین کی صورت میں از روئے فقہ بالاتفاق درست ہے اور ہندوستان جیسے غیر اسلامی ممالک میں اسلامی نظام قضاء کے اجراء کے

لئے حکومت سے تعاون لینا وقت کی اولین ضرورت ہے؛ اس لئے ارباب افتاء، اصحاب فکر ونظر علماء کا یہ فقہی اجتماع مسلمانانِ ہند سے اپیل کرتا ہے کہ وہ پرزور طریقہ پر حکومت سے مسلم قضاۃ کے تقرر کا مطالبہ کریں؛ تاکہ ہندوستان میں باقاعدہ اسلامی نظام جاری ہوسکے اور نہ صرف مسلم پرسنل لا؛ بلکہ دیگر نزاعات میں بھی اسلامی طریقہ پر فیصلے ہوسکیں۔(۱)

تیسرا فقہی اجتماع

اسی طرح ادارہ کا تیسرا فقہی اجتماع: ۷-۹ر جولائی ۱۹۹۳ء کو امپالا ہوٹل مدراس میں ''شیئرز وایکسپورٹ'' کے عنوان سے منعقد ہوا، جس میں ایکسپورٹ وامپورٹ کے سلسلہ میں تجاویز طے ہوئیں اور شیئرز کے سلسلہ میں مسئلہ کی تنقیح نہیں ہوسکی؛ اس لئے پانچ نفری کمیٹی مقرر کی گئی، جن میں دو ماہرین معاشیات اور تین علماء کرام کو شامل رکھا گیا، اس اجتماع میں ''طلاق ثلاثہ'' کے سلسلہ میں بھی تجاویز طے ہوئیں۔

چوتھا فقہی اجتماع

ادارہ کا چوتھا اجتماع: ۱۷-۱۸ر جمادی الاولی ۱۴۱۵ھ م ۲۴-۲۵ر اکتوبر ۱۹۹۴ء کو ''دوسرے مسلک پر فتویٰ اور عمل کے حدود وشرائط'' کے عنوان سے منعقد ہوا، جس میں اکابر کے مقرر کردہ اُصول کے مطابق بدرجۂ مجبوری خاص حالات میں عدول کو درست قرار دیا گیا اور جہاں اتباع ہویٰ اور خودرائی کا شبہ ہو، وہاں اس کی حوصلہ شکنی کی گئی۔

☆ ☆ ☆

(۱) فکر اسلامی، اپریل ۲۰۰۰ء، ۳۸

اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا

قیام کا پس منظر

اسلام ایک زندہ مذہب ہے اور اسلامی قوانین پوری انسانیت اور تمام زمانوں کے لئے ہے، زمانہ اپنے اندر تغیر کی کیفیت رکھتا ہے، ہمیشہ حالات ادلتے بدلتے رہتے ہیں اور ان تبدیلیوں کا اثر نہ صرف انسان کے خورد ونوش اور رہن سہن پر پڑتا ہے؛ بلکہ یہ پوری انسانی زندگی کو محیط ہوتا ہے، اس کا اثر انسان کی سوچ وفکر، انسان کے اخلاق و عادات، انسان کی معیشت وتجارت، حتیٰ کہ بعض عبادات کے طریقہ ادائیگی پر بھی پڑتا ہے، ایسے وقت میں زمانہ اور حالات کو سمجھتے ہوئے اسلامی قوانین کو ان پر منطبق کرنا اور حالات کے اس کشمش میں انسانی زندگی کو منضبط کرنا اور مسلمانوں کی صحیح اسلامی خطوط پر رہنمائی کرنا علماء اسلام کی اہم اور بنیادی ذمہ داریوں میں شامل ہے۔

بدلتے ہوئے حالات کے ساتھ قوانین اسلامی کی تطبیق کا کام ایسی جامع شخصیت ہی کر سکتی ہے جس کی کتاب وسنت، فقہاء کے اجتماعی اقوال، قیاس کے اُصول ومبادی، شریعت کے عمومی مصالح، احکامِ شرعیہ کے اغراض ومقاصد اور استنباط مسائل کے طریقوں پر گہری نظر ہو، نیز وہ زمانہ کی رمز شناس بھی ہو اور ورع وتقویٰ بھی اپنے اندر رکھتی ہو۔

ماضی میں ایسی بہت سی شخصیات پیدا ہوئیں، جنھوں نے اُصولِ شریعت کی روشنی میں اپنے عہد کے مسائل ومشکلات کا حل پیش کیا اور مسلم معاشرہ میں ان کی آراء کو قبول عام حاصل ہوا، موجودہ زمانہ میں ایک طرف تو صنعتی اور معاشرتی انقلاب نے طرح طرح کے مسائل پیدا

کردیئے اور مسلم معاشرہ کے لئے زندگی کے بیشتر میدانوں میں مشکلات کھڑی کردی ہیں، دوسری طرف ایسی جامع شخصیت کا فقدان ہے، جن کو مطلوبہ تمام علوم پر بھی دسترس ہو اور ان کے ورع وتقویٰ پر بھی لوگوں کو ایسا اعتماد ہو کہ ان کا تنہا فتویٰ پورے معاشرہ کے لئے قابل قبول ہو جائے، ایسے وقت میں اُمت کے لئے تین راستے تھے: یا تو وہ خدانخواستہ اسلامی تعلیمات سے بے نیاز ہو کر صنعتی اور اقتصادی انقلاب کو ہو بہو قبول کرلیں، یا مسلمان اپنے اپنے علاقہ کے معتبر سمجھے جانے والے علماء سے الگ الگ رہنمائی حاصل کریں اور الگ الگ لوگوں پر اعتماد کر کے الگ الگ راستوں پر چلیں اور تیسرا طریقہ یہ تھا کہ مسلمانوں کی دینی رہنمائی کے لئے اجتماعی غور وفکر کیا جائے اور اُصولِ شریعت کی روشنی میں علماء کسی ایک فیصلہ پر متفق ہوں، جس پر پورے مسلم معاشرہ کا یکساں عمل ہو۔

ظاہر ہے کہ پہلا طریقہ تو کسی بھی طرح اور کسی بھی زمانہ میں اسلام کی نظر میں قابل قبول نہیں ہوسکتا، دوسرا طریقہ اختیار کرنے میں مسلمانوں کا شیرازہ بکھر سا جاتا ہے اور علمی انحطاط اور ورع وتقویٰ کی کمی کے زمانہ میں بعید نہیں کہ بعض مسلمانوں کو غلط رہنمائی بھی مل جائے؛ اس لئے تیسرا طریقہ ہی سب سے محفوظ طریقہ تھا، چنانچہ اسی پس منظر میں علماء نے اس بات پر توجہ دی کہ ہندوستان میں ایسی اجتماعی فکر کی بنیاد ڈالی جائے اور علماء واصحابِ دانش باہمی تبادلۂ خیال کے ذریعہ ان مسائل ومشکلات کا ایسا حل نکالیں جو اُصولِ شرع سے ہم آہنگ اور فکری شذوذ سے پاک ہو؛ تاکہ مسلمانوں کو صحیح اسلامی رہنمائی مل سکے اور مسلمان اپنے دینی معاملات میں منظم رہیں، اسی مقصد کے لئے ''اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا'' کی تشکیل عمل میں آئی۔

سن قیام اور بانی

اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کی بنیاد ہندوبیرون ہند کے ممتاز فقیہ مولانا قاضی مولانا مجاہد الاسلام قاسمیؒ نے ۱۹۸۹ء میں رکھی، جس کا صدر دفتر اوکھلا نئی دہلی میں ہے۔

اسلامک فقہ اکیڈمی کی تشکیل کا بظاہر سبب یہ بنا کہ مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ ایک مرتبہ علماء کی دعوت پر افریقہ تشریف لے گئے، فقہ اسلامی کی عظیم شخصیت ہونے کی حیثیت سے

لوگوں نے آپ کے سامنے بہت سے فقہی مسائل رکھے اور آپ کے وہاں بہت سی ایسی چیزیں سامنے آئیں جو صنعتی اور معاشی انقلاب کی دین تھیں؛ چنانچہ آپ نے بہت سے سوالات کے فوری جوابات دے دیئے اور کچھ غور طلب سوالات لکھ کر لے آئے اور انھیں اجتماعی طور پر حل کرنے کی فکر پیدا ہوئی اور ۱۹۷۳ء میں جب حیدرآباد میں مسلم پرسنل لاء بورڈ کے اجلاس کے موقع سے علماء کا اجتماع ہوا تو قاضی صاحب نے یہیں پر فقہی مسائل میں اجتماعی غور و فکر کے لئے ایک مجلس کے خاکہ پر مشورہ کیا اور ''مرکز البحث العلمی'' کا قیام عمل میں آیا، اس مرکز کے تحت خالص فقہی رسالہ ''سہ ماہی بحث ونظر'' جاری کیا گیا، جس کے ذریعہ علماء محققین اور مفتیان کرام میں نئے مسائل پر غور و فکر کے حوالہ سے بیداری پیدا ہوئی، قاضی صاحب نے نئے مسائل سے متعلق سوال ترتیب دے کر ملک کے مختلف علماء کے پاس تحقیق کے لئے بھیج دیا، پھر ایک فقہی سیمینار کی تجویز سامنے آئی اور انسٹی ٹیوٹ آف آبجکٹیو کے تعاون سے ۱-۳ راپریل ۱۹۸۹ء کو دہلی ہمدرد یونیورسٹی کے ہال میں یہ سیمینار منعقد ہوا، اس سیمینار میں اُمت کے مسائل سے متعلق علماء کی فکر و دلچسپی اور باہمی احترام واعتماد کے ساتھ اظہار رائے کو دیکھ کر ''مرکز البحث العلمی'' کے اراکین تاسیس نے مرکز کو مزید وسعت دیتے ہوئے ''مجمع الفقہ الاسلامی الہند'' (اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا) کی تشکیل کا فیصلہ کیا، اس طرح ۱۹۸۹ء کو اس کی بنیاد پڑی۔

بانی اکیڈمی رحمہ اللہ کی وفات کے بعد اکیڈمی کی ہیئت انتظامی میں توسیع کی گئی، تشکیل جدید عمل میں آئی، نیا دستور مرتب ہوا، باتفاق رائے مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی (صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ)، مولانا محمد سالم قاسمی (مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند) اور مولانا سید نظام الدین (امیر شریعت بہار واڑیسہ وجھارکھنڈ) کو سرپرست اور مولانا مفتی ظفیرالدین مفتاحی (سینئر مفتی دارالعلوم دیوبند) کو صدر اور مولانا خالد سیف اللہ رحمانی کو جنرل سکریٹری منتخب کیا گیا، ان کے علاوہ چار نائب صدر منتخب ہوئے، مولانا محمد برہان الدین سنبھلی، مولانا محمد رضوان القاسمی، مفتی اشرف علی باقوی اور مولانا بدرالحسن قاسمی، مولانا محمد رضوان القاسمی کی وفات کے بعد ان کی جگہ مولانا عبدالاحد ازہری کا بہ حیثیت نائب صدر اضافہ کیا گیا، پھر مزید ایک نائب

صدر کی حیثیت سے مولانا محمد نعمت اللہ اعظمی منتخب ہوئے، اس طرح اس وقت اکیڈمی کے پانچ نائب صدر ہیں، اسی طرح تین سکریٹری منتخب ہوئے، مولانا عتیق احمد بستوی (سکریٹری برائے علمی اُمور)، مولانا عبید اللہ اسعدی (سکریٹری برائے سیمینار) اور مولانا امین عثمانی ندوی (سکریٹری برائے انتظامی اُمور) عہدہ داروں کے علاوہ ڈاکٹر منظور عالم (چیئرمین انسٹی ٹیوٹ آف آبجکٹیو اسٹیڈیز) مولانا زبیر احمد قاسمی (ناظم جامعہ اشرف العلوم کنہواں سمستی بہار) مولانا انیس الرحمٰن قاسمی (ناظم امارت شرعیہ بہار واُڑیسہ وجھارکھنڈ) مولانا محمد قاسم مظفر پوری (سینئر قاضی بہار) مفتی احمد خان پوری (مفتی جامعہ تعلیم الدین ڈابھیل) اور مفتی احمد دیولوی (مہتمم جامعہ علوم القرآن جمبوسر) اکیڈمی کے اراکین میں ہیں، اکیڈمی کے ایک معزز رکن مولانا محمد مصطفیٰ مفتاحی کی وفات ہو چکی ہے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ اس وقت ملک میں جو دینی و ملی تنظیم و ادارے کام کر رہے ہیں، ان میں اکیڈمی کو اس اعتبار سے امتیازی حیثیت حاصل ہے کہ اس کے تمام اُمور اجتماعی و شورائی طور پر انجام دیئے جاتے ہیں اور اس کی مجلس انتظامی ملک کے ممتاز اور صاحب نظر علماء و فقہاء پر مشتمل ہے اور ان میں سے ہر ایک فقہ و افتاء کے میدان میں نمایاں شمار کئے جاتے ہیں۔

اکیڈمی کے بنیادی مقاصد

اسلامک فقہ اکیڈمی کی بنیاد جن بلند اور اعلیٰ مقاصد کے تحت رکھی گئی ہے، وہ حسب ذیل ہیں:

۱- قرآن وسنت، صحابۂ کرام اور علماء سلف کے طریقے اور مقاصد شریعت کے اُصول وضوابط کے مطابق شرعی نقطۂ نظر سے موجودہ عہد کی اقتصادی، معاشرتی، سیاسی اور صنعتی مشکلات کا حل تلاش کرنا۔

۲- فقہ اسلامی کے مصادر، اس کے قواعد وکلیات اور فقہی نظریات وتعبیرات کی تشریح وتاویل اور موجودہ دور کے مطابق اسے منطبق کرنا۔

۳- فقہ اسلامی کو جدید اُسلوب میں پیش کرنا۔

۴- عصری تقاضوں اور ضروریات و حاجات کی روشنی میں فقہی موضوعات کی تحقیق و دراسہ کا کام انجام دینا۔

۵- معاصر محققین و علماء اور دینی اداروں کی آراء و فتاویٰ کا حصول اور عام مسلمانوں کے استفادہ کے لئے ان کی اشاعت۔

۶- ملک و بیرون ملک کے فقہی اداروں سے رابطہ رکھنا، ان سے علمی معلومات و خیالات کا تبادلہ کرنا اور ان کے فتاویٰ و قضایا کو علماء ہند تک پہنچانا۔

۷- علماء ہند کے بعض فتاویٰ و آراء کو جمع کرنا اور انھیں دیگر زبانوں میں منتقل کرنا؛ تا کہ ان کا نقطۂ نظر دوسرے اہل علم تک پہنچ سکے۔

۸- اسلام کے قوانین و احکام کے بارے میں جو غلط فہمیاں پیدا کی جا رہی ہیں ان کا ازالہ کرنا اور اس سلسلہ میں صحیح نقطۂ نظر پیش کرنا۔

۹- علماء اور خاص کر ممتاز نوجوان فضلاء کی حوصلہ افزائی کرنا؛ تا کہ ان کے اندر بھی تحقیق و جستجو کا جذبہ پروان چڑھے اور تجربہ کار علماء کے ساتھ ان کا اجتماع رکھنا؛ تا کہ وہ ان کے علم و تجربہ سے فائدہ اُٹھائیں۔

۱۰- فقہی مخطوطات جو اب تک زیورِ طبع سے آراستہ نہیں ہوئے ہیں، ان پر تحقیق و تعلیق کا کام کروانا اور انھیں شائع کرنا وغیرہ۔

اکیڈمی کے کام کا نہج اور دیگر فقہی اداروں سے اس کا امتیاز

عام طور سے فقہی اداروں میں جب نئے مسائل میں شرعی رہنمائی کے لئے مسلمانوں کا ''رُجوع'' ہوتا ہے، تب یہ ادارے اپنے ملک کے ''اساتذۂ فقہ'' کو بلا کر ان سے رائے لیتے ہیں اور آپسی بحث و مباحثہ کے بعد کسی ایک نکتہ پر جمع ہونے کی کوشش کرتے ہیں؛ لیکن اسلامک فقہ اکیڈمی کا نہج ان اداروں سے کچھ مختلف ہے اور یہی اس کا امتیاز ہے؛ چنانچہ موجودہ حالات میں جو بھی فقہی اور شرعی مسائل پیدا ہوتے ہیں، اکیڈمی کسی کے ''رُجوع'' ہونے کا انتظار کئے بغیر فوراً

ان کے حل کی طرف متوجہ ہوتی ہے اور اس کے لئے اکیڈمی حسبِ ذیل طریقے اپناتی ہے :

۱- سب سے پہلے اکیڈمی صورتِ مسئلہ کو اچھی طرح سمجھنے کے لئے اس میدان کے ماہرین کو مدعو کرتی ہے، جو علماء کی جماعت کے سامنے مسئلہ کی صورت کو واضح کرتے ہیں؛ تاکہ اس سلسلہ میں شرعی احکام کی رہنمائی میں علماء کو آسانی ہو اور کسی غلط فہمی پر مسئلہ کی بنیاد نہ پڑے۔

۲- اکیڈمی علماء اور طلبہ کے لئے تربیتی پروگرام رکھتی ہے اور صورتِ مسئلہ کے مختلف پہلوؤں پر شرعی نقطہ نظر سے غور وفکر کی دعوت دیتی ہے اور اس کے لئے رجال کار تیار کرتی ہے۔

۳- نئے مسائل کے مختلف پہلوؤں کو سامنے رکھتے ہوئے اکیڈمی ان مسائل کے متعلق سوالات ترتیب دیتی ہے اور مختلف مسلکوں اور اداروں سے تعلق رکھنے والے علماء اورارباب افتاء کے پاس انھیں بھیجتی ہے؛ تاکہ اُصولِ شریعت اور فقہی جزئیات کی روشنی میں علماء ان مسائل کی تحقیق وجستجو کریں۔

۴- نئے مسائل پر تحقیق وجستجو کرنے والے اور اکیڈمی کے مرتب کردہ سوالات کا جواب لکھنے والے علماء کو اکیڈمی ایک جگہ جمع کرتی ہے، جن میں ہر مسلک کی نمائندگی ہوتی ہے؛ تاکہ اکیڈمی سے منظور شدہ تجاویز تمام مسلک کے مسلمانوں کے لئے قابل اعتماد اور قابل عمل ہوسکے اور ہر عمر کے علماء کو شامل کیا جاتا ہے؛ تاکہ سینئر اور جونیئر کے درمیان خلا نہ رہے؛ بلکہ سینئر علماء سے براہ راست استفادہ کرکے اور ان کے تجربات سے فائدہ اُٹھا کر ہر دور میں نئے مسائل کے حل کے لئے تربیت یافتہ افراد مہیا ہوسکیں، اس اجتماع میں علماء کے درمیان بحث ومباحثہ کے بعد کسی ایک نکتہ پر پہنچنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

۵- ان مسائل کے سلسلہ میں لکھے گئے علماء کے تحقیقی مقالات اور اس اجتماع (سیمینار) میں منظور شدہ تجاویز کو اکیڈمی مختلف اخبارات ورسائل میں بھیجتی اور کتابی شکل میں چھاپتی ہے؛ تاکہ مسلمانوں کو ان مسائل میں صحیح راہ عمل مل سکے اور مسلمان اپنے تمام معاملات میں شریعت کے احکام پر چل کر منظم زندگی گزار سکیں۔(۱)

---

(۱) دیکھئے: اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا — تعارف، کارکردگی اور طریقہ کار: ۸

اکیڈمی کی عالمی شہرت اور لوگوں کا اعتماد

نئے مسائل کے حل میں اکیڈمی کی محفوظ اور کامیاب کوشش کی وجہ سے نہ صرف ہندوستان میں اسے سراہا گیا؛ بلکہ عالم اسلام میں بھی اس کو بڑی مقبولیت وشہرت حاصل ہوئی اور اس کی تجاویز پر اعتماد کیا گیا؛ چنانچہ مدینہ یونیورسٹی میں کلیۃ الشریعۃ کے باحث استاذ ڈاکٹر محمد بن حسین الجیزانی نے اپنی کتاب ''فقہ النوازل'' میں اکیڈمی کے تجاویز وفیصلے کا اہمیت کے ساتھ ذکر کیا ہے، ڈاکٹر خالد حسین الخالد نے اپنی کتاب ''الاجتہاد الجماعی فی الفقہ الاسلامی'' میں اکیڈمی کی تجاویز کا تذکرہ کیا ہے، اسی طرح ڈاکٹر احمد السہیمی نے بھی اکیڈمی کے فیصلوں کو اپنے مقالہ میں جگہ دی ہے۔

اکیڈمی کی اس شہرت ومقبولیت اور اس کے طریقۂ کار اور کوششوں کو دیکھتے ہوئے علماء اسلام نے اسے بڑی تحسین کی نگاہوں سے دیکھا ہے، چنانچہ مولانا محمد تقی عثمانی (پاکستان) اکیڈمی کے ایک سیمینار میں شرکت کے بعد اپنے تأثراتی کلمات میں فرماتے ہیں:

> آج اس محفل میں شرکت کرنے کے بعد ہندوستان کے علماء اور علم وفضل کے پیکر حضرات سے ملاقات کرکے اس بات کا اندازہ ہو رہا ہے کہ انھوں نے ''اکیڈمی'' کو قائم کرکے کتنا بڑا کارنامہ انجام دیا ہے، اکیڈمی کے اغراض ومقاصد کو مدنظر رکھتے ہوئے مجھے یہ محسوس ہو رہا ہے کہ اس اکیڈمی کا قیام جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ارشاد کی تعمیل ہے۔

مولانا محمد رفیع عثمانی (پاکستان) فرماتے ہیں:

> مجھے بے انتہا ''مسرت'' بھی ہے اور کسی قدر ''حسرت'' بھی، مسرت اس بات کی کہ ہندوستان کے علماء نے وہ عظیم الشان کام شروع کیا ہے، جس کی پورے علماء کو اور اقلیت والے ملکوں کو شدید ضرورت ہے اور حسرت یہ ہے کہ ہم پاکستان میں

ہونے کے باوجود منظم اور بڑے پیمانہ پر یہ کام شروع نہیں
کر سکے، فقہ اکیڈمی نے بڑا اہم قدم اٹھایا ہے، مدت سے اس کا
انتظار تھا۔

ڈاکٹر وہبہ مصطفیٰ زحیلی (دمشق) فرماتے ہیں:

مجمع الفقہ الاسلامی الہند کا قیام برصغیر ہند وغیرہ میں ایک ممتاز
اسلامی تہذیبی علامت کی حیثیت رکھتا ہے، اسلامی، علمی
اور اتحادی خدمت کی انجام دہی میں اکیڈمی ہمہ تن مصروف ہے۔

ڈاکٹر خالد مذکور (کویت) فرماتے ہیں:

اس کی حیثیت ہندوستان میں جدید مسائل کے حل کے سلسلہ
میں مرجع کی ہے...... میں نے برصغیر میں ہوئے سیمیناروں میں
اسے سب سے بہتر پایا۔

ڈاکٹر علی الجمعہ (مفتی اعظم جمہوریہ مصر) فرماتے ہیں:

اسلام کو ہمیشہ نت نئے مسائل سے سابقہ ہے اور ان کے حل کے
لئے اس جیسے ادارہ کی اشد ضرورت ہے، اجتماعی غور وفکر، نئے
مسائل کا حل اور مختلف مکاتب فکر کے درمیان اختلاف کے
باوجود اسلامی وحدت اکیڈمی کے بنیادی مقاصد میں شامل ہے۔

ڈاکٹر جمال برزنجی فرماتے ہیں:

اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) ہندوستان میں علماء وفقہاء کے
درمیان وحدت واتصال اور اجتماعی اجتہاد کی راہ میں مؤثر کردار
ادا کر رہی ہے۔

ڈاکٹر فتح ملکاوی (المعہد العالی للفکر الاسلامی) لکھتے ہیں:

اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) ہندوستان

میں عمومی اسلامی نظریات کو فروغ دینے میں اہم کردار ادا کر رہی ہے، نیز علماء و فقہاء کے آپسی تعلقات کو مستحکم کرنا، اجتماعی اجتہاد کی کوشش کرنا اور نئے مسائل کا حتی الامکان حل تلاش کرنا اس کے ایجنڈے میں شامل ہے۔

اسی طرح مفکر اسلام مولانا ابوالحسن علی ندوی، امیر شریعت رابع بہار واڑیسہ وجھارکھنڈ مولانا سید منت اللہ رحمانی، مفتی حبیب الرحمٰن خیرآبادی (صدر مفتی دارالعلوم دیوبند) مولانا سراج الحسن (سابق امیر جامعت اسلامی ہند) اور مولانا کاکا سعید احمد عمری (جامعہ دارالسلام عمرآباد، تمل ناڈو) وغیرہ نے بھی اکیڈمی کے سلسلہ میں اپنے اچھے تأثرات کا اظہار کیا ہے۔

اکیڈمی کی علمی وفقہی خدمات

اکیڈمی کی خدمات کو تین حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے :

(الف) تربیتی ورکشاپ

اکیڈمی کی خدمت کا پہلا حصہ اس کے تحت منعقد کیے گئے تربیتی ورکشاپ کا ہے، اس میں فقہ کے اساتذہ اور منتہی طلبہ کی تربیت کے لئے مختلف محاضرین کو مدعو کیا جاتا ہے، اب تک اکیڈمی کے تحت بیسیوں ورکشاپ ہو چکے ہیں، جن میں ڈاکٹر صلاح الدین سلطان (مستشار شرعی مجلس شئون اسلامیہ بحرین واستاذ کلیۃ الشریعۃ جامعہ قاہرہ)، ڈاکٹر جابر علوانی، جمال الدین عطیہ، ڈاکٹر جاسر عودہ (لندن) ڈاکٹر عمر حسن کاسولے (برونائی) ڈاکٹر محمد محمد انور الشلبی مولانا رابع حسنی ندوی، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، ڈاکٹر اجتباء ندوی، ڈاکٹر شدید البشری (سعودی عرب) مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی، مولانا بدر الحسن قاسمی (وزارت اوقاف کویت) اور عبدالرشید اگوان (دہلی) وغیرہ کے محاضرات ہوئے۔

اب تک جن موضوعات پر محاضرات اور تربیتی ورکشاپ ہوئے ہیں ان میں سے چند یہ ہیں : جدید طبی مسائل، مقاصد شریعت — بحیثیتِ فن، اجتہادِ مقاصدی — ضرورت

اور تقاضے، مسلم اقلیتوں کی حقیقی مشکلات اور مقاصدِ شریعت کی روشنی میں ان کا حل، نئے مسائل میں مقاصد کا استعمال، فقہ مآل — تعریف و تجزیہ، اسلامی مذاہب کے مابین قرب واتصال — ماضی وحال کے آئینہ میں، نص اور اجتہاد شریعت اسلامی کی روشنی میں، اسلام اور قانون میں آزادی کا تصور، رخصت اور عزیمت کے درمیان فقہ الاقلیات، اُصولِ فقہ کی تدریس کا طریقہ وغیرہ۔

(ب) فقہی سیمینار

اکیڈمی کی خدمت کا دوسرا پہلو اس کا فقہی سیمینار ہے، اب تک اکیڈمی کے تحت ۱۹ر سیمینار ہو چکے ہیں، ان سیمیناروں میں جن موضوعات پر بحث ومباحثہ اور غور وفکر کیا گیا ان میں سے چند یہ ہیں: پگڑی کی شرعی حیثیت، اعضاء کی پیوندکاری، ضبط ولادت، بینک انٹرسٹ، اسلامی بینک کاری، حقوق کی خرید وفروخت، ہندوستان کے پس منظر میں انشورنس کا حکم، اموالِ مدرسہ پر زکوٰۃ، ہیرے جواہرات پر زکوٰۃ، پراویڈنٹ فنڈ پر زکوٰۃ، عشری وخراجی اراضی، مکھانہ، مچھلی اور ریشم میں عشر، مشینی ذبیحہ، شیئرز اور ان کی خرید وفروخت، کلوننگ، حالت نشہ کی طلاق، جدید ذرائع ابلاغ کے ذریعہ عقود ومعاملات، جلاٹین کا حکم، الکحل کا حکم، جنیٹک ٹسٹ اور اس سے مربوط فقہی مسائل، بینک سے جاری ہونے والے مختلف کارڈ، ڈی این اے ٹسٹ کی شرعی حیثیت، یوتھنیزیا کا حکم، نیٹ ورک مارکیٹنگ خواتین کی ملازمت وغیرہ۔

ان سیمیناروں میں ہندوستان کے علماء کے علاوہ پاکستان، بنگلہ دیش، ایران، سعودی عرب، عراق، مصر، کویت، یمن، برونائی اور برطانیہ کے مفکرین وعلماء کی بھی شرکت ہوتی رہی ہے۔

(ج) فقہی لٹریچر کی طباعت

اسلامک فقہ اکیڈمی کی خدمت کا ایک تیسرا پہلو فقہی لٹریچر کی طباعت واشاعت اور عام افادہ کے لئے فقہی مواد کو ایک زبان سے دوسری زبان میں منتقل کرنا ہے، چنانچہ اب تک ایک

درجن عربی کتابوں کا اکیڈمی نے اُردو زبان میں ترجمہ پیش کیا ہے اور ایک درجن سے زائد کتابوں کو اُردو سے عربی میں منتقل کیا ہے، اس کے علاوہ سات کتابوں کا انگریزی میں، چار کتابوں کا ہندی میں، ایک کتاب کا فارسی میں اور ایک کتاب کا ملیالم میں ترجمہ کیا ہے اور کل کتابیں جواب تک اکیڈمی سے شائع ہو چکی ہیں ان کی تعداد پچاس سے زائد ہے اور اکیڈمی کی حالیہ سب سے بڑی خدمت موسوعہ فقہیہ کا اُردو ترجمہ ہے، جسے وزارت اوقاف کویت نے عالم اسلام کے ممتاز فقہاء کے ذریعہ ۱۹۶۷ء میں ۴۵ر جلدوں میں مکمل کیا تھا، اکیڈمی نے اس کا ترجمہ نہایت ہی اہتمام سے کروایا ہے، جس کی طباعت بہت جلد متوقع ہے۔

☆ ☆ ☆

دار الافتاء مدرسہ قاسمیہ شاہی مراد آباد

سن قیام اور پہلے مفتی

مدارس اسلامیہ کا مقصدِ اصلی شریعت اسلامی کی ترویج واشاعت، مسلمانوں کی شرعی رہنمائی اور اس کے لئے افراد کار کی تیاری ہوتی ہے، چنانچہ عموماً مدارس میں شرعی رہنمائی کرنے والے افراد (علماء) تیار کرنے کے ساتھ براہ راست عوام کی بھی شرعی رہنمائی کی جاتی ہے، کبھی تو اس پہلو پر باضابطہ توجہ دی جاتی ہے اور شروع ہی سے اس کام کے لئے دار الافتاء قائم کردیا جاتا ہے اور کبھی یہ کام ضمناً ہوتا ہے۔

مدرسہ شاہی میں یوں تو اس کے قیام کے زمانہ سے ہی زبانی اور لکھ کر لوگوں کی شرعی رہنمائی کی جاتی رہی ہے؛ مگر یہاں کے اولین صدر مدرس مولانا احمد حسن امروہوی (وفات: ۱۳۳۰ھ) اور مولانا سید فخر الدین احمد (وفات: ۱۳۹۲ھ) کے شروع زمانہ تک باضابطہ "دار الافتاء" کے نام سے کوئی شعبہ، یا "مفتی" کے عنوان سے کوئی عہدہ نہیں تھا؛ بلکہ صدر مدرس ہی دیگر ذمہ داریوں کے ساتھ اس خدمت کو بھی انجام دیا کرتے تھے۔(۱)

۱۳۴۲ھ میں جب استفتاء کی آمد زیادہ ہوگئی اور صدر مدرس کو اپنی دوسری ذمہ داریوں کے ساتھ کار افتاء میں دشواری ہونے لگی تو باضابطہ دار الافتاء کا قیام عمل میں آیا، جس کے پہلے مفتی کی حیثیت سے مفتی مصلح الدین عمروی کو مقرر کیا گیا؛ چنانچہ مدرسہ کے مہتمم حاجی مرتضی علی ۱۳۵۰ھ کی روداد میں لکھتے ہیں:

(۱) ماہنامہ "ندائے شاہی" تاریخ شاہی نمبر: ۱۷۰، دسمبر ۱۹۹۲ء

ضرورت تھی کہ اتنی بڑی درسگاہ میں فتاویٰ نویسی کا سلسلہ بھی
باقاعدہ قائم کیا جائے؛ چنانچہ جناب مولانا مصلح الدین صاحب
کو اس شعبہ کا ذمہ دار بنایا گیا اور بحمد اللہ ۱۳۴۲ھ سے ۱۳۵۰ھ
تک جن فتاویٰ کا اندراج باقاعدہ دارالافتاء کے رجسٹروں میں
ہوا، ان کی تعداد ۹ ۳۷ ہے، یہ واضح کردینا مناسب ہوگا کہ
فرائض کے متعلق فتاویٰ کی تعداد ان کے علاوہ ہے، ان کی تعداد
بھی بحمد اللہ ۴۰۶ تک پہنچ چکی ہے۔(۱)

دارالافتاء میں کام کرنے والی شخصیات

مدرسہ شاہی کے دارالافتاء میں اب تک دس مفتیان کرام نے کام کیا ہے اور ہنوز دو مفتیان عظام اس شعبہ میں خدمت انجام دے رہے ہیں، ذیل میں یہاں کام کرنے والے مفتیان کا مختصر تعارف پیش کیا جاتا ہے:

۱- مفتی مصلح الدین

آپ ضلع مرادآباد کے ''عمری کلاں'' نامی قصبہ کے رہنے والے تھے، آپ کے والد کا نام حکیم اظہر الدین تھا، ۱۳۴۱ھ میں آپ نے مدرسہ شاہی میں دورۂ حدیث کی تکمیل فرمائی، ۱۳۴۲ھ میں شعبۂ افتاء قائم ہوا تو آپ کو پہلا معین مفتی اور مدرس مقرر کیا گیا، ۱۳۵۱ھ میں آپ کو معین مفتی کے بجائے باقاعدہ مفتی بنادیا گیا۔ ۱۳۵۵ھ تک آپ اس عہدے پر فائز رہے، ۱۳۵۵ھ میں اپنی معاشی ضرورت کی بنیاد پر مدرسے سے مستعفی ہوکر حیدرآباد چلے آئے، مدتوں یہاں تدریس وافتاء کی خدمت انجام دی، اخیر عمر میں بینائی کمزور ہوجانے کی وجہ سے گھر تشریف لے گئے اور وہیں آپ کی وفات ہوئی، ۱۳۵۰ھ تک لکھے گئے آپ کے فتاویٰ کی تعداد (۷۹۵) ہے جو مدرسہ شاہی میں محفوظ ہیں۔

---

(۱) روداد: ۴۹-۱۳۴۷ھ، ص: ۲۱

۲- مفتی محمد میاں دیوبندی

۱۳۲۱ھ میں آپ کی پیدائش ہوئی، والد کا نام منظور علی تھا، ۱۳۴۲ھ میں دارالعلوم دیوبند سے آپ فارغ ہوئے، فراغت کے بعد کچھ دنوں مدرسہ حنفیہ آرہ شاہ آباد (بہار) میں مدرس رہے، ۱۳۴۷ھ میں مدرسہ شاہی میں تدریس کے لئے تقرر ہوا، ۱۳۵۸ھ میں تدریس کے ساتھ افتاء کی ذمہ داری بھی دی گئی، ۱۳۶۶ھ تک آپ نے (۴۵۸) فتاویٰ تحریر کئے، ۱۳۶۶ھ میں جمعیۃ علماء ہند کے عہدۂ نظامت پر فائز ہوئے، اس کے بعد مدرسہ شاہی سے رسمی تعلق منقطع ہوگیا، جمعیۃ علماء کے کاموں کے ساتھ ۱۹۶۲ء میں مدرسہ امینیہ کے شیخ الحدیث اور مفتی بھی مقرر ہوئے اور تاحیات یہ دونوں خدمات بھی انجام دیں، ۱۶ر شوال ۱۳۹۵ھ م ۲۲ر اکتوبر ۱۹۷۵ء کو آپ نے دہلی میں وفات پائی۔

۳- مولانا عجب نور پاکستانی

۱۳۰۵ھ میں آپ کی ولادت ہوئی، آپ کا وطن اصلی ''بنوں'' صوبہ سرحد پاکستان تھا، ابتدائی تعلیم اپنے وطن میں حاصل کر کے ریاست ٹونک مولانا عبدالسلام قندھاری کی خدمت میں گئے، ۱۳۲۵ھ میں وہاں سے سند تکمیل حاصل کی، شوال ۱۳۴۰ھ میں مدرسہ شاہی میں علیا کی تدریس کے لئے آپ کا تقرر ہوا، آپ شیخ المنطق والفلسفہ کہلاتے تھے، دیگر استفتاء کے ساتھ خاص کر فرائض کے جواب آپ ہی لکھتے تھے، تقسیم ہند کے بعد ۱۳۷۰ھ میں وطن واپس چلے گئے اور وہیں ایک مدرسہ معراج العلوم کے نام سے قائم کیا، اخیر عمر تک وہیں رہے، ۲۹ر ذی قعدہ ۱۳۸۵ھ کو وفات پائی۔

۴- مفتی حامد میاں دیوبندی

۱۳۴۵ھ، دسمبر ۱۹۲۶ء میں آپ کی ولادت ہوئی، آپ مفتی محمد میاں صاحب دیوبندی کے خلف اکبر ہیں، والد صاحب کے ساتھ مدرسہ شاہی میں رہتے تھے، متوسطات تک کی تعلیم

یہیں ہوئی، ۱۳۶۷ھ میں دارالعلوم دیو بند میں حضرت مولانا حسین احمد مدنی سے بخاری اور ترمذی پڑھ کر فراغت حاصل کی، ۱۳۶۷ھ میں مدرسہ شاہی کے دارالافتاء میں نائب مفتی کی حیثیت سے آپ کا تقرر ہوا، ۱۳۷۰ھ تک آپ یہاں رہے، پھر لاہور (پاکستان) منتقل ہو گئے، وہاں رام گلی (لاہور) میں احیاء العلوم کے نام سے ایک مدرسہ قائم کیا، ۱۳۷۵ھ میں جامعہ مدنیہ (کریم پارک، لاہور) کی بنیاد ڈالی اور وہاں کے مہتمم و شیخ الحدیث رہے، ملکی سیاست میں بھی اعلیٰ مقام پر فائز تھے، تاحیات جمعیۃ علماء اسلام (پاکستان) کے مرکزی امیر بھی رہے، رجب ۱۴۰۸ھ میں وفات پائی۔

۵- مفتی سید واحد رضا مراد آبادی

۱۰/اکتوبر ۱۹۰۲ء م ۱۳۲۰ھ کو قاضی ٹولہ مراد آباد میں آپ کی پیدائش ہوئی، آپ کے والد کا نام سید حامد رضا تھا، آپ کی پوری تعلیم مدرسہ شاہی میں ہی ہوئی، ۱۳۴۷ھ میں تعلیم سے فارغ ہوئے تو معین مدرس کے طور پر یہیں خدمت کے لئے رکھ لیا گیا، ۱۳۵۱ھ میں باقاعدہ مدرس کی حیثیت سے آپ کا تقرر ہوا، مولانا عجب نور اور مولانا حامد میاں کے پاکستان چلے جانے کے بعد ۱۳۷۲ھ میں آپ کو یہاں کا مفتی بنایا گیا، آپ کے پاس فتاویٰ کی بڑی کثرت رہا کرتی تھی، ۱۳۸۲ھ تک جن فتاویٰ کو محفوظ رکھا جا سکا ان کی تعداد ایک ہزار ایک سو دس (۱۱۱۰) ہے، ۱۳۹۲ھ میں افتاء کی ذمہ داری سے سبکدوش ہو گئے؛ لیکن تدریسی خدمت انجام دیتے رہے، یکم جمادی الاولیٰ ۱۳۹۹ھ میں پیرانہ سالی کی وجہ سے صرف ایک وقت مدرسہ حاضری کی سہولت دی گئی، پھر ضعف بڑھ جانے کی وجہ سے شوال ۱۴۰۲ھ میں آپ کو نصف تنخواہ پر پنشن دی گئی، ۲۸/ذی قعدہ ۱۴۰۷ھ میں وفات ہوئی۔

۶- مفتی اختر شاہ سنبھلی

آپ کی ولادت سرائے ترین، تحصیل سنبھل، ضلع مراد آباد میں ہوئی، ابتدائی تعلیم مدرسہ شمس العلوم سرائے ترین میں ہوئی، ۱۳۶۹ھ میں دارالعلوم دیو بند سے فراغت حاصل کی،

فراغت کے بعد غازی آباد میں مدرس ہوئے، پھر معہد ملت مالیگاؤں میں صدر مدرس بنائے گئے، ایک سال بعد وہاں دورۂ حدیث کی شروعات ہوئی تو آپ کو شیخ الحدیث بنایا گیا، ۱۳۷۹ھ میں والد صاحب کی سخت علالت کی وجہ سے وطن واپس آگئے، ۱۳۸۰ھ میں مدرسہ امدادیہ مراد آباد میں مدرس ہوئے، ایک سال بعد وہاں بھی آپ کو شیخ الحدیث بنایا گیا، شعبان ۱۳۸۳ھ میں وہاں سے مستعفی ہوگئے اور مدرسہ شاہی میں علیا کے مدرس مقرر ہوئے، ۱۳۸۲ھ میں آپ کو مفتی مقرر کیا گیا، دارالافتاء کی ذمہ داریوں کے ساتھ ترمذی شریف کے اسباق بھی آپ سے متعلق رہے، ۴؍ذی الحجہ ۱۳۸۸ھ م ۲۲؍فروری ۱۹۶۹ء کو آپ کی وفات ہوئی۔

۷- مفتی عبدالرحمٰن مرادآبادی

۱۳۳۳ھ م ۱۹۱۴ء میں قصبہ بچھرایوں مراد آباد میں آپ کی پیدائش ہوئی، آپ کے والد کا نام حافظ محمد ادریس تھا، ابتدائی تعلیم وطن میں حاصل کی، ۱۳۴۶ھ میں دارالعلوم دیوبند آئے، حضرت مدنی سے کتب حدیث پڑھ کر ۱۳۵۴ھ میں سند فراغت حاصل کی، فراغت کے بعد مدرسہ عباسیہ بچھرایوں میں مدرس مقرر ہوئے، طویل عرصہ آپ نے وہاں بخاری کا بھی درس دیا، ۱۳۸۲ھ، ۱۹۶۲ء میں دارالعلوم چلہ امروہہ میں صدر مدرس و شیخ الحدیث مقرر ہوئے، ۲۹؍ذی قعدہ ۱۳۸۸ھ کو وہاں سے مستعفی ہوکر مدرسہ شاہی کے مسند افتاء وتدریس پر رونق افروز ہوئے، افتاء کے ساتھ ترمذی شریف کا درس بھی آپ سے متعلق رہا، چند سال آپ نے بخاری جلد ثانی اور مسلم شریف کا بھی درس دیا، ۱۰؍شوال ۱۴۰۳ھ م ۲۱؍جولائی ۱۹۸۳ء جمعرات کو آپ کی وفات ہوئی، آپ کے اس چودہ سالہ زندگی میں دیئے گئے فتاویٰ میں سے چار ہزار ایک سو بہتر (۴۱۷۲) فتاویٰ محفوظ ہیں۔

۸- مفتی محمد یحییٰ دربھنگوی

آپ ''رتن پورہ'' ضلع دربھنگہ بہار کے رہنے والے ہیں، ابتدائی تعلیم اپنے گھر میں اور مدرسہ امدادیہ دربھنگہ میں حاصل کی، دارالعلوم دیوبند سے آپ کی فراغت ہوئی، مفتی

عبدالرحمٰن کے وصال کے بعد ۱۴۰۳ھ میں مدرسہ شاہی کے دارالافتاء میں مفتی کی حیثیت سے آپ کا تقرر ہوا، افتاء کے علاوہ ترمذی وغیرہ کے اسباق بھی آپ سے متعلق رہے، ۱۴۰۴ھ میں آپ یہاں سے مستعفی ہوگئے اور دارالعلوم حیدرآباد آگئے، یہاں افتاء اور تدریس کے لئے آپ کا تقرر ہوا، اس وقت ضعف اور پیرانی سالی کی وجہ سے گھر میں ہی رہتے ہیں، مدرسہ شاہی میں ایک سال کی مدت میں آپ نے چار سو چون (۴۵۴) فتاویٰ لکھے۔

۹- مفتی ریاض الدین میرٹھی

آپ کی فراغت ۱۴۰۱ھ میں دارالعلوم دیوبند سے ہوئی، پھر ۱۴۰۲ھ میں مظاہر علوم سہارنپور سے بھی علوم حدیث کی تکمیل کی اور مزید ایک سال وہیں مفتی محمود حسن گنگوہی کی خدمت میں رہ کر افتاء کی مشق کی، ۱۴؍ ذی قعدہ ۱۴۰۴ھ کو مدرسہ شاہی میں افتاء و تدریس کے لئے آپ کا تقرر ہوا، ۱۴۰۵ھ میں بعض عوارض کی بنا پر مدرسہ سے آپ کی علاحدگی ہوگی، ۲۶؍ جنوری ۱۹۹۰ء کو آپ کسی کام سے غازی آباد تشریف لے جارہے تھے کہ وہاں ایک فرقہ وارانہ فساد میں فسادی غنڈوں نے آپ کو شہید کردیا، آپ کی نعش بھی دستیاب نہیں ہوسکی، مدرسہ شاہی میں آپ نے (۳۴۱) فتاویٰ تحریر کئے۔

۱۰- مفتی عبدالوہاب سہارنپوری

مفتی ریاض الدین صاحب کی علاحدگی کے بعد فوری کوئی ماہر مفتی نہیں مل سکا، اس لئے ''افتاء کمیٹی'' بنادی گئی، جس میں مفتی عبدالوہاب، استاذ محترم مولانا شبیر احمد باغونوالی (جو بعد میں دارالعلوم دیوبند میں مدرس ہوئے) اور مولانا عبدالسلام صاحب مظفر نگر (ناظم تعلیمات مدرسہ شاہی) شامل تھے، اس کمیٹی نے ۱۴۰۵ھ سے ۱۴۰۷ھ تک (۵۷۱) فتاویٰ جاری کئے، جن میں بیشتر (۴۷۴) فتاویٰ مفتی عبدالوہاب صاحب کے تحریر کردہ ہیں، مفتی عبد الوہاب صاحب سہارنپور کے رہنے والے تھے، ۱۳۹۲ھ میں دارالعلوم دیوبند سے فراغت حاصل کی، فراغت کے بعد کچھ دنوں افریقہ اور کچھ دنوں مدرسہ رحمانیہ ٹانڈہ بادلی میں مدرس

رہے، ۱۴۰۲ھ میں مدرسہ شاہی میں تدریس کے لئے تقرری ہوئی، ذی الحجہ ۱۴۰۷ھ میں مدرسہ شاہی سے مستعفی ہوکر حیدرآباد چلے آئے، پھر افریقہ کے ایک دوسرے مدرسہ میں آپ کی تقرری ہوئی اور وہیں قیام کے دوران دسمبر ۱۹۹۱ء میں کارحاثہ میں وفات ہوئی۔

۱۱- مفتی شبیر احمد قاسمی

۲۳ رشعبان ۱۴۰۷ھ سے اس شعبہ میں مفتی شبیر احمد قاسمی کو خدمت کے لئے رکھا گیا جو تاہنوز خدمت انجام دے رہے ہیں، آپ کے حالات ''موجودہ فقہی شخصیات'' کے تحت مستقل ذکر کئے جائیں گے۔

۱۲- مفتی محمد سلمان منصور پوری

شوال ۱۴۱۰ھ میں آپ کو دارالافتاء میں نائب مفتی کی حیثیت سے رکھا گیا، آپ بھی تاہنوز اس خدمت میں مصروف ہیں اور آپ کے بھی تفصیلی حالات ''موجودہ فقہی شخصیات'' کے تحت ذکر کئے جائیں گے۔

ترتیب فتاویٰ

۱۴۱۰ھ سے ترتیب فتاویٰ کا کام بھی باقاعدہ شروع کردیا گیا، یہ خدمت دارالافتاء کے نائب مفتی مولانا محمد سلمان منصور پوری، مولانا کلیم اللہ سیتاپوری کے تعاون سے انجام دے رہے ہیں، مفتی محمد میاں کے فتاویٰ کی ترتیب وتحشیہ کا کام بہت پہلے ہوچکا ہے، اب دیگر مفتیان کے فتاویٰ کی ترتیب کا کام چل رہا ہے۔

شعبۂ تمرین افتاء

مدرسہ شاہی میں تربیت افتاء کا کام بھی بڑی خوبی کے ساتھ چل رہا ہے، ۱۳۹۰ھ میں مفتی عبدالرحمٰن کے زمانہ میں اس شعبہ کا آغاز ہوا، جس میں ذی استعداد اور معیاری فضلاء کے داخلہ کا سلسلہ جاری ہوا اور مفتی شبیر احمد قاسمی اور مفتی محمد سلمان منصور پوری کی آمد کے بعد اس

میں اور بھی باضابطگی آئی اور فضلاء کا رجوع اور بھی بڑھ گیا، ۱۴۱۳ھ کی رپورٹ کے مطابق بیس سالوں میں کل (۱۴۳) فضلاء نے یہاں سے سند افتاء حاصل کی اور مختلف علاقوں میں لوگوں کی شرعی رہنمائی میں مشغول ہوئے، اب اس شعبہ کی عمر چالیس سال کے قریب ہو چکی ہے اور تربیت پانے والوں کی تعداد میں کئی گنا اضافہ ہوا ہے۔

☆ ☆ ☆

المعہد العالی للتدریب فی القضاء والافتاء، پٹنہ

معہد کے قیام کا پس منظر

مسلمانوں میں اجتماعیت پیدا کرنا اور شریعت اسلامی سے انھیں جوڑے رکھنا ہمدردانِ ملت کا فریضہ ہے؛ چنانچہ جب ہندوستان سے مسلم حکومت کا خاتمہ ہوگیا اور حکومتی سطح پر احکامِ اسلام کے اجراء اور نفاذ کا کام رُک گیا، جس کی وجہ سے مسلم قوم تسبیح کے دانوں کی طرح بکھرنے لگی تو اُمت کا دردر کھنے والے علماء بے چین ہو گئے اور طرح طرح کی تحریکوں کے ذریعہ اس ہلاکت خیز سیلاب پر بند لگانے کی کوشش کرنے لگے، بعض علماء نے آزادی کی تحریک شروع کی اور اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کر کے اس تحریک کو فروغ دیا اور بعض علماء ''تحریک خلافت'' سے وابستہ ہوئے اور اسلامی قانون کے نفاذ کے لئے تگ ودو کرتے رہے؛ لیکن چوں کہ ان تحریکوں کی کامیابی کے لئے مخالف طاقت کو مات دینا اور اور اپنی طاقت کالوہا منوانا ضروری تھا، جس میں کچھ تو مخالف طاقتوں کی شاطرانہ عیاری کی وجہ سے اور کچھ اپنوں کی نادانی کی وجہ سے کامیابی نہیں مل سکی، ایسے وقت میں مسلمانوں کے لئے ایک ہی راہ تھی، جس میں خارجی کوئی رکاوٹ نہیں تھی، وہ یہ کہ مسلمان اپنے طور پر اجتماعیت پیدا کریں، اپنے لئے ایک قائد اور امیر مقرر کرلیں اور اپنے مذہبی معاملات میں ان کی اطاعت کریں، چنانچہ علماء نے کل ہند پیمانہ پر اس تحریک کو شروع کرنے کا ارادہ کیا؛ لیکن بعض وجوہ سے یہ کام کل ہند پیمانہ پر نہیں ہوسکا تو حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد علیہ الرحمہ نے صوبائی پیمانہ پر اس کام کو شروع کیا اور بہار، اُڑیسہ اور جھارکھنڈ کے مسلمانوں کے لئے امارت شرعیہ قائم فرمائی۔

امارت شرعیہ کا مقصد مسلمانوں میں شرعی قانون کا اجراء ونفاذ اور اسلامی خطوط پر ان کو منظم

کرنا تھا، اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے دو چیزیں ضروری تھیں، ایک عام مسلمانوں کو شریعت پر عمل پیرا ہونے اور شریعت کی رہنمائی پر چلنے کے لئے اُبھارنا، دوسرے احکام شرعیہ کو جاری و نافذ کرنے کے لئے افراد تیار کرنا، چنانچہ امارت شرعیہ نے شروع ہی سے ان دونوں پہلوؤں سے کوششیں کیں، امارت کے وفود نے چھوٹے چھوٹے گاؤں اور شہر سے کٹے ہوئے دیہاتوں کا بار بار دورہ کیا، ان کو اسلامی خطوط پر منظم ہونے اور اپنی زندگی میں شریعت کو نافذ کرنے پر اُبھارا، ان میں سے پریشان حال کا مالی تعاون کیا، تعلیم میں پچھڑے لوگوں کے لئے تعلیم کا انتظام کیا وغیرہ۔

دوسری طرف مسلمانوں کی شرعی رہنمائی کے لئے اور ان کو اسلامی احکام پر چلانے کے لئے علماء کی تربیت کا بھی انتظام کیا اور یہ پہلو خاص کر بہت اہم تھا؛ کیوں کہ عام مسلمان بحیثیت مسلمان اسلام پر عمل کرنا چاہتے ہی ہیں؛ لیکن اگر محقق علماء اور عوام کی صحیح رہنمائی کرنے والے افراد نہ ہوں تو قوانین اسلامی کا نفاذ بہت مشکل ہوتا، چنانچہ امارت شرعیہ نے اس پہلو پر بھی پوری توجہ دی اور قضاۃ وغیرہ کی تربیت کرتی رہی، تاہم امیر شریعت رابع حضرت مولانا منت اللہ رحمانی نے اس پر زیادہ توجہ دی اور آپ کے زمانہ میں تربیت قضاء کے لئے باضابطہ کیمپ لگنے شروع ہو گئے، جس میں علماء کو قضاء کی پندرہ روزہ تربیت دی جاتی تھی اور دارالافتاء پر بھی آپ نے خاصی توجہ دی، پھر کچھ دنوں کے بعد اس سلسلہ کو مزید وسعت دی گئی اور ہر سال افتاء و قضاء کی تربیت کے لئے بیس فضلاء کو رکھا جانے لگا۔

لیکن ظاہر ہے کہ مسلمانوں کی اتنی بڑی تعداد کے لئے شرعی رہنمائی کرنے والوں کی یہ تعداد بھی ناکافی تھی اور ان فضلاء کی تربیت کے لئے ایک سال کی مدت بھی کم تھی، اس لئے ضرورت محسوس کی گئی کہ علماء کی ایک اچھی تعداد کے لئے باضابطہ افتاء و قضاء کی تربیت کی خاطر ایک ادارہ قائم کیا جائے؛ چنانچہ اسی مقصد کے پیش نظر امارت شرعیہ کی نگرانی میں مگر امارت سے علاحدہ، فضلاء مدارس کی افتاء و قضاء میں تربیت کے لئے ''المعہد العالی للتدریب فی القضاء والافتاء'' کے نام سے باضابطہ یہ ادارہ قائم کیا گیا، جس میں ہر سال پچاس طلبہ کی تربیت ہوتی ہے، پچیس فضلاء کو سالِ اول میں رکھا جاتا ہے اور پچیس کو سالِ دوم میں۔

سن قیام اور بانی

اس ادارہ کو شوال ۱۴۱۹ھ م فروری ۱۹۹۹ء میں ہند و بیرون ہند کے ممتاز فقیہ مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ نے قائم فرمایا اور تاحیات آپ اس کے صدر و ذمہ دار رہے، اس وقت آپ امارت شرعیہ میں دار القضاء کے چیف قاضی تھے اور مولانا سید نظام الدین امیر شریعت تھے؛ چنانچہ امیر شریعت نے اس ادارہ کی سرپرستی فرمائی۔

معہد کے قیام کا مقصد

معہد کے قیام کا مقصد مختصر لفظوں میں اس طرح بیان کیا جاسکتا ہے:

۱- احکامِ شریعت کو نافذ کرنے کے لائق علماء تیار کرنا۔

۲- فضلاء مدارس کی افتاء و قضاء کی نظری تعلیم کے ساتھ عملی تربیت کرنا۔

۳- علم و عمل اور فکر و نظر میں اسلاف کا جانشین اور وارث تیار کرنا؛ تاکہ اُمت کی صحیح شرعی رہنمائی کے لئے ایک جماعت کے بعد دوسری تربیت یافتہ جماعت تیار رہے۔

۴- فضلاء میں نئے مسائل کو حل کرنے اور قانون اسلامی کو زندہ قانون کی حیثیت سے زمانہ میں پیش کرنے کی اہلیت پیدا کرنا۔

۵- مختلف فقہی اور علمی موضوعات پر علماء سے تحقیق کروانا۔

فضلاء کی تربیت کا نہج

معہد میں ہر سال پچاس علماء کو رکھا جاتا ہے، پچیس کو سالِ اول اور پچیس کو سالِ دوم میں اور اوپر ذکر کئے گئے مقاصد کی تکمیل کے لئے بنیادی طور پر پانچ پہلوؤں سے فضلاء کی تربیت کی جاتی ہے:

۱- تدریس

سالِ اول کے فضلاء کو فقہ اور اُصولِ فقہ وغیرہ میں اُصول البزدوی، تاریخ التشریع

الاسلامی، المدخل الفقہی العام، الاشباہ والنظائر لابن نجیم، اُصول الکرخی، تاسیس النظر، الدر المختار (منتخب ابواب)، آداب المفتی والمستفتی، شرح عقود رسم المفتی، سراجی، لسان الحکام، معین الحکام اور احکام القرآن وغیرہ کا درس دیا جاتا ہے اور سالِ دوم کے فضلاء کو اُصول الفقہ لابی زہرہ، کتاب الفروق (منتخب ابواب) قواعد الاحکام، حجۃ اللہ البالغہ (منتخب ابواب) وغیرہ کتب پڑھائی جاتی ہیں۔

۲-تحریر

ہر سال فضلاء کو ڈیڑھ سو استفتاء کا جواب لکھنا ہوتا ہے اور دونوں سال میں مجموعی طور پر تین سو استفتاء کا جواب لکھنا لازمی ہوتا ہے، اس کے علاوہ ہر ماہ فقہی مجلس منعقد کی جاتی ہے، جس میں فضلاء کسی فقہی موضوع پر مقالہ لکھ کر پیش کرتے ہیں اور اساتذہ کی نگرانی میں آپس میں مناقشہ اور مباحثہ کا بھی موقع دیا جاتا ہے اور زیر بحث مسئلہ میں تجاویز بھی طے کی جاتی ہیں، نیز اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) کے سیمینار کے لئے متعین کئے گئے سوالات کا جواب بھی فضلاء سے لکھوایا جاتا ہے اور سالِ دوم کے فضلاء سے مستقل کسی عنوان پر کم سے کم سو صفحات کا تحقیقی مقالہ لکھوایا جاتا ہے۔

۳-مشق فتاویٰ اور تربیتِ قضاء

مشق فتاویٰ کے لئے تمام فضلاء کو امارت شرعیہ بھیج دیا جاتا ہے اور اس کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ وہاں صرف نظری مسائل پر نہیں؛ بلکہ وہاں آئے ہوئے مختلف قسم کے اور پیچیدہ سوالات پر طلبہ کو جواب لکھنے کی مشق کرائی جاتی ہے، اسی طرح امارت کے دارالقضاء میں تقریباً اَسّی پچاسی سالوں سے آنے والے مقدمات اور ان پر بڑے بڑے متبحر علماء کے فیصلوں کی کاپیاں موجود ہیں اور آئے دن نئے نئے مقدمات کی سماعت ہوتی رہتی ہے، فضلاء کو ان پرانی فائلوں سے بھی تجربہ حاصل کرنے کا موقع دیا جاتا ہے اور نئے مقدمات کی بھی سماعت اور جرح وغیرہ سکھائی جاتی ہے، سالِ اول کے فضلاء کو دو حصوں میں تقسیم کر کے دو گھنٹے افتاء وقضاء کی تربیت کے لئے مخصوص کئے جاتے ہیں، جن میں سال بھر ڈیڑھ سو استفتاء کا جواب لکھنا ہوتا ہے اور قضاء کی

ابتدائی تربیت اور مقدمات کی سماعت سکھائی جاتی ہے اور سالِ دوم کے فضلاء کو تین گھنٹے دیئے جاتے ہیں، جن میں ان کو بھی سال بھر میں ڈیڑھ سو استفتاء کا جواب لکھنا ہوتا ہے، ایک سو فیصل شدہ مقدمات کی فائلوں کا مطالعہ و تلخیص کرنا ہوتا ہے اور فیصلہ لکھنے کی تربیت دی جاتی ہے۔

۴-محاضرات

نئے مسائل کے حل اور قانونِ شریعت کو زندہ قانون کی حیثیت سے پیش کرنے کے لئے فضلاء کو ہندو بیرون ہند کی مختلف علمی و فقہی شخصیات سے ملاقات اور ان سے استفادہ کا موقع بھی دیا جاتا ہے؛ چنانچہ اب تک اُصولِ فقہ، قواعد الفقہ، مقاصد شریعت، عرف عام، ضرورت و حاجت، قیاس و استحسان، اُصولِ تحقیق، آدابِ افتاء، آدابِ قضاء، ملکی قانون، اقتصادی قانون اور طریقۂ اجتہاد جیسے مختلف و متنوع موضوعات پر معہد میں ماہرین کے محاضرات ہو چکے ہیں۔

۵-مطالعہ

بعض کتابیں ایسی ہیں جن کا مطالعہ افتاء و قضاء کا کام کرنے والوں کے لئے ضروری ہے، مگر ان کتابوں میں نہ درس کی خاص ضرورت ہوتی ہے اور نہ اس کا موقع ملتا ہے؛ بلکہ فضلاء آسانی سے ان کتابوں کا مطالعہ کر سکتے ہیں؛ اس لئے فضلاء کو ان کتابوں کے مطالعہ کی محض ہدایت کردی جاتی ہے؛ تاکہ ضروری مضامین بھی ان کے سامنے آجائیں اور از خود مسائل کے حل کی صلاحیت بھی پیدا ہو جائے؛ چنانچہ سالِ اول کے فضلاء کے لئے احکام القرآن لابن عربي، نصب الرايه (منتخب ابواب)، التلخيص الحبير، مختصر طحاوي، الثمر الداني (فقہ مالکی)، متن أبي شجاع (فقہ شافعی)، الروضة المربع (فقہ حنبلی) اور قاضی مجاہد الاسلام صاحب کی ''اسلامی عدالت'' کا مطالعہ اور سالِ دوم کے فضلاء کے لئے ''نظرية المقاصد'' کا مطالعہ ضروری ہے۔

فضلاء کی تربیت کرنے والی شخصیات

معہد میں فضلاء کی تربیت کرنے والی شخصیتوں میں سب سے پہلا نام قاضی

مجاہدالاسلام قاسمیؒ کا ہے، جنھوں نے اس ادارہ کو قائم فرمایا اور تاحیات اس کے صدر و ذمہ دار رہے، آپ کی وفات کے بعد بھی اس ادارہ کو اچھے ذمہ دار اور جید مربی ملتے رہے؛ چنانچہ اس وقت فقہ پر گہری نظر رکھنے والے اور عربی ادب کے ماہر حضرت مولانا بدرالحسن قاسمی (وزیر اوقاف کویت) اس ادارہ کے صدر اور امیر شریعت حضرت مولانا سید نظام الدین صاحب (جنرل سکریٹری مسلم پرسنل لابورڈ) اس کے سرپرست ہیں، نیز مولانا عبدالباسط ندوی ادارہ کے سکریٹری، مفتی جنید عالم قاسمی، صدر مفتی اور مولانا بدر احمد مجیبی معتمد تعلیم ہیں اور مولانا نورالحق رحمانی، قاضی عبدالجلیل صاحب قاسمی، مفتی محمد عاصم اور مفتی امتیاز عالم قاسمی جیسے باصلاحیت اساتذہ یہاں فضلاء کی تربیت کے فرائض انجام دیتے ہیں، ان کے علاوہ دارالافتاء امارت شرعیہ کے مفتیان اور دارالقضاء کے قضاۃ و معاونین سے بھی فضلاء استفادہ کرتے ہیں۔

تربیت پانے والے فضلاء کی تعداد

معہد سے ہر سال پچیس قابل اعتماد مفتی و قاضی تیار ہوتے ہیں اور ۱۴۲۸ھ تک کے اعداد و شمار کے مطابق ایک سو بیاسی (۱۸۲) فضلاء یہاں سے قضاء اور افتاء کی تربیت پاچکے ہیں، جو حسبِ توفیق ملک و بیرون ملک میں افتاء و قضاء کی عظیم خدمت انجام دے رہے ہیں۔

معہد کا علمی و تحقیقی سرمایہ

معہد کے علمی و قلمی سرمایہ میں ہر سال سالِ دوم کے فضلاء سے مختلف علمی و فقہی موضوعات پر لکھائے جانے والے سندی مقالات ہیں، جو تقریباً ڈیڑھ سو الگ الگ موضوعات پر پندرہ ہزار سے زائد صفحات پر مشتمل ہیں، ان کے علاوہ بانی معہد کی کتاب ''اسلامی عدالت'' کا عربی ترجمہ ہے جو معہد ہی سے طبع ہوا ہے اور ''فقہ الاقلیات'' کا اُردو ترجمہ ہے جو معہد کے ایک استاذ نے کیا ہے اور جسے اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا نے شائع کیا ہے۔

☆ ☆ ☆

المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد

قیام کا پس منظر اور سن قیام

حضرت الاستاذ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی کو اللہ تعالیٰ نے شروع ہی سے فقہ کے میدان کے لئے منتخب کیا ہے، مولانا نے دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد دو سال دارالقضاء امارت شرعیہ (پٹنہ) میں رہ کر اس میدان میں کہنہ مشق مفتی اور قاضی کی طرح لکھنے اور رائے قائم کرنے کا ملکہ پیدا کرلیا، پھر آپ مختلف اداروں میں ایک عرصہ تک تدریس کے ساتھ فقہ وفتاویٰ میں علماء وفضلاء کی تربیت فرماتے رہے، تاہم ان اداروں میں فضلاء مدارس کی تربیت کا نظم ضمنی طور پر تھا، مولانا کو ان فضلاء سے شب وروز کا سابقہ تھا، بڑے بڑے اداروں سے فراغت کے باوجود ان فضلاء کی بعض پہلوؤں سے خصوصی تربیت کی ضرورت محسوس کی جارہی تھی اور آپ کے دن رات کی محنت ان کو کسی لائق بنانے میں صرف ہوا کرتی تھی، آپ کا خیال تھا کہ یہ بڑے بڑے ادارے جہاں کے فارغین کی تربیت کی ضرورت پڑتی ہے، وہ اپنی جگہ کامیاب ہیں؛ لیکن یہ دور ''تخصص'' کا ہے اور ان بڑے بڑے اداروں میں تعلیمی شعبہ جات کے پھیلاؤ اور طلبہ کی کثرت کی وجہ سے یکسوئی کے ساتھ کسی ایک پہلو میں طلبہ کی قابلیت نمایاں نہیں ہو پاتی ہے؛ لہٰذا اس کے لئے ایسے نہج کے ادارہ کی ضرورت ہے، جہاں مختلف مدارس کے فارغین علماء کی کسی خاص موضوع سے متعلق باضابطہ تربیت کی جائے؛ چنانچہ اسی پس منظر میں مولانا نے وقت کے اکابر علماء سے مشورہ کیا اور شوال ۱۴۲۰ھ میں ''المعہد العالی الاسلامی'' کے قیام کا اعلان فرمایا۔(۱)

(۱) دیکھئے: مقدمہ قاموس الفقہ: ۱/۲۰۲

قیام کے مقاصد

معہد کا قیام، جن بلند ترین مقاصد کے تحت ہوا ہے، ان کو مختصراً درج ذیل نکات میں بیان کیا جاسکتا ہے :

☆ دین وملت کے مختلف میدانوں — تدریس، تحقیق، دعوت، صحافت، تنظیم وتحریک — کے لئے افراد سازی۔
☆ علوم قرآن، علوم حدیث اور فقہ اسلامی میں افراد کار کی تیاری۔
☆ زمانہ شناس، اہل بصیرت اور دردمند داعیوں کی فراہمی۔
☆ علماء کو انگریزی زبان، عصری تقاضوں اور جدید علوم سے واقف کرانا۔
☆ فضلاء کی فکری اور قلمی تربیت کے ذریعہ انھیں تحقیق وتالیف کے لائق بنانا۔
☆ عصری تعلیم یافتہ حضرات کے لئے دینی تعلیم کا نظم۔(۱)

تعلیمی شعبہ جات

اوپر ذکر کئے گئے مقاصد کی تکمیل کے لئے معہد میں مختلف شعبہ جات کام کرتے ہیں، ذیل میں ان شعبوں کا مختصر تعارف کیا جاتا ہے :

اختصاص فی علوم القرآن

اس شعبہ میں طلبہ کو حسبِ ذیل مضامین پڑھائے جاتے ہیں :

☆ تاریخِ جمع وتدوین قرآن۔
☆ مختلف عہد میں تفسیر قرآن مجید سے متعلق ہونے والی خدمات کا تعارف۔
☆ مختلف جہتوں سے لکھی گئی اہم تفسیروں کا تعارف۔
☆ اُصولِ تفسیر، مشکلات القرآن، یعنی جو آیات نحوی، صرفی، عقلی یا کسی اور جہت سے شبہ کا باعث بن سکتی ہوں، ان کی وضاحت۔

---

(۱) دیکھئے: المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد — تعارف اور رپورٹ۔

☆ قرآن مجید سے متعلق اہل مغرب اور اعداء اسلام کے شبہات۔

☆ تفسیر ابن کثیر، تفسیر قرطبی اور بعض دوسری تفسیروں سے قرآن مجید کی اہم سورتوں کی تعلیم۔

☆ منتخب موضوعات پر تفسیر موضوعی کی تعلیم۔

طالب علم کو پہلے سال ہر سہ ماہی میں تفسیر یا علوم القرآن سے متعلق کسی مفوضہ موضوع پر کم سے کم تیس صفحات کا مقالہ لکھنا لازمی ہے، نیز دوسرے سال کسی اہم موضوعات پر — جو ادارہ کی طرف سے سپرد کیا جائے — دو تا تین سو صفحات عربی یا اُردو یا کسی اور زبان میں مقالہ، کسی مخطوطہ کی تحقیق یا کسی مطبوعہ کتاب پر تعلیق ضروری ہے۔

اختصاص فی الحدیث

اس شعبہ میں درج ذیل مضامین پڑھائے جاتے ہیں :

☆ تاریخ حدیث۔

☆ اصطلاحاتِ حدیث۔

☆ تخریج حدیث کے اُصول۔

☆ فن اسماء الرجال اور اسانید کی تحقیق۔

☆ احادیث میں ترجیح و تطبیق کے اُصول۔

☆ حدیث سے متعلق اہل مغرب کے شبہات۔

☆ مشکلات الحدیث، یعنی عقلی یا کسی اور جہت سے جو حدیث شبہ کا باعث بن سکتی ہو، اس کا حل۔

اس شعبہ میں بھی پہلے سال ہر سہ ماہی میں طالب علم کو حدیث کی مناسبت سے مفوضہ موضوع پر کم سے کم تیس صفحات کے مقالہ لکھنا ہوتا ہے اور دو سو احادیث کی تخریج لازم ہوتی ہے، جب کہ سالِ دوم میں کم سے کم پچاس اسناد کی تحقیق اور اس پر حکم لگانے کے علاوہ کسی مفوضہ موضوع پر دو تا تین سو صفحات کا مقالہ یا کسی مخطوطہ یا مطبوعہ پر تحقیق و تعلیق کا کام کرنا ضروری ہوتا ہے۔

اختصاص فی الفقہ الاسلامی

معہد کا یہ بڑا اہم شعبہ ہے اور اس شعبہ میں نہ صرف ہندوستان؛ بلکہ بیرونِ ملک سے بھی ذہین طلبہ آکر استفادہ کرتے ہیں، اس شعبہ میں درج ذیل مضامین پڑھائے جاتے ہیں :

☆ اُصولِ فقہ۔

☆ قواعدِ فقہ۔

☆ اُصولِ افتاء۔

☆ قضاء سے متعلق احکام۔

☆ فقہ العبادات۔

☆ فقہ الاحوال الشخصیہ۔

☆ فقہ المعاملات۔

☆ فرائض و میراث۔

☆ مشق افتاء۔

اس شعبہ میں بھی طالب علم پہلے سال ہر سہ ماہی میں فقہ سے مربوط مفوضہ موضوع پر کم سے کم تیس صفحات کا مقالہ پیش کرتا ہے، سالِ دوم میں کسی اہم موضوع پر دو سو تا تین سو صفحات کا مقالہ یا کسی مخطوطہ یا مطبوعہ کتاب پر تحقیق و تعلیق کا کام کرایا جاتا ہے، کم سے کم دو سو تا ڈھائی سو فتاویٰ بطور مشق کے لکھائے جاتے ہیں، جن میں جدید مسائل اور معاملات سے متعلق مسائل کو خصوصی اہمیت دی جاتی ہے، تربیت افتاء کے ساتھ ساتھ قضاء کی تربیت بھی دی جاتی ہے اور اس کے لئے ورکشاپ منعقد کئے جاتے ہیں۔

اختصاص فی الدعوہ

اس شعبہ کا مقصد برادرانِ وطن میں دعوت کے کام کے لئے افرادِ کار کی تیاری ہے، اسی بنا پر اس شعبہ میں انگریزی زبان کو خصوصی اہمیت دی جاتی ہے، اس شعبہ میں درج ذیل

مضامین پڑھائے جاتے ہیں :

☆ انگریزی زبان (چار گھنٹیاں)۔

☆ ہندوستانی مذاہب (سناتن دھرم، آریہ سماج، برہما کماری، بودھ مت، سکھ مت، جین مت)۔

☆ آسمانی مذاہب (یہودیت، عیسائیت)۔

☆ قادیانیت۔

☆ اسلام کے خلاف اہل مغرب کے شبہات۔

☆ اُصولِ دعوت۔

اس شعبہ میں بھی پہلے سال ہر سہ ماہی میں طالب علم پر ضروری ہوتا ہے کہ وہ دعوت سے مربوط مفوضہ موضوع پر کم سے کم بیس صفحات کا مقالہ کسی بھی زبان میں لکھے اور دوسرے سال کسی مفوضہ موضوع پر کم سے کم تیس صفحات کا مقالہ انگریزی زبان میں لکھے، اس شعبہ میں برادرانِ وطن میں دعوت کے کام کے لئے عملی مشق (فیلڈ ورک) بھی کرائی جاتی ہے۔

ان شعبوں کے مشترک مضامین

ان شعبوں میں کچھ مضامین مشترک ہیں جو درج ذیل ہیں :

☆ کمپیوٹر (ورڈ پیڈ، ایم ایس ڈوز، ایم ایس آفس، ورڈ، ایکسل، پاور پوائنٹ، اُردو ان پیج، انٹرنیٹ اور دیگر بنیادی معلومات)

☆ انگریزی زبان: شعبۂ دعوہ کے علاوہ دوسرے شعبوں میں بھی روزانہ ایک گھنٹی انگریزی زبان کے لئے ہوتی ہے۔

☆ ہر شعبہ میں کم سے کم دو سو احادیث مع اسماءِ رواۃ و حوالۂ کتاب حفظ کرنا لازم ہے، یہ احادیث، ایمانیات، احکام، فضائل اور آداب سے متعلق ہیں، جن کا مجموعہ خود معہد نے شائع کیا ہے۔

☆ عالمی جغرافیہ، تاریخ ہند، دستور ہند سے بنیادی حقوق کا حصہ، مبادی معاشیات، مبادی علم شہریت اور جنرل نالج، یہ ہر شعبہ کے لئے لازمی ہیں، ان تمام مضامین کا باضابطہ امتحان ہوتا ہے اور ان کے نمبرات سالانہ امتحان میں شامل کیے جاتے ہیں۔

شعبۂ اسلامک فائنانس

فارغین افتاء کے لئے اسلامک فائنانس کی تربیت کی غرض سے یہ شعبۂ قائم کیا گیا ہے، جس میں درج ذیل مضامین پڑھائے جاتے ہیں:

☆ اسلامی بینکوں کا طریقۂ کار۔

☆ اسلامی طریقۂ سرمایہ کاری — موجودہ معاشی نظام کے تناظر میں۔

☆ اسلامک انشورنس۔

☆ اسٹاک ایکسچینج اور شریعت اسلامی کا نقطۂ نظر۔

☆ شریعت کے مالیاتی قوانین سے متعلق فقہی قواعد۔

☆ علم معاشیات۔

☆ معاشیات سے متعلق اصطلاحات۔

☆ حسابات۔

تربیت تحقیق

جو فضلاء کسی شعبہ میں تخصص کر چکے ہیں، ان کی بہتر استعداد ہے اور ان میں لکھنے پڑھنے کا ذوق پایا جاتا ہے، ایسے طلبہ میں سے ہر سال دو کا انتخاب کرنے کی کوشش کی جاتی ہے اور ان سے پورے ایک سال بطور تربیت کے اہم موضوعات پر مقالات لکھوائے جاتے ہیں، کسی مخطوطہ کے چند صفحات کی تحقیق کروائی جاتی ہے، یا کسی مطبوعہ کتاب کے چند صفحات پر تعلیق کا کام لیا جاتا ہے؛ تاکہ تخصص میں انھوں نے ایسے کاموں کی جو تھوڑی بہت مشق کی ہے اور صلاحیت حاصل کی ہے وہ اور نکھر آئے اور وہ بہتر طور پر آئندہ اس میدان میں کام کر سکیں؛

چنانچہ اس شعبہ کے تحت دو چیئر قائم ہیں، ڈاکٹر حمید اللہؒ چیئر اور قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ چیئر، ڈاکٹر حمید اللہ چیئر میں حدیث سے متعلق موضوعات پر کام کروایا جاتا ہے اور قاضی مجاہد الاسلام قاسمی چیئر میں فقہ کے موضوع پر۔

مدرسہ عبداللہ بن مسعودؓ

معہد کے قیام کا ایک مقصد ''عصری تعلیم یافتہ حضرات کے لئے دینی تعلیم کا نظم'' ہے، جیسا کہ اس سے قبل ذکر ہوا، چنانچہ اس مقصد کی تکمیل کے لئے ''مدرسہ عبداللہ بن مسعود'' کا قیام عمل میں آیا، جس میں عصری علوم میں لگے ہوئے، یا نوکری پیشہ افراد کے لئے عصر تا عشاء مختصر مدتی عالمیت کورس کا نظم کیا گیا ہے، نوکری پیشہ افراد کی سہولت کے لئے یہ مدرسہ شہر کے سہل الوصول علاقہ (سعید آباد) میں رکھا گیا ہے اور اس کا تعلیمی سال بھی جون تا اپریل رکھا گیا ہے، اب تک اس مدرسہ سے ڈاکٹرس، انجینئرس اور مختلف شعبوں سے جڑے ہوئے ساٹھ (۶۰) افراد عالمیت کی تکمیل کر کے سند فراغت حاصل کر چکے ہیں۔

فاصلاتی کورس برائے دینی تعلیم

یہ کورس لڑکے، لڑکیوں، مردوں اور خواتین سب کے لئے ہے، اس کی تعلیمی مدت تین سال رکھی گئی ہے، جس میں اسلامی عقائد، شرعی مسائل، منتخب سورتوں کے ترجمے، منتخب احادیث کے ترجمے، ابتدائی عربی زبان، سیرت نبوی اور سیرت صحابہ وغیرہ مضامین پڑھائے جاتے ہیں، اتوار کو فاصلاتی کورس کے طلبہ وطالبات (مرد وخواتین) کی ہفتہ واری کلاس ہوتی ہے۔

دار الافتاء

معہد میں ابتداء قیام سے ہی دار الافتاء کا شعبہ قائم ہے اور اہل ضرورت کی ایک بڑی تعداد یہاں کے دار الافتاء سے رُجوع کرتی ہے، خاص کر عائلی زندگی سے متعلق پیچیدہ مسائل، نیز کاروبار اور جدید پیش آمدہ مسائل کے سلسلہ میں یہاں کا دار الافتاء خاص مرجع ہے، معہد کے دار الافتاء میں تین اساتذہ فتاوی لکھتے ہیں، معہد کے بانی وناظم حضرت مولانا خالد سیف اللہ

رحمانی چوں کہ دارالقضاء امارت ملت اسلامیہ آندھرا پردیش کے قاضی شریعت بھی ہیں؛ اس لئے وہ ایسے استفتاءات کے جواب لکھتے ہیں جو دارالقضاء میں آنے والے متوقع معاملات سے متعلق نہ ہوں ، اس کے علاوہ اُردو کے سب سے کثیر الاشاعت روزنامہ ''منصف'' (حیدرآباد) میں دینی مسائل سے متعلق سوالات کے مستقل جوابات لکھتے ہیں ، جو ہر جمعہ کو ''آپ کے شرعی مسائل'' کے عنوان سے چھپتے ہیں اور اب اس کو ممبئی، لکھنؤ اور بعض دیگر شہروں کے اخبارات بھی شائع کرتے ہیں، ۲۰۰۳ء تک مولانا کے لکھے گئے جوابات ''کتاب الفتاویٰ'' کے نام سے چھپ چکے ہیں، جو چھ جلدوں پر مشتمل ہیں، ان کے علاوہ مفتی شاہد علی قاسمی، مولانا مصطفیٰ عبدالقدوس ندوی اور مفتی اشرف علی قاسمی کے لکھے گئے فتاویٰ بھی دارالافتاء کے رجسٹر میں محفوظ ہیں اور ان کی ترتیب کا کام چل رہا ہے۔

سنٹر فار پیس اینڈ ٹرو میسیج

معہد کے مقاصد میں سے ایک اہم مقصد ''دعوتِ دین کے لئے افراد کار کی تیاری'' بھی ہے، جس کا مقصد پورے عالم میں اور خصوصاً برادرانِ وطن تک دین کی دعوت پہنچانا ہے، چنانچہ اسی مقصد کے لئے یہ ادارہ قائم کیا گیا ہے، مصلحتاً اس کا الگ ٹرسٹ بنایا گیا ہے اور معہد کو ایک نگراں کی حیثیت سے رکھا گیا ہے، تاہم اس ادارہ کے بھی تقریباً تمام ذمہ داران وہی ہیں جو معہد کے ذمہ داران ہیں، اس ادارہ کے تحت ہر اتوار کو اس کے دفتر میں دعوتی پروگرام کے علاوہ مختلف مقامات پر متعدد دعوتی اور تربیتی پروگرامس منعقد کیے جاتے ہیں اور کئی مقامات پر اس کے تحت مستقل دعوتی سنٹر بھی چل رہے ہیں، بحمد اللہ ہر سال بہت سے بندگانِ خدا کو اس ادارہ کی وساطت سے دامن اسلام سے وابستہ ہونے کا شرف مل رہا ہے۔

محاضرات اور تربیتی کیمپ

معہد کے قیام کا مقصد مختلف علوم اسلامی میں علماء کی نظر کو وسیع کرنا اور جدید علوم سے انھیں باخبر کرنا ہے؛ چنانچہ معہد میں وقتاً فوقتاً مختلف میدان کے ماہرین کے توسیعی خطبات

اور محاضرات ہوتے رہتے ہیں، اب تک یہاں جن موضوعات پر محاضرات اور ورکشاپ ہوئے ہیں، ان میں اُصولِ فقہ کی تدریس کا طریقہ، مقاصدِ شریعت، اسلامک بینکنگ، اُصولِ حدیث، تشریح الابدان، میڈیکل شرعی مسائل اور اسلامی تجارت وغیرہ خاص کر قابل ذکر ہیں، ان کے علاوہ دعوہ تربیتی کیمپ، تربیت قضاء کیمپ اور طریقۂ تدریس کیمپ کا انعقاد ہر سال عمل میں آتا ہے۔

ان محاضرات اور تربیتی کیمپوں میں جن اہل علم اور دانشوروں نے مربی کی حیثیت سے شرکت کی، ان میں ڈاکٹر عمر کا سولے (برونائی) شیخ صلاح سلطان (مشیر مذہبی اُمور حکومت بحرین) ڈاکٹر انور شلبی (نائب مفتی عام مصر) ڈاکٹر حسین الجبوری (بحرین) ڈاکٹر بشر عرفات (شام) ڈاکٹر جاسر عودہ (برطانیہ) ڈاکٹر محی الدین محمد عوامہ (مدینہ منورہ) مولانا نعمت اللہ اعظمی (دیوبند) مولانا محمد برہان الدین سنبھلی (لکھنؤ) مولانا قاضی محمد قاسم مظفر پوری، مولانا جلال الدین انصر عمری، ڈاکٹر سید اجتباء ندوی، مولانا قاضی عبدالجلیل قاسمی (پٹنہ) مولانا خلیل الرحمٰن سجاد نعمانی، مولانا سلمان حسینی ندوی، ڈاکٹر اوصاف احمد (دہلی) ڈاکٹر شارق نثار (بنگلور) سید عبداللہ طارق (رام پور) مولانا کلیم صدیقی (مظفر نگر) مولانا عیسیٰ منصوری (لندن) ڈاکٹر یاسین مظہری صدیقی (علی گڑھ مسلم یونیورسٹی) مولانا عبید اللہ اسعدی (باندہ) اور مولانا عتیق احمد بستوی (لکھنؤ) خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔

سمپوزیم کا انعقاد

معہد میں طلبہ کے لئے وقفہ وقفہ سے سمپوزیم کا انعقاد بھی ہوتا ہے، جس کے لئے پندرہ بیس دنوں قبل طلبہ کو کوئی موضوع سپرد کر دیا جاتا ہے، جس پر وہ مقالات لکھ کر پیش کرتے ہیں، پھر آپس میں مناقشہ اور اظہار رائے کا موقع دیا جاتا، اس پروگرام میں طلبہ ہی صدارت کرتے ہیں، وہی نظامت کرتے ہیں، وہی سوالات کے جوابات دیتے ہیں اور وہی تجاویز بھی پیش کرتے ہیں؛ البتہ یہ پورا پروگرام معہد کے بانی و ناظم حضرت الاستاذ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی کی راست نگرانی میں ہوتا ہے، حضرت الاستاذ محض اصلاح و تربیت کے لئے موجود رہتے ہیں اور اخیر میں پروگرام کی خوبیوں اور خامیوں کی نشاندہی کرتے ہیں۔

معہد کے تربیت یافتہ افراد

معہد کے مختلف شعبوں سے استفادہ کرنے والوں کی تعداد تقریباً تین ہزار تک پہنچتی ہے اور یہاں مختلف شعبوں کے فارغین کی مجموعی تعداد ۵۱۴ ہے جو تدریس، افتاء اور قضاء کے علاوہ صحافت، تحقیق و تالیف، دعوت و اصلاح اور مختلف عصری دانش گاہوں اور تنظیمی و تحریکی کاموں میں نمایاں طور پر خدمت انجام دے رہے ہیں۔

معہد کی علمی و تحقیقی خدمات

معہد میں اب تک جن موضوعات پر علمی و تحقیقی کام ہوئے ہیں، ان کی تعداد ایک سو بیس (۱۲۰) ہے، جن کے مجموعی صفحات پچاس ہزار سے زائد ہیں، ان میں اسلام کا نظام زراعت (محمد نافع عارفی)، حقوق اور ان کی خرید و فروخت (محمد عمر عابدین قاسمی، مدنی)، بچے — حقوق و احکام (محمد نعمت اللہ قاسمی)، خواتین کے شرعی مسائل (منور سلطان ندوی)، ابنائے ندوہ کی فقہی خدمات (منور سلطان ندوی)، اسلام اور ماحولیات (محمد جہانگیر حیدر قاسمی)، نفل نمازیں (سعید احمد مظاہری)، کلوننگ، ٹیسٹ ٹیوب، فیملی پلاننگ اور جنین کے مالی حقوق (محمد نثار ندوی قاسمی)، سجدے — احکام و مسائل (فضل الرحمٰن قاسمی)، معذورین کے شرعی احکام (محمد فیضان عارف ندوی)، طہارو نماز — مسائل و دلائل (محمد رفیع الدین حمیدی قاسمی)، قرآن مجید اور بائبل (محمد طفیل احمد انعامی)، قرآن کے معاشرتی احکام (ذبیح اللہ قاسمی)، قمار آمیز مروج معاملات (عبد اللہ سلیمان مظاہری)، مضاربت — احکام و تطبیقات (آفتاب غازی قاسمی)، شرکت — احکام و تطبیقات (ابوعبیدہ قاسمی)، مرابحہ — احکام و تطبیقات (سید مدثر قاسمی)، اجارہ — احکام و تطبیقات (عبد الباسط قاسمی) سلم و استصناع — احکام و تطبیقات (جبریل میاں ندوی) تصویر صورتیں اور احکام (امتیاز عالم سبیلی) علماء دیوبند کی حدیثی خدمات (شمس عالم قاسمی) وغیرہ خاص کر قابل ذکر ہیں۔

معہد کی مطبوعات

معہد کے زیر اہتمام ناظم معہد حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی کی مختلف گرانقدر تصانیف کے علاوہ یہاں کے مختلف اساتذہ، طلبہ اور بعض متعلقین کی کتابیں بھی طبع ہوئی ہیں، معہد کی مطبوعات میں قاموس الفقہ (۵رجلدیں)، حلال وحرام، اسلام کا نظام عشر وزکوۃ، خطبات بنگلور (پیغمبر انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم)، پیامِ سیرت — عصر حاضر کے پس منظر میں، جدید فقہی مسائل (۵رجلدیں)، کتاب الفتاویٰ (۶رجلدیں)، آسان اُصولِ حدیث، آسان اُصولِ فقہ، فقہ اسلامی — تدوین وتعارف، ۲۴ر آیتیں، زکوۃ — احکام ومسائل، دعوتِ دین — مسلمانوں کے مسائل کا واحد حل، خواتین کے مالی حقوق — شریعتِ اسلامی کی روشنی میں، شمع فروزاں (۲رجلدیں)، متاعِ سفر، مسجد کی شرعی حیثیت (مذکورہ تمام کتابیں حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی کی تصانیف ہیں)، افتاء — آداب واحکام (ڈاکٹر شہاب الدین سبیلی)، اُردو زبان میں علوم اسلامی کا سرمایہ (طلبہ کے مضامین کا مجموعہ)، ذبح وقربانی — احکام ومسائل (مفتی اشرف علی قاسمی)، رمضان کے شرعی احکام (مولانا مصطفیٰ عبدالقدوس ندوی) امثال الحدیث (ڈاکٹر شہاب الدین سبیلی)، ہندوستان اور مسلمان (طلبہ کے مضامین کا مجموعہ)، اسلام — امن وآشتی کا علمبردار (طلبہ کے مضامین کا مجموعہ)، اسلام کا نظامِ زراعت (نافع عارفی قاسمی)، حقوق اور ان کی خرید وفروخت (محمد عمر عابدین قاسمی، مدنی)، بچے — حقوق واحکام (محمد نعمت اللہ قاسمی)، ندوۃ العلماء کا فقہی مزاج اور ابناء ندوہ کی فقہی خدمات (منور سلطان ندوی) کلوننگ، ٹیسٹ ٹیوب، فیملی پلاننگ اور جنین کے مالی حقوق (نثار احمد ندوی قاسمی)، خواتین کے شرعی مسائل (منور سلطان ندوی)، قرآن مجید — آداب واحکام (محمد عمر عابدین قاسمی، مدنی)، اسلام اور ماحولیات (محمد جہانگیر حیدر قاسمی)، نفل نمازیں — احکام ومسائل (سعید احمد مظاہری) وغیرہ خاص کر قابل ذکر ہیں۔

☆ ☆ ☆

آٹھواں باب

گذشتہ فقہی شخصیات

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ

سن ولادت اور تعلیم وتربیت

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کی ولادت ۶/ ذیقعدہ ۱۲۴۴ھ مطابق ۱۸۲۸ء کو دوشنبہ کے دن گنگوہ (ضلع سہارنپور) میں ہوئی، آپ کے والد ماجد مولانا ہدایت احمد صاحب اپنے زمانہ کے جید عالم اور حضرت شاہ غلام علی مجددی (دہلی) کے مجاز تھے، آپ نجیب الطرفین شیخ زادہ، انصاری اور ایوبی النسل تھے۔

قرآن مجید کی تعلیم آپ نے اپنے وطن میں حاصل کی، پھر اپنے ماموں کے پاس کرنال چلے گئے، وہاں ان سے فارسی کی کتابیں پڑھیں، پھر مولوی محمد بخش رام پوری سے صرف ونحو کی تعلیم حاصل کی، دہلی میں کچھ دنوں مولانا احمد الدین پنجابی سے بھی پڑھا، (۱) ۱۲۶۱ء میں دہلی میں مولانا مملوک علی نانوتوی کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا، جو مدرسہ عربی سرکاری (دہلی کالج) (۲) میں مدرس تھے، اس مدرسہ کا پورا نصاب ونظام قدیم مدرسوں ہی کے مطابق تھا، یہیں حجۃ الاسلام

(۱) دیکھئے: قاسم العلوم حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی — احوال وآثار وباقیات ومتعلقات، حاشیہ: ۱۸۰، مرتب: نور الحسن راشد کاندھلوی، ط: مکتبہ نور، مظفر نگر (یوپی)

(۲) یہ کالج انگریزوں نے دہلی کے علمی خاندانوں کے بچوں کی تعلیم وتربیت کے لئے قائم کیا تھا، اس کے قیام کی تجویز، ۱۸۲۳ء میں طے ہوئی اور جون ۱۸۲۵ء شوال ۱۲۴۰ھ میں تعلیمی سال کا افتتاح ہوا، مولانا رشید الدین خاں مدرس اول اور مولانا مملوک علی مدرس دوم مقرر ہوئے، دو سال بعد محرم ۱۲۴۳ھ مطابق ۱۸۲۷ء میں رشید الدین صاحب کا انتقال ہوگیا تو مولانا مملوک علی ہی اس کے سربراہ رہے، ۱۸۲۸ء میں انگریزی کے اسباق شروع ہوئے، مگر یہ غیر لازمی تھے، مولانا مملوک علی کی وفات (۱۲۶۷ھ مطابق ۱۸۵۱ء) تک یہاں قدیم مدرسوں کا نصاب ونظام قائم رہا، ۱۸۵۷ء تک مدرسہ نے خوب ترقی کی، ۱۸۵۷ء میں دیہاتیوں کے حملہ میں یہ مدرسہ تباہ ہوگیا (مولانا قاسم نانوتویؒ — احوال وآثار، حاشیہ: ۱۸۲)۔

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ (بانی دارالعلوم دیوبند) سے مولانا رشید احمد گنگوہی کا تعلق ہوا، جو ساری عمر رہا، آپ دونوں ہم درس تھے، دہلی میں معقولات کی بعض کتابیں آپ نے مفتی صدرالدین آزردہ (۱) سے بھی پڑھیں، آخر میں حضرت شاہ عبدالغنی مجددی (۲) کی خدمت میں رہ کر علم حدیث کی تحصیل کی، پھر سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کی خدمت میں رہ کر سلوک کی منزلیں طے کیں اور صرف چالیس دن کی قلیل مدت میں خلافت سے سرفراز ہوئے۔

تدریس، افتاء اور اصلاح کا سلسلہ

تعلیم سے فراغت کے بعد کچھ دنوں سہارنپور میں نواب شائستہ خان کے قلعہ میں آپ نے ملازمت کی (۳) پھر گنگوہ میں حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی کے حجرے کو اپنی قیام گاہ بنایا اور یہیں سے تعلیم وارشاد، درس حدیث، فقہ وفتاویٰ اور اصلاح وتربیت کا سلسلہ اخیر عمر تک رہا، اس دوران آپ کا ذریعۂ معاش طب تھا۔

۱۸۵۷ء میں خانقاہ قدوسی سے نکل کر مردانہ وار جنگ آزادی میں شرکت کی اور شاملی کے میدان میں خوب دادِ شجاعت دی، معرکۂ شاملی کے بعد گرفتاری کا وارنٹ آپ کے نام بھی جاری ہوا اور آپ کو گرفتار کر کے سہارنپور کی جیل میں بھیج دیا گیا، پھر وہاں سے مظفرنگر کی جیل

(۱) مفتی صدرالدین آزردہ ۱۲۰۴ھ مطابق ۱۷۸۹ء میں دہلی میں پیدا ہوئے، شاہ عبدالعزیز اور شاہ عبدالقادر سے علوم کی تکمیل کی، دہلی میں ایسٹ انڈیا کمپنی کی جانب سے صدر الصدور اور مفتی کے منصب پر فائز رہے، خارجی اوقات میں طلبہ کو اپنے گھر پر پڑھایا کرتے تھے، ۱۸۵۷ء میں جہاد کے فتویٰ پر دستخط کرنے کے الزام میں جائیداد اور تین لاکھ مالیت کا کتب خانہ ضبط کر لیا گیا، کئی مہینے نظر بند بھی رہے، عربی، فارسی، اُردو تینوں زبانوں میں اشعار کہتے تھے "آزردہ" آپ کا تخلص تھا، ۲۴ر ربیع الاول ۱۲۸۵ھ مطابق ۱۸۶۸ء جمعرات کو وفات ہوئی (تاریخ دارالعلوم دیوبند: ۱ر۱۲۷، حاشیہ)

(۲) حضرت شاہ عبدالغنی شعبان ۱۲۳۴ھ مطابق جون ۱۸۱۹ء میں پیدا ہوئے، آپ کا تعلق مجدد الف ثانیؒ کے خاندان سے ہے، شیخ عابد سندھی، شیخ اسماعیل اور شاہ اسحاق صاحب سے حدیث پڑھی، ۱۸۵۷ء میں ملک کو دارالحرب سمجھتے ہوئے ہجرت کر کے مدینہ منورہ چلے گئے اور وہاں درس حدیث کا سلسلہ شروع ہوا، حجاز اور مراکش وغیرہ میں آپ کے ہزاروں شاگرد ہوئے، ۷ر محرم ۱۲۹۶ھ مطابق ۳۱ر دسمبر ۱۸۸۷ء کو وفات ہوئی اور مدینہ ہی میں مدفون ہوئے (مولانا محمد قاسم نانوتوی — احوال وآثار: ۱۸۱)۔ (۳) دیکھئے: مولانا قاسم نانوتوی — احوال وآثار: ۱۸۰ حاشیہ۔

میں منتقل کر دیا گیا، چھ مہینے آپ نے جیل میں گذارے، پھر رہائی ہوگئی۔

جیل سے رہائی کے بعد گنگوہ میں ہی پھر سے درس و تدریس اور افتاء وارشاد کا سلسلہ شروع فرمایا، صبح ۱۲؍ بجے تک طلبہ کو پڑھاتے تھے، ایک سال میں پوری صحاح ستہ ختم کرا دینے کا التزام تھا، ۷۰، ۸۰ طلبہ آپ کے درس حدیث میں شریک ہوتے تھے، ۱۳۱۴ھ تک آپ کا درس جاری رہا، تین سو سے زائد حضرات نے آپ سے دورۂ حدیث کی تکمیل کی، درس حدیث میں آپ کے آخری شاگرد شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ کے والد ماجد مولانا محمد یحییٰ کاندھلوی تھے، آخر عمر میں ضعف بصارت کی وجہ سے تدریس کا سلسلہ بند ہوگیا، مگر ارشاد و تلقین اور افتاء کا سلسلہ جاری رہا، ۱۹؍ جمادی الاخریٰ ۱۳۲۳ھ مطابق ۱۱؍ اگست ۱۹۰۵ء جمعہ کے دن آپ کی وفات ہوئی۔

دارالعلوم دیوبند سے آپ کا تعلق

مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی کے بچپن ہی سے ہم سبق رہے اور حضرت نانوتوی کی وفات تک برابر تعلقات رہے؛ اس لئے بعید نہیں کہ دارالعلوم کے قیام میں آپ کا بھی حصہ رہا ہو، تاہم دارالعلوم کے قیام کے بعد اس مدرسہ سے آپ کے گہرے تعلقات رہے ہیں، خصوصاً حضرت نانوتویؒ کی وفات کے بعد یہ تعلقات اور بھی گہرے ہوگئے، دارالعلوم کی روئیداد بابت ۱۲۸۵ھ کے مطابق آپ نے باضابطہ یہاں کے طلبہ کا معائنہ فرمایا، جس کی تحریر کا کچھ حصہ اس طرح ہے:

> آج ۳۰؍ صفر ۱۲۸۵ھ کو یہ عاجز مدرسۂ دیوبند حاضر ہوا اور اتفاقِ ملاحظہ حالِ مدرسہ، مدرسین و طلبہ ہوا، اس وقت ۴۸ طلبہ موجود وحاضر تھے، کچھ کچھ جماعتِ متفرقہ کا جو سنا گیا تو فی الواقع اہتمامِ مہتممین اور حسنِ سعیِ مدرسین اور کوشش و محنتِ طلبہ کو قابلِ تحسین و آفریں پایا......۔(۱)

(۱) تاریخ دارالعلوم دیوبند: ۱۶۴/۱

حضرت نانوتوی کی وفات کے بعد ۱۲۹۷ھ میں آپ کو دارالعلوم کا سرپرست تجویز کیا گیا اور آپ کے بارے میں روداد میں یہ عبارت لکھی گئی :

> حضرت مولانا گنگوہی مثل حضرت نانوتوی کے ہیں اور ہمیشہ دارالعلوم کی ظاہری و باطنی امداد فرماتے رہے ہیں، اللہ تعالیٰ نے دارالعلوم کو نعم البدل عطا فرمادیا ہے، اس بات سے بڑی اُمید ہے کہ دارالعلوم کے کاموں میں انشاء اللہ اختلال نہیں آئے گا۔(۱)

۱۲۹۹ھ میں جب دارالعلوم میں دو تین سالوں کے فاصلے کے بعد بڑے پیمانہ پر جلسۂ دستار بندی منعقد ہوا، تو اس وقت فضلاء کے سروں پر حضرت گنگوہیؒ نے اپنے ہاتھ سے دستار باندھی، دارالعلوم کے احوال کا جائزہ لینے اور بعض احوال کی اصلاح کے لئے آپ دارالعلوم میں وقتاً فوقتاً قیام بھی فرماتے تھے، دارالعلوم میں آنے والے اہم استفتاءات کے جواب بھی از خود دیتے تھے، غرض حضرت نانوتوی کی حیات میں رہبری و رہنمائی اور حضرت نانوتوی کی وفات کے بعد آپ کی نگرانی و سرپرستی میں دارالعلوم برابر ترقی کی طرف گامزن رہا اور آپ کا تعلق دارالعلوم سے بالکل اسی طرح رہا جیسے حضرت نانوتویؒ کا تھا، یہی وجہ ہے کہ آپ کا انتقال ہوا تو اسے حضرت نانوتوی کے بعد دارالعلوم میں سب سے بڑا حادثہ قرار دیا گیا؛ چنانچہ دارالعلوم کی روداد میں لکھا ہے :

> مولانا مرحوم اسی صدف کے اعلیٰ درِّ یتیم تھے، جس سے حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی وغیرہ جیسے اعلیٰ حضرات نکلے تھے، حضرت مرحوم نے اپنے وجود باوجود کی بدولت مدرسہ دیوبند کو اس اعلیٰ ترقی پر پہنچایا تھا، جس کی نظیر آج بمشکل کسی دوسری جگہ مل سکے گی، آج صرف حضرت مرحوم ہی کی وفات نہیں ہوئی؛ بلکہ گویا آج تمام حضرات اکابر مدرسہ دیوبند مثل حضرت مولانا

(۱) تاریخ دارالعلوم دیوبند: ۱/۱۹۱

محمد قاسمؒ وغیرہ کی وفات ہوئی ہے، جن کی وفات کو حضرت مولانا
کی نعمت وجود سے مسلمان فراموش کئے ہوئے تھے۔(۱)

حضرت نانوتوی اور حضرت گنگوہی گویا دارالعلوم کے لئے آفتاب و ماہتاب تھے، اسی لئے دارالعلوم سے پہلے ''القاسم'' نامی رسالہ نکلتا تھا اور بعد میں جب القاسم کے معاونین کا حلقہ وسیع ہوگیا تو دوسرا رسالہ ''الرشید'' کے نام سے جاری کیا گیا اور ان دونوں رسالوں نے مسلمانوں کی دینی رہنمائی میں نمایاں خدمات انجام دیں، (۲) اور آج بھی دارالعلوم کے مسلک کی وضاحت میں حضرت نانوتوی کے ساتھ لازماً حضرت گنگوہی کا بھی ذکر آتا ہے۔

فقہ وفتاویٰ میں آپ کا مقام

حدیث اور فقہ حضرت گنگوہی کے دو خاص موضوع تھے؛ چنانچہ قیام گنگوہ کے زمانہ میں درس حدیث کے ساتھ فقہ و فتاویٰ کا سلسلہ بھی جاری تھا اور ہندوستان کے علاوہ بیرونِ ملک سے بھی کثرت سے استفتاءات آپ کی خدمت میں آتے تھے، فقہ و فتاویٰ میں آپ کے مقام کا یہ حال تھا کہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے پاس جو استفتاءات آتے تھے، حضرت نانوتوی عموماً وہ استفتاءات حضرت گنگوہی کے سپرد کردیتے تھے اور آپ ان کے جوابات لکھتے تھے، اسی طرح حضرت نانوتوی کی وفات کے بعد بھی دارالعلوم دیوبند میں آنے والے اہم استفتاءات آپ ہی کی خدمت میں بھیجے جاتے تھے اور آپ ان کے جواب عنایت فرماتے تھے اور کبھی خود دارالعلوم تشریف لاکر استفتاءات کے جواب تحریر فرمایا کرتے تھے، نیز حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ بھی اپنے قیام تھانہ بھون کے زمانہ میں اہم مسائل میں آپ ہی سے رُجوع ہوتے تھے، آپ کی فقہی بصیرت کا اعتراف کرتے ہوئے محدث کبیر علامہ انور شاہ کشمیریؒ آپ کو ''فقیہ النفس'' کہا کرتے تھے (۱) اور آپ کو علامہ ابن عابدین شامی پر بھی ترجیح دیا کرتے تھے، علامہ

---

(۱) تاریخ دارالعلوم دیوبند: ۱/۲۱۱، بحوالہ: روداد دارالعلوم ۱۳۲۲ھ

(۲) دیکھئے: تاریخ دارالعلوم دیوبند: ۱/۲۴۲ (۳) فتاویٰ رشیدیہ: ۱

کشمیری یہ بھی فرماتے تھے کہ ''اب سے ایک صدی پہلے تک اس شان کا فقیہ النفس جماعت علماء میں نظر نہیں آتا ہے'' (۱) ایک مرتبہ دارالعلوم دیوبند میں علامہ رشید رضا مصری کی آمد پر خطبۂ استقبالیہ میں علامہ کشمیری نے فرمایا کہ قاری طیب صاحبؒ نے اپنے گرانقدر رسالہ ''علماء دیوبند کا مسلک'' میں لکھا ہے کہ ہم علماء دیوبند جزئیات میں حضرت گنگوہی کو اپنا امام مانتے ہیں۔

حضرت گنگوہی چوں کہ مولانا احمد رضا بریلوی کے ہم عصر تھے؛ اس لئے آپ کے پاس بدعات وخرافات سے متعلق زیادہ استفتاءات آتے تھے، جس کی وجہ سے آپ کے بیشتر فتاویٰ انھیں موضوعات پر کسی قدر تصلب کے اظہار کے ساتھ ہیں۔

علمی و قلمی سرمایہ

حضرت گنگوہی نے درس وتدریس اور فقہ وفتاویٰ کے ساتھ مسلمانوں کی داخلی خرابیوں کے سد باب اور اسلام میں مشرکانہ اوہام وعقائد کے نفوذ کی راہوں کو بند کرنے نیز مسلمانوں کی عظمت رفتہ بحال کرنے کی جدوجہد میں زندگی صرف کی، جس کی وجہ سے تصنیف وتالیف کا زیادہ موقع نہیں مل سکا، تاہم آپ نے جو چند کتابیں تالیف فرمائی ہیں وہ اپنے موضوع سے متعلق گہری تحقیق پر مبنی ہیں، ذیل میں آپ کی چند تالیفات کا ذکر کیا جاتا ہے :

۱- سبیل الرشاد

مسلک احناف پر ایک طبقہ کی طرف سے جو شکوک وشبہات اور اعتراضات کئے جاتے ہیں، اس کتاب میں انھیں کے مفصل اور مدلل جوابات دیئے گئے ہیں اور شکوک وشبہات کا ازالہ کیا گیا ہے، مثلاً آمین بالجہر، قراءت خلف الامام، رفع یدین اور تقلید وغیرہ سے متعلق اس میں تفصیلی بحث کی گئی ہے۔

۲- الرأی النجیح

اس رسالہ میں تراویح سے متعلق روایات کو جمع کیا گیا ہے، پھر محدثانہ انداز میں

(۱) دیکھئے: سہ ماہی فکر اسلامی، معاصر فقہ اسلامی نمبر: ۴۴

روایات کے درمیان جمع و تطبیق کے ذریعہ رکعات تراویح کے مسئلہ کو سلجھانے کی کوشش کی گئی ہے، یہ رسالہ فتاویٰ رشیدیہ میں بھی شامل ہے۔

۳۔ اوثق العری

یہ رسالہ دراصل آپ کا ایک مفصل فتویٰ ہے، جس میں دیہات میں جمعہ کی فرضیت کے سلسلہ میں بحث کی گئی ہے، آپ نے دیہات میں جمعہ کی عدم فرضیت کو ثابت کیا ہے۔

۴۔ هداية الشيعة

یہ رسالہ ایک شیعی عالم کے سوالنامہ کا جواب ہے، جس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا خلیفہ بلافصل ہونا، اماموں کو درجۂ نبوت تک پہنچانا، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی میراث فدک وغیرہ کے جوابات دیئے گئے ہیں۔

۵۔ هداية المعتدی

اس رسالہ میں قراءت خلف الامام سے متعلق تفصیلی بحث کی گئی ہے۔

۶۔ زبدة المناسک

یہ رسالہ حج و عمرہ کے مسائل پر لکھا گیا ہے، جو بڑے سائز کے ساٹھ صفحات پر مشتمل ہے۔

۷۔ فتاویٰ رشیدیه

یہ آپ کے فتاویٰ کا مجموعہ ہے، پہلے یہ فتاویٰ تین الگ الگ اجزاء میں تھے، اب ان سب کو ایک جگہ جمع کر دیا گیا ہے، جن کی ضخامت (۵۰۰) صفحات ہے، زیادہ تر فتاویٰ محفل میلاد اور بدعات وغیرہ کے رد پر ہیں۔

ان کے علاوہ آپ کے درس حدیث کو آپ کے خاص شاگرد حضرت مولانا یحییٰ کاندھلوی نے قلم بند کیا تھا؛ چنانچہ بخاری، مسلم، ترمذی اور نسائی کے افادات کو لامع الدراری، الحل المفهم، الکوکب الدری اور الفیض السمائی کے نام سے بعد میں شائع کر دیا گیا۔

☆ ☆ ☆

مولانا خلیل احمد سہارنپوری

سن ولادت اور وطن

مولانا خلیل احمد کی ولادت آخر صفر المظفر ۱۲۶۹ھ مطابق دسمبر ۱۸۵۲ء میں "نانوتہ" میں ہوئی، آپ کا نام "ظہیر الدین" اور "خلیل احمد" رکھا گیا؛ لیکن شہرت و مقبولیت آپ کے دوسرے نام کو ملی، آپ کے والد کا نام شاہ مجید علی اور آپ کی والدہ کا نام مبارک النساء تھا، جو مولانا مملوک علی نانوتوی کی صاحبزادی تھیں، آپ کا نسب دادیہالی رشتہ سے حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے۔

مغربی یوپی کے ضلع سہارنپور میں ایک چھوٹا سا قصبہ "انبہٹہ" ہے، جو آٹھویں صدی ہجری سے آباد ہوا، اس بستی میں متعدد علماء اور اہل کمال پیدا ہوئے، آپ اسی بستی کے رہنے والے تھے، تاہم آپ کی پیدائش (جیسا کہ ذکر ہوا) آپ کے نانیہالی قصبہ "نانوتہ" میں ہوئی تھی۔

مولانا خلیل احمد کا علمی تعلق دارالعلوم دیوبند اور مظاہر علوم سہارنپور، دونوں سے رہا ہے، جس کی وجہ سے دونوں ادارے آپ کو اپنی طرف منسوب کرنے میں فخر محسوس کرتے ہیں اور آپ کی خدمات کو اپنے ہی ادارہ کے ایک فاضل کی خدمات تصور کرتے ہیں۔

ابتدائی تعلیم

آپ کی تعلیم کا رسمی آغاز (رسمِ بسم اللہ) بزرگ عالم دین اور آپ کے نانا مولانا مملوک علی صاحب کے ذریعہ ہوا، آپ نے بہت کم عمر میں قرآن شریف ناظرہ پڑھ لیا تھا اور اُردو،

فارسی وغیرہ کی تعلیم حاصل کرلی تھی، گیارہ سال کی عمر میں تعلیم کی غرض سے اپنے چچا مولانا انصار علی (جو ریاست گوالیار کے صدر الصدور تھے) کے ساتھ گوالیار چلے گئے اور وہاں ان سے میزان الصرف، صرف میر اور پنج گنج وغیرہ پڑھیں، آپ کے والد صاحب گوالیار ہی میں ملازم تھے؛ لیکن کچھ دنوں بعد انھوں نے ملازمت چھوڑ دی اور انبہٹہ واپس ہونے لگے تو آپ بھی والد صاحب کے ساتھ گھر چلے آئے اور گھر پر ہی مولانا سخاوت علی صاحب سے ''کافیہ'' تک کی تعلیم حاصل کی۔

دارالعلوم دیوبند میں داخلہ اور تعلیم سے فراغت

گھر پر چوں کہ تعلیم کا زیادہ اچھا انتظام نہیں تھا؛ اس لئے آپ نے انگریزی پڑھنے کے لئے اسکول میں داخلہ لے لیا؛ لیکن چھ مہینہ بعد جب محرم ۱۲۸۳ھ مطابق مئی ۱۸۶۶ء میں دارالعلوم دیوبند کی بنیاد پڑی، جہاں آپ کے ماموں مولانا محمد یعقوب نانوتوی صدر مدرس تھے، تو انھوں نے ۱۲۸۵ھ میں آپ کو دارالعلوم دیوبند میں داخل کردیا؛ چنانچہ آپ خود اپنی سرگذشت میں لکھتے ہیں:

> میرے والد گوالیار میں ملازم تھے اور میرے چچا بھی وہیں کہیں رہتے تھے، اتفاق سے چچا بھی گوالیار آگئے، انھوں نے مجھے عربی شروع کرادی، اس وقت میں بوستاں پڑھتا تھا، عربی شروع کرکے صرف میر، پنج گنج تک پڑھا کہ والد صاحب نے ملازمت چھوڑ کر انبہٹہ کا ارادہ کیا، میں بھی ہمراہ آگیا، انبہٹہ میں کوئی پڑھا لکھا نہیں تھا، یوں ہی سستم پستم کافیہ، شرح جامی تک پڑھا کہ مدرسہ دیوبند کی بنیاد پڑگئی، میں، برادر مولوی عبداللہ اور برادر مولوی صدیق احمد مدرسہ میں داخل ہوئے، شرح جامی تک پڑھ چکے تھے، مگر مولانا محمد یعقوب صاحب نے کافیہ تجویز فرماکر اس میں داخل کردیا۔(۱)

(۱) فتاویٰ خلیلیہ: ۱۲/۱، بحوالہ: قلمی مجموعہ: ۳۳

دارالعلوم دیوبند میں شرح تہذیب وغیرہ پڑھ کر مظاہر علوم سہارنپور چلے گئے، وہاں تفسیر، حدیث، فقہ اور عقائد و کلام وغیرہ پڑھنے کے بعد پھر ۱۲۸۹ھ میں دارالعلوم دیوبند آ کر منطق، فلسفہ اور تاریخ وادب کی اعلیٰ کتابیں پڑھ کر تعلیمی سلسلہ سے فراغت حاصل کی۔(۱)

خاص آپ کے حالات پر لکھی گئی کتاب ''تذکرۃ الخلیل'' میں آپ کے دارالعلوم دیوبند میں داخل ہونے کی تاریخ ۱۲۸۵ھ کے بجائے ۱۲۸۳ھ لکھا ہے، نیز دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے سلسلہ میں مکمل سکوت اختیار کیا گیا ہے؛ لیکن آپ کے تفصیلی حالات جاننے کے لئے اس کتاب کی جامعیت اور مرجعیت تسلیم کرنے کے باوجود، اس کتاب کی بعض فروگذاشت پر بھی بہت سے لوگوں نے نشاندہی کی ہے، مولانا نورالحق راشد کاندھلوی لکھتے ہیں :

اس میں واقعات و تاریخ کی متعدد فروگذاشتیں ہیں ، کچھ فروگذاشتوں کا شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا اور مولانا اخلاق احمد انبہٹوی کی تصحیحات وحواشی میں ذکر آ گیا ہے۔(۲)

چنانچہ انھیں فروگذاشتوں میں مذکورہ تاریخ اور دارالعلوم دیوبند سے فراغت کا ذکر نہ آنا بھی ہے؛ اس لئے کہ دارالعلوم دیوبند سے آپ کو باضابطہ سند عطا کی گئی ہے اور اس سند پر آپ کے داخلہ کی تاریخ ۱۲۸۵ھ لکھی ہے، سند کی عبارت اس طرح ہے :

مولوی خلیل احمد ساکن انبہٹہ (نبیرہ مولانا مولوی مملوک علی صاحب مرحوم) ۱۲۸۵ھ میں اس مدرسہ میں داخل ہوئے، اس وقت کافیہ پڑھتے تھے، قریب ایک سال کے عرصہ میں کتب مفصلۂ ذیل تحصیل کیں: کافیہ، شرح ملا جامی، ایساغوجی، قال اُقول، میزان، منطق، مرقات، شرح تہذیب، بعد اس کے بضرورتِ قربِ وطن مدرسہ سہارنپور میں کتب درسیہ حدیث،

(۱) دیکھئے: تاریخ دارالعلوم دیوبند: ۲/۱۳۱

(۲) از: سہ ماہی ''فکر اسلامی' بستی'' معاصر فقہ اسلامی نمبر'': ۸۳

> فقہ و تفسیر و اُصول و عقائد و معانی و منطق تکمیل کو پہنچائیں، آخر ۱۲۸۹ھ میں پھر اسی مدرسہ میں آکر میر زاہد، رسالہ شمس بازغہ، مقامات حریری، دیوان متنبی و حماسہ و تاریخ میں کچھ پڑھا، استعداد درست اور ذہن وذکا خوب اور مناسبت مناسب ہے۔(۱)

درس و تدریس

دارالعلوم دیو بند سے تکمیل علوم کے بعد مظاہر علوم سہارنپور میں آپ مدرس مقرر ہوئے، (۲) مگر چوں کہ آپ کو عربی ادب کا بہت شوق تھا اور اس حوالہ سے آپ مولانا فیض الحسن ادیب سے بے حد متاثر تھے، مولانا فیض الحسن اس وقت لاہور یونیورسٹی میں مدرس تھے، چنانچہ آپ مظاہر علوم چھوڑ کر لاہور تشریف لے گئے اور مولانا موصوف سے عربی ادب سیکھا اور مقامات حریری، دیوان متنبی وغیرہ پڑھیں، لاہور سے واپسی کے بعد آپ دارالعلوم دیو بند اپنے ماموں مولانا یعقوب صاحب کے پاس پہنچے، مولانا یعقوب صاحب نے آپ کی عربیت کے ذوق کو مزید فروغ دینے اور تقویت پہنچانے کے لئے عربی کی مشہور کتاب ''قاموس'' کا ترجمہ کرنے کے لئے ''منصوری'' بھیج دیا، وہاں ایک دو ماہ قیام کے بعد آپ واپس آگئے اور مدرسہ عربیہ منگلور میں خدمت انجام دینے لگے، پھر جب مولوی جمال الدین — جو بھوپال میں ''مدار المہام'' تھے — نے مولانا یعقوب صاحب کو بھوپال آنے کی دعوت دی تو انھوں نے دارالعلوم چھوڑنا مناسب نہیں سمجھا اور اپنی جگہ مولانا خلیل احمد صاحب کو ۱۲۹۳ء میں بھوپال بھیج دیا، تاہم بھوپال آپ کے مزاج کے موافق نہیں ہوسکا اور چند ہی ماہ بعد آپ حج کے لئے چلے گئے، حج سے واپسی پر مولانا یعقوب صاحب نے آپ کو بھاول پور بھیج دیا، پھر ۱۲۹۷ھ میں آپ نے دوبارہ حج کا ارادہ فرمایا اور اس حج سے واپسی کے بعد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی نے آپ کو مدرسہ مصباح العلوم بریلی کا صدر مدرس بنا کر وہاں بھیج دیا۔

---

(۱) حاشیہ تاریخ دارالعلوم دیو بند: ۳۲/۲ (۲) تاریخ دارالعلوم دیو بند: ۳۲/۲

۱۳۰۸ھ میں حضرت گنگوہی (سرپرست دارالعلوم دیوبند) کے ارشاد پر آپ دارالعلوم دیوبند تشریف لائے اور بحیثیت استاذ دوم (نائب مدرس اعلیٰ) آپ کا تقرر ہوا، پھر حضرت گنگوہی کے ہی حکم سے ۵ رجمادی الاخری ۱۳۱۴ھ مطابق نومبر ۱۹۹۶ء کو آپ مظاہر علوم تشریف لے گئے اور وہاں صدر مدرس کی حیثیت سے آپ کا تقرر رہا اور ۱۳۲۵ھ میں آپ کو وہاں کا ناظم بنایا گیا، پھر اواخر عمر (شوال ۱۳۴۴ھ) میں ہجرت کر کے مدینہ منورہ میں مقیم ہو گئے۔

غرض آپ کا علمی تعلق دارالعلوم دیوبند اور مظاہر علوم سہارنپور دونوں اداروں سے رہا ہے، جس کی وجہ سے دونوں ادارے آپ کو اپنی طرف منسوب کرنے میں فخر محسوس کرتے ہیں اور آپ کی خدمات کو بجا طور پر اپنے ایک فاضل کی خدمت تصور کرتے ہیں؛ کیوں کہ احادیث وفقہ کی تعلیم سے فراغت تو آپ نے مظاہر علوم سے حاصل کی تھی؛ لیکن دارالعلوم کے قیام کی ابتداء ہی میں آپ نے دارالعلوم میں داخلہ لیا اور مختلف کتابیں پڑھیں اور مظاہر علوم سے کتب حدیث پڑھنے کے بعد پھر منطق وفلسفہ اور ادب و تاریخ وغیرہ کی کتابیں دارالعلوم دیوبند میں آکر پڑھیں — اس طرح آپ کی تعلیم کا ابتدائی ادارہ بھی دارالعلوم دیوبند ہے اور آپ کی ''تعلیم سے فراغت'' بھی دارالعلوم دیوبند ہی سے ہوئی، نیز آپ کی تدریسی زندگی کا بھی بعض حصہ دارالعلوم دیوبند میں اور بعض حصہ مظاہر علوم سہارنپور میں گذرا؛ اس لئے صحیح بات یہ ہے کہ دونوں اداروں سے آپ کا یکساں تعلق رہا ہے اور آپ دونوں اداروں کے لئے ''قابل فخر سپوت'' کا بھی درجہ رکھتے ہیں اور ''قابل قدر مربی'' کا بھی۔

شانِ تفقہ

جیسا کہ مذکور ہوا کہ حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری متعدد علوم وفنون کے متبحر عالم تھے؛ تاہم حدیث وفقہ سے آپ کو خاص مناسبت تھی اور یہ مناسبت حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی جیسی فقیہ النفس شخصیت کی سرپرستی اور شفقت وعنایت کی وجہ سے آپ میں پیدا ہوئی تھی۔

آپ کی شانِ تفقہ اور فقہی بصیرت کا سب سے پہلا نمونہ حضرت گنگوہی سے فقہی اعتراضات و جوابات ہیں، جن میں فقہ کی بعض اہم ترین کتابوں، خصوصاً ہدایہ کی بعض عبارتوں اور دقائق کو حل کرنے کی درخواست کی گئی تھی، چنانچہ آپ کے خطوط کے جواب میں حضرت گنگوہی لکھتے ہیں :

> شبہات ہدایہ آپ نے کیا لکھے، اجتہادیات کی لِم (حقیقت) کا استفسار ہے...... یہ وہ مقام ہے کہ بندہ اس مقام پر طلبہ سے بیان کرتا ہے اور طلبہ آج تک قبول کرتے رہتے ہیں؛ مگر تم ماشاء اللہ ذکی آدمی ہو، اگر کوئی شبہ، خدشہ کروگے تو پھر شروح کی طرف رُجوع کرنا ہوگا۔(۱)

اور حضرت گنگوہی آپ کی باریک بینی اور ہدایہ کی عبارت پر شبہات کی قوت کا اعتراف اس طرح کرتے ہیں :

> تم جیسے ذکی کا جواب مجھ جیسے مٹھے (۲) سے کیسا ہو؟ استفسارات آپ کے سب کے سب قوی ہیں، ہر ایک جواب دے نہیں سکتا۔(۳)

یہی وجہ ہے کہ حضرت گنگوہی کو آپ پر فخر حاصل تھا اور آپ کو اپنے لئے ذریعۂ نجات اور آخرت کا سرمایہ سمجھتے تھے، یہاں تک کہ ایک خط کے جواب میں حضرت گنگوہی نے فارسی کا یہ شعر لکھ کر بھیجا تھا کہ :

در گور بَرَم از سرِ گیسوئے تو تارے
تا سایہ کُنَد بر سرِ من روزِ قیامت

ترجمہ : تمہارے سر کا ایک بال میں اپنی قبر میں لے

---

(۱) تذکرۃ الخلیل:۸۳، مکتبۃ الشیخ، کراچی، پاکستان۔

(۲) کند ذہن، موٹی سمجھ کا۔ (۳) تذکرۃ الرشید:۱/۱۶۲

جاؤں گا؛ تاکہ قیامت کے دن وہ بال میرے سر پر سایہ کا
کام دے۔

حضرت گنگوہی جس طرح آپ کو اپنے لئے سرمایۂ افتخار سمجھتے تھے، اسی طرح حضرت مولانا خلیل احمد بھی اپنے استاذ حضرت گنگوہی سے اتنی ہی عقیدت رکھتے تھے اور اعتراف کرتے تھے کہ ہمیں جو کچھ بھی حاصل ہوا ہے، وہ سب حضرت گنگوہی کا ہی صدقہ ہے؛ چنانچہ ایک مرتبہ جب مولانا ظفر احمد تھانوی نے آپ سے عرض کیا کہ ''اس وقت تو تفقہ حضرت والا پر ختم ہے کہ حق تعالیٰ نے اسی کے لئے آپ کو پیدا فرمایا ہے'' تو آپ نے بے ساختہ جواب دیا کہ ''میاں ظفر! یہ سب گنگوہ کی حاضری کی برکت ہے اور اپنے حضرت کی جوتیوں کا صدقہ ہے، اگر میں گنگوہ حاضر نہ ہوتا تو نہ معلوم کس کھیت کا بتھوا(۱) ہوتا''۔(۲)

حضرت مولانا خلیل احمد اپنے تفقہ اور مرجعیت میں حضرت گنگوہی کے سچے جانشین تھے؛ چنانچہ جب حضرت گنگوہیؒ کا وصال ہو گیا تو حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے فرمایا :

مجھے اب تک جو کچھ بھی دریافت کرنا ہوتا تھا، حضرت گنگوہی سے
دریافت کر لیا کرتا تھا، حضرت کے بعد اب جو کچھ مجھے دریافت
کرنا ہوگا، وہ جناب والا سے دریافت کر لیا کروں گا اور حضرت
والا کو جواب کی تکلیف کرنا ہوگی۔(۳)

علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے ایک مرتبہ دورانِ سبق طلبہ کے سامنے فقہ میں آپ کے ''یکتائے روزگار'' اور ''یگانۂ زمانہ'' ہونے کو اس طرح بیان کہ ''دیکھو پڑھانے والے مدرس بہت ہیں؛ مگر آج فقیہ ایک ہی شخص ہے'' اور علامہ نے آپ کی شان میں ایک قصیدہ بھی لکھا، جس کے چند اشعار اس طرح ہیں :

(۱) ایک قسم کا ساگ جو گیہوں کے پودوں کے ساتھ پیدا ہوتا ہے (فیروز اللغات)

(۲) تذکرۃ الخلیل: ۲۹۷ (۳) تذکرۃ الخلیل: ۳۲۸

إمام ، قدوة ، عدل ، أمين — ونور مستبين كالنهار
إليه المنتهى حفظا وفقها — واضحى في الرواية كالمدار
"فقيه النفس" مجتهد مطاع — وكوثر علمه بالخير جار. (۱)

ماضی قریب کے مشہور عالم و مفکر حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ آپ کی شان تفقہ کے بارے میں لکھتے ہیں :

> ہمارے اس عہد میں جن چیدہ اور برگزیدہ علماء کو اس دولت علم وحکمتِ دین سے بہرۂ وافر ملا، جس کو حدیث صحیح میں "من يرد الله به خيرا يفقه في الدين "(۲) کے عمیق وجامع الفاظ سے ادا کیا گیا ہے، ان میں حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری خاص مقام رکھتے ہیں ...... اور اس کے حامل ومتصف کو "فقیہ النفس" کے لفظ سے ہماری قدیم کتابوں میں یاد کیا گیا ہے۔ (۳)

فقہی خدمات

حضرت مولانا کی دینی وملی خدمات یوں تو بہت سے اہم عنوانات پر پھیلی ہوئی ہیں، تاہم فقہ وفتاویٰ کو آپ کی خدمات کا ایک خاص عنوان اور آپ کی توجہ کا خاص مرکز قرار دیا جاسکتا ہے، فقہ وفتاویٰ کا کام آپ نے طالب علمی کے آخری دور اور زمانۂ تدریس کے ابتدائی ایام سے ہی شروع فرمادیا تھا اور آپ کے فتاویٰ پر اساتذہ کو اس قدر اعتماد اور عوام کو ایسا اطمینان ہوتا تھا کہ لوگ کثرت سے آپ کی طرف رجوع ہوتے تھے اور آپ اپنی نوعمری (۲۷ رسال کی عمر) میں ہی "اہل فتاویٰ" میں شمار ہونے لگے اور آپ کے گہربار قلم سے ہزاروں مسلمانوں کے مسائل حل ہونے لگے، جو مسائل سخت اور پیچیدہ ہوتے تھے اور جنھیں بڑے بڑے جید علماء حل

(۱) بذل المجهود: ۶/۱
(۲) صحیح بخاری: ۶۹، کتاب العلم .
(۳) مقدمہ فتاویٰ خلیلیہ: ۴/۱، ط: شعبۂ نشر واشاعت جامعہ مظاہر علوم سہارنپور۔

نہیں کر پاتے تھے، ایسے وقت میں وہ آپ سے رُجوع ہوتے تھے، یا آپ کی خدمت میں وہ مسائل بھیج دیتے تھے؛ چنانچہ شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی، شاہ عبدالرحیم رائے پوری، علامہ انور شاہ کشمیری، مولانا اشرف علی تھانوی اور مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی رحمہم اللہ جیسے اساطین بھی آپ سے رُجوع ہوتے یا آپ کی خدمت میں استفتاء بھیج دیتے تھے اور آپ ان سب کا بڑی باریک بینی سے تحقیقی جواب عنایت فرماتے تھے؛ چنانچہ ایک مرتبہ ایک حکیم صاحب دواؤں کے حلال وحرام ہونے سے متعلق ایک کتاب لکھ رہے تھے، انھوں نے اپنی تحقیق کے مطابق بہت ساری دواؤں کے حلال یا حرام ہونے کا حکم لکھ دیا؛ لیکن ستائیس سوالات رہ گئے تھے، جن کے متعلق حکیم صاحب کوئی واضح اور شرعی حل نہیں پاسکے تو حضرت تھانویؒ سے رُجوع کیا، حضرت تھانویؒ نے چند سوالات کے جوابات عنایت فرمائے اور باقی سوالات کی تحقیق کے لئے علامہ انور شاہ کشمیریؒ یا مولانا خلیل احمد سہارنپوری سے رابطہ کرنے کا مشورہ دیا، حکیم صاحب پہلے دیوبند آئے اور علامہ کشمیری سے دریافت کیا، علامہ کشمیری نے ایک مہینہ کا وقت لیا کہ اس سے کم وقت میں ایسے تحقیق طلب سوالات کا جواب مشکل ہے، حکیم صاحب کو عجلت تھی چنانچہ انھوں نے حضرت مولانا خلیل احمد سے رُجوع کیا، حضرت نے سوالات پڑھتے ہی ان سب کے مفصل جوابات اسی وقت اسی مجلس میں لکھوادیئے، حکیم صاحب کو ایسا اطمینان بخش اور تحقیقی جواب اتنی جلدی لکھ دینے پر حیرانی ہوئی اور انھوں نے برملا کہا کہ "ایسا متبحر فقیہ میری نظر سے نہیں گذرا"۔(۱)

سالہا سال آپ نے مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور کے دارالافتاء کی نگرانی وسرپرستی فرمائی اور آپ کی دستخط وتصدیق کے بغیر کوئی فتوی وہاں سے جاری نہیں ہوتا تھا، آپ کے فتاویٰ کا ایک مجموعہ فتاویٰ خلیلیہ (فتاویٰ مظاہر علوم) کے نام سے شائع ہوا ہے، جو یقیناً علم وتحقیق کی دنیا کے لئے ایک نایاب تحفہ ہے۔

---

(۱) سہ ماہی فکر اسلامی: ۴۰، ۴۷، بحوالہ: تذکرۃ الخلیل: ۲۹۳

وفات

شوال ۱۳۴۴ھ کو آپ ہجرت کر کے مدینہ منورہ چلے گئے تھے، اس کے ڈیڑھ سال بعد ۱۵ر ربیع الثانی ۱۳۴۶ھ مطابق ۱۲/۱۰ اکتوبر ۱۹۲۷ء کو عمر کی ۷۷ بہاریں گذار کر فالج کے مرض میں اس دارِ فانی سے کوچ کر گئے اور جنت البقیع میں حضرت عثمان ذی النورینؓ کے قریب اور اپنے شیخ عبدالغنی المجددی مہاجر مدنی کے بازو میں مدفون ہوئے۔(۱)

تالیفات

آپ کے گہر بار قلم سے بہت سارے موضوعات پر علمی و تحقیقی کتابیں شائع ہوئیں، جن کو اہل علم کے درمیان سند کا درجہ حاصل ہوا، ذیل میں ان کتابوں کا نام اور مختصر تعارف پیش کیا جا رہا ہے:

۱- "مطرقة الكرامة على مرآة الإمامة": — یہ کتاب روافض کے رد میں لکھی گئی تھی، جو (۲۷) صفحات پر مشتمل ہے، پہلی مرتبہ اس کی اشاعت ۱۳۲۰ھ میں ہوئی۔

۲- "المهند على المفند": — آپ نے علماءِ مدینہ منورہ کے ستائیس سوالات کے جوابات تحریر فرمائے تھے، جو (۶۴) صفحات پر پھیلے ہوئے تھے، اسی کو کتابی شکل دے دی گئی اور پہلی دفعہ ۱۳۲۵ھ میں اس کی اشاعت ہوئی۔

۳- "براهين قاطعه على ظلام أنوار ساطعه": — یہ کتاب رد بدعات میں لکھی گئی ہے، جو (۲۷۹) صفحات پر مشتمل ہے، اس کی اشاعت ۱۳۰۴ھ میں ہوئی تھی۔

۴- "اتمام النعم": — یہ دراصل "تبویب الحکم" کا اُردو ترجمہ ہے، جو سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے حکم سے ۱۳۱۳ھ میں آپ نے کیا تھا، پھر مولانا عبداللہ گنگوہی نے اس کی شرح و توضیح کی اور شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا علیہ الرحمہ نے اس پر طویل مقدمہ تحریر فرمایا، اس طرح یہ کتاب ۲۶۸ر صفحات میں شائع ہوئی۔

(۱) ماخوذ از: مقدمہ بذل المجهود: ۶/۱

۵- ''هدیات الرشید'':— یہ کتاب بھی روافض کے رد میں لکھی گئی ہے، جو ۲۸۸ر صفحات پر مشتمل ہے، یہ کتاب پہلی مرتبہ ۱۳۰۹ھ میں شائع ہوئی تھی۔

۶- ''سوال از جمیع علماء شیعہ'':— علماء شیعہ سے کئے گئے متعدد سوالات کا مجموعہ ہے، جو ایک کتاب کی شکل اختیار کرگیا ہے۔

۷- ''تنشیط الأذهان فی تحقیق محل الأذان'':— خطبۂ جمعہ کی اذان مسجد کے اندر دی جائے یا باہر؟ اس سلسلہ میں یہ ایک تحقیقی اور تفصیلی مقالہ ہے۔

۸- ''بذل المجهود فی حل أبی داؤد'':— اس کتاب کو مولانا کا بڑا علمی کارنامہ قرار دیا گیا ہے، ربیع الاول ۱۳۳۵ھ سے شعبان ۱۳۴۵ھ تک دس سال کے طویل عرصہ میں آپ نے اس کام کو مکمل فرمایا، یہ کتاب پانچ جلدوں میں پھیلی ہوئی ہے، جس کے مجموعی صفحات کی تعداد (۱۹۲۸) ہے۔

۹- ''فتاویٰ خلیلیہ'':— آپ کے ان فتاویٰ کا مجموعہ ہے، جو آپ نے مظاہر علوم سہارنپور کے دار الافتاء سے جاری فرمائے تھے؛ اسی لئے اس کو ''فتاویٰ مظاہر علوم'' کے نام سے بھی جانا جاتا ہے، اس کو مولانا سید محمد خالد نے مرتب کیا ہے۔

☆ ☆ ☆

مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی

سن ولادت اور تعلیم و تدریس

آپ کا اصل نام عزیز الرحمٰن اور تاریخی نام "ظفر الدین" تھا، آپ قصبۂ دیوبند ضلع سہارنپور میں ۱۲۷۵ھ میں پیدا ہوئے، آپ کے والد گرامی مولانا فضل الرحمٰن دارالعلوم کے بانیوں میں تھے، مولانا حبیب الرحمٰن (مہتمم دارالعلوم دیوبند) کے آپ بڑے بھائی اور مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کے علاتی بھائی تھے۔

قاعدہ اور ناظرہ قرآن شریف کی تعلیم آپ نے اپنے گھر میں ہی والد صاحب سے حاصل کی، پھر ۱۲۸۴ھ میں جب دارالعلوم دیوبند میں درجۂ قرآن شریف جاری ہوا تو دارالعلوم کے اس درجہ میں آپ کو داخل کر دیا گیا اور ۱۲۸۷ھ میں آپ نے قرآن مجید کا حفظ مکمل فرمالیا، حفظ کی تکمیل کے بعد دارالعلوم ہی میں آپ نے درس نظامی کی مکمل تعلیم حاصل کی اور ۱۲۹۵ھ میں بخاری شریف، مسلم شریف وغیرہ کا امتحان دے کر دورۂ حدیث سے فراغت حاصل کی، تاہم ۱۲۹۷ھ تک آپ نے دارالعلوم ہی میں تعلیم و تعلم کا مزید سلسلہ جاری رکھا اور تمام علوم عربیہ کی تکمیل کی،(۱) ۱۷ر شوال ۱۲۹۸ھ میں جب دارالعلوم کے نوتعمیر شدہ مکان میں سب سے پہلا جلسہ دستار بندی ہوا تو حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی اور دیگر اکابر کے دست مبارک سے آپ کو سند اور دستار فضیلت عطا کی گئی۔(۲)

تعلیم سے فراغت کے بعد ۱۲۹۹ھ میں کچھ عرصہ دارالعلوم ہی میں آپ معین المدرسین کی حیثیت سے تدریسی خدمت انجام دیتے رہے، اس دوران مولانا یعقوب کی نگرانی میں

(۱) دیکھئے: مقدمہ عزیز الفتاویٰ: ۱ر۷۷ (۲) دیکھئے: تاریخ دارالعلوم دیوبند: ۲ر۴۵

فتاویٰ نویسی کی خدمت بھی آپ نے انجام دی، پھر ۱۳۰۰ھ میں آپ کو مدرسہ اسلامیہ اندر کوٹ (میرٹھ) مدرس بنا کر بھیج دیا گیا، وہاں کئی سال تک آپ نے تدریسی خدمت انجام دی، ۱۳۰۹ھ میں اکابر دارالعلوم دیوبند نے نائب مہتمم کی حیثیت سے آپ کا نام پیش کیا اور آپ دارالعلوم آگئے، پھر ایک سال بعد آپ کو یہاں کا مفتی و مدرس مقرر کیا گیا، چنانچہ دارالعلوم کی روداد میں لکھا ہے :

> مولوی عزیز الرحمٰن نے فراغت کے بعد بطور معین المدرسین دارالعلوم دیوبند میں درس دیا اور حضرت مولانا یعقوب صاحب کی نگرانی میں افتاء کا کام بھی کیا...... چند سال تک میرٹھ کے مدرسہ اسلامیہ واقع اندر کوٹ میں مدرس رہے...... ۱۳۰۹ھ میں آپ کو میرٹھ سے دیوبند لایا گیا، اس وقت سے برابر دارالعلوم کی خدمت میں مصروف ہیں، آپ اس وقت مفتی مدرسہ ہیں؛ لیکن حدیث وتفسیر اور فقہ کے چند اسباق آپ سے متعلق ہیں۔(۱)

خدمتِ افتاء

افتاء کا کام آپ نے فراغت کے بعد دارالعلوم میں معین مدرس کے زمانہ سے ہی شروع کر دیا تھا، اس وقت آپ افتاء کا کام حضرت مولانا یعقوب صاحب (صدر مدرس دارالعلوم دیوبند) کی نگرانی میں کیا کرتے تھے، پھر جب آپ کو ۱۳۰۹ھ میں نائب مہتمم کی حیثیت سے دارالعلوم دیوبند لایا گیا، اس وقت آپ تدریس اور انتظامی اُمور کے ساتھ افتاء کی خدمت بھی انجام دیتے تھے اور بالآخر جب ۱۳۱۰ھ میں دارالعلوم میں مستقل دارالافتاء قائم کرنے کی تجویز منظور ہوئی تو حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی نے وہ تمام جوہر جو ایک ذمہ دار مفتی میں درکار ہیں، آپ کے اندر دیکھ کر آپ کو دارالافتاء کا صدر مفتی نامزد کیا اور آپ نے

(۱) روداد دارالعلوم دیوبند:۱۹، (۱۳۲۳ھ)

نیابت اہتمام کا انتظامی کام چھوڑ کر مستقل فتاویٰ نویسی کی خدمت شروع کر دی، پھر اس کے بعد تو فتاویٰ نویسی آپ کی زندگی کا ایک اہم حصہ بن گیا اور موت تک یہ سلسلہ جاری رہا، یہاں تک کہ آپ کے شاگرد مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی نے اپنے بعض دوستوں کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ وفات سے تھوڑی دیر قبل بھی آپ کے ہاتھ سے میں ایک فتویٰ تھا، جس کو موت ہی نے ہاتھ سے چھڑا کر سینہ پر ڈال دیا تھا۔(۱)

حضرت مفتی صاحب نے تقریباً چالیس سال دارالعلوم کے دارالافتاء میں خدمت انجام دی، اس عرصہ میں آپ نے بڑے بڑے پیچیدہ اور مشکل سوالات کے جواب قلمبند فرمائے، سینکڑوں فتاویٰ ایسے بھی تحریر فرمائے، جو نہ صرف فتویٰ؛ بلکہ معرکۃ الآراء مہمات میں محاکمہ کی حیثیت رکھتے ہیں، سفر میں بھی دارالافتاء کی ڈاک آپ کے ساتھ رہتی تھی اور آپ مراجعت کتب کے بغیر اپنی خداداد ذہانت اور بے پناہ صلاحیت کی وجہ سے بے تکلف فتاویٰ لکھاتے رہتے تھے، تاریخ دارالعلوم میں آپ کی شانِ تفقہ کو اس طرح بیان کیا گیا ہے:

> یوں تو فتاویٰ ہر زمانہ میں لکھے گئے ہیں، مگر فتاویٰ نویسی کا جو کمال حضرت مفتی صاحب کو حاصل تھا، یہ کمال جماعت دیوبند میں صرف تین ہی شخصوں کے حصہ میں آیا تھا: ایک حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، دوسرے حضرت مفتی صاحب اور تیسرے حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب دہلویؒ۔(۲)

جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں

۱۳۰۰ھ میں جب علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے دارالعلوم سے استعفیٰ دیا تو حضرت شاہ صاحب کے ساتھ آپ نے بھی استعفیٰ دے دیا، پھر علامہ کشمیریؒ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل تشریف لے گئے؛ لیکن ۱۳۴۷ھ میں علامہ کشمیری اپنی علالت کی وجہ سے دیوبند واپس آگئے، اس وقت

(۱) دیکھئے: عزیز الفتاویٰ: ۱/۸۷ (۲) تاریخ دارالعلوم دیوبند: ۲/۴۷

ان کے اسباق میں بخاری شریف کے چودہ پارے باقی تھے؛ اس لئے جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کے ذمہ داروں نے مفتی عزیز الرحمٰن سے اصرار کے ساتھ درسِ بخاری کے لئے درخواست کی؛ چنانچہ وسط ربیع الثانی ۱۳۴۷ھ میں آپ بخاری کا درس دینے ڈابھیل تشریف لے گئے اور صرف ڈیڑھ ماہ میں بخاری شریف کے باقی ماندہ چودہ پارے ختم کرادیئے۔

وفات وتدفین

جمادی الاخریٰ ۱۳۴۷ھ میں مفتی صاحب جامعہ ڈابھیل سے بخاری شریف کا درس مکمل فرما کر واپس دیوبند تشریف لارہے تھے کہ راستہ میں طبیعت خراب ہوگئی، اسی علالت میں ۱۷ر جمادی الثانی ۱۳۴۷ھ مطابق ۱۹۲۸ء کی شب میں آپ کا انتقال ہوگیا، دوسرے دن آپ کا جنازہ ہوا، نماز جنازہ مولانا اصغر حسین صاحب نے پڑھائی اور مزارِ قاسمی (دیوبند) میں آپ کی تدفین عمل میں آئی۔

فتاویٰ نویسی کے اس مہتم بالشان کام اور دارالعلوم کی بعض ذمہ داریوں کی وجہ سے آپ کو مستقل تصنیف وتالیف کا وقت تو نہیں مل سکا، تاہم آپ کے علمی سرمایہ میں آپ کے گہربار قلم سے لکھے گئے وہ بیش قیمت فتاویٰ ہیں، جو آپ نے دارالعلوم کے دارالافتاء سے جاری فرمائے، ان میں سے ۱۸-۱۹ رسال (۱۳۱۰ھ سے ۱۳۲۸ھ تک) کے فتاویٰ تو بالکل محفوظ نہیں رہ سکے اور ۱۳۲۹ھ سے ۱۳۳۲ھ تک کے بعض ہی فتاویٰ کی نقل محفوظ کی جاسکی، ۱۳۳۰ھ کے بعد سے آپ کے فتاویٰ کی نقل رکھنے کا باضابطہ اہتمام کیا گیا، چنانچہ آپ کے ۱۳۲۹ھ سے ۱۳۴۴ھ تک لکھے گئے فتاویٰ کو مفتی محمد شفیع صاحب نے فتاویٰ دارالعلوم دیوبند اور ''عزیز الفتاویٰ'' کے نام سے مرتب کیا تھا، جو پہلے آٹھ جلدوں میں تھی، اب سات سو چون (۷۵۴) صفحات پر مشتمل ایک ضخیم جلد میں طبع شدہ ہے اور اس کی دوسری جلد میں خود مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے فتاویٰ ہیں، جس کو ''امداد المفتیین'' کا نام دیا گیا ہے۔(۱)

(۱) دیکھئے: دیباچہ فتاویٰ دارالعلوم (عزیز الفتاویٰ: ۵/۱)

مفتی صاحب کے فتاویٰ کے کل چودہ ضخیم رجسٹروں میں سے مفتی شفیع صاحب نے صرف دو رجسٹروں کے فتاویٰ کو مرتب فرمایا تھا، (۱) بارہ رجسٹر باقی تھے، ان باقی فتاویٰ کو مفتی ظفیر الدین مفتاحی نے بارہ ضخیم جلدوں میں مرتب فرمایا اور ہر مسئلہ کا حوالہ اور عربی کتابوں کی عبارت بھی نقل کردی ہے، جس کی وجہ سے ان فتاویٰ کے استناد و اعتماد میں اور بھی اضافہ ہوگیا ہے۔

ان بیش قیمت فتووں کے علاوہ تفسیر جلالین کا اُردو ترجمہ اور حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلویؒ کے رسالہ ''میزان البلاغۃ'' کا حاشیہ بھی آپ کے علمی سرمایوں میں ہے۔

☆ ☆ ☆

(۱) دیکھئے: مقدمہ عزیز الفتاویٰ: ۱؍۴۷

مولانا اشرف علی تھانویؒ

سن ولادت اور وطن

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی پیدائش ۵ر ربیع الثانی ۱۲۸۰ھ چہار شنبہ کو صبح کے وقت ہوئی، آپ کا پیدائشی وطن تھانہ بھون ضلع مظفر نگر (مغربی یوپی) ہے، آپ کا تاریخی نام "کرم عظیم" اور آپ کے والد کا نام شیخ عبد الحق تھا، آپ کا سلسلۂ نسب خلیفۂ دوم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے۔

ابتدائی تعلیم

آپ کی ابتدائی تعلیم اپنے وطن تھانہ بھون میں ہوئی، حافظ حسین علی صاحب سے آپ نے قرآن پاک حفظ کیا، فارسی اور عربی کی ابتدائی کتابیں حضرت مولانا فتح محمد تھانوی (۱) سے پڑھیں جو دار العلوم کے اولین فارغین میں سے تھے، آپ بلند ذہانت کے ساتھ شروع ہی سے نفاست پسند اور محنتی تھی، آپ کی نفاست کا یہ حال تھا کہ کسی کو ننگے بدن (خاص کر پیٹ) دیکھ لیتے تو آپ کو قے آنے لگتی، بعض بچے آپ کو دیکھ کر جان بوجھ کر پیٹ کھول لیتے؛ تا کہ آپ کو قے آئے، اس کی وجہ سے آپ اور بھی بچوں سے علاحدہ رہنے لگے، گویا پڑھنے لکھنے میں آپ کے لئے یکسوئی اور محنت کا یہ فطری انتظام ہو گیا تھا۔ (۲)

(۱) حضرت مولانا فتح محمد صاحب قیام دار العلوم کے پہلے سال دار العلوم میں داخل ہوئے اور ۱۲۸۵ھ مطابق ۱۸۶۸ء میں پہلی مرتبہ جن تین طلبہ نے دار العلوم سے فراغت حاصل کی، ان میں ایک مولانا فتح محمد بھی تھے، دار العلوم میں پڑھنے کے زمانہ میں چند کتابوں کا درس بھی آپ سے متعلق تھا، فراغت کے بعد اپنے وطن تھانہ بھون کی "حوض والی مسجد" کے پہلے مدرس مقرر ہوئے، جس کو حافظ عبد الرزاق مرحوم نے قائم کیا تھا، آپ علوم ظاہری و باطنی دونوں سے مزین اور صاحب کشف و کرامات بزرگ تھے۔ (تاریخ دار العلوم دیوبند: ۱۵/۲) (۲) دیکھئے: اعلاء السنن: ۹/۱ مقدمہ۔

دارالعلوم دیوبند میں داخلہ و فراغت

۱۲۹۵ھ میں جب کہ آپ کی عمر ۱۵ سال کی تھی دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا، آپ کو وہاں حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندیؒ، حضرت مولانا یعقوب صاحب نانوتویؒ اور سید احمد دہلویؒ جیسے اکابر اور اساطین اُمت سے استفادہ کا موقع ملا، دارالعلوم دیوبند میں آپ نے پانچ سال قیام کیا، اس دوران علوم نقلیہ اور عقلیہ کی مختلف کتابیں پڑھنے کے ساتھ مولانا یعقوب صاحب سے فتاویٰ نویسی کی بھی تربیت حاصل کی۔

آپ کے قیام دارالعلوم کے زمانہ میں عیسائی پادری اور ہندو پنڈت دیوبند اور اس کے قرب و جوار میں آکر مسلمانوں کو چیلنج کیا کرتے تھے، اس وقت گو آپ طالب علم تھے، مگر ان عیسائیوں اور پنڈتوں سے جاجا کر مناظرہ کرتے اور اپنی خداداد ذہانت اور علمی گہرائی کے ذریعہ ایسا مسکت جواب دیتے تھے کہ وہ لاجواب ہوجاتے تھے، مناظرہ میں آپ کی مہارت طلبہ و اساتذہ کے درمیان مشہور ہوگئی تھی، مگر بعد کی زندگی میں آپ نے اس طریقۂ کار کو بے سود سمجھ کر ترک کردیا اور ہمیشہ مناظرہ سے دور رہے۔

۱۳۰۰ھ میں آپ دارالعلوم سے فارغ ہوئے، فراغت کے بعد آپ کے سر پر دستار فضیلت باندھنے کا فیصلہ کیا گیا تو آپ جیسی لائق شخصیت نے اپنی عدم لیاقت کا اظہار کرتے ہوئے اکابر سے ایسا نہ کرنے کی درخواست کی، مگر اکابر نے اعتماد دلایا کہ آپ کو اپنی شخصیت کا صحیح اندازہ باہر جانے کے بعد ہوگا، فراغت کے بعد آپ نے فن تجوید بھی سیکھا اور مکہ مکرمہ میں رہ کر قاری عبداللہ مہاجر مکیؒ سے قراءت کی مشق کی۔

کانپور میں تدریسی و اصلاحی خدمات

فراغت کے بعد آپ مدرسہ فیض عام (۱) کانپور تشریف لے گئے، مدرسہ فیض عام میں

(۱) یہ ادارہ شہر کانپور کے محلہ "پھول والی گلی" میں واقع ہے، جواب مدرسہ کے بجائے انٹر کالج ہے، اسی تاریخی ادارہ کے سالانہ اجلاس میں دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے قیام کی تجویز طے پائی تھی۔

مولانا احمد حسن امروہوی علوم عقلیہ ونقلیہ کے ایک ماہر استاذ تھے، ان کی خواہش پر مدرسہ کی انتظامیہ نے دارالعلوم دیوبند درخواست بھیجی کہ ہمیں ایک اچھا مدرس چاہئے، حضرت تھانویؒ اسی سال فارغ ہوئے تھے؛ چنانچہ اکابر دارالعلوم نے ۱۳۰۱ھ میں آپ کو کانپور بھیج دیا اور آپ مدرسہ فیض عام میں خدمت انجام دینے لگے، پھر وہاں سے علاحدہ ہوگئے اور مدرسہ جامع العلوم پٹکاپور (کانپور) والوں نے آپ کو باصرار اپنے ادارہ میں بلالیا، مدرسہ جامع العلوم میں آپ نے ۱۳۱۵ھ تک خدمت انجام دی، درس وتدریس اور افتاء کے علاوہ آپ نے اصلاحی کام بھی خوب کئے، شہر کانپور بدعات وخرافات کا گڑھ بنا ہوا تھا، آپ کی مسلسل کوششوں اور مخلصانہ جدوجہد سے اس میں بڑی حد تک کمی آئی۔

شانِ جامعیت

حکیم الامت حضرت تھانویؒ اپنے دور کے ''مجدد'' تھے، ٹھیک چودہویں صدی کے آغاز (۱۳۰۱ھ) میں آپ نے دینی واصلاحی خدمات کی شروعات کی اور پوری زندگی اسی میں لگے رہے، آپ نے دین کے تمام پہلوؤں سے اسلام اور مسلمانوں کی خدمت کی، علامہ سید سلیمان ندوی فرماتے ہیں :

> مسلمانوں کی شاید کوئی مذہبی ضرورت ہوگی، جس کا مداوا اس حکیم الامت نے اپنی زبان وقلم سے نہیں فرمایا اور جس کی وسعت کا اندازہ تحقیق اور مطالعہ کے بعد ہی نظر میں آسکتا ہے۔ (۱)

اسی وجہ سے لوگوں نے بجاطور پر آپ کو اس دور کا ''مجدد'' کہا ہے :

> هكذا صار بداية خروجه لإفادة الناس في مطلع القرن الرابع عشر، ومن هنا اعتبره بعض العلماء مجدد هذا القرن في الديار الهندية. (۲)

---

(۱) اشرف المقالات: ۳۶

(۲) اعلاء السنن: ۱/۱۲

آپ نے شریعت وطریقت میں جو برسوں سے ایک قسم کی دوری؛ بلکہ رقابت سی پیدا ہوگئی تھی، اس کا بھی خاتمہ فرمایا؛ چنانچہ سید صاحب لکھتے ہیں :

شریعت وطریقت کی ایک مدت کی جنگ کا خاتمہ کر کے دونوں کو ایک دوسرے سے ہم آغوش کیا۔(۱)

اور ایک جگہ لکھتے ہیں :

جس کی ذات میں حضرات چشت اور حضرت مجدد الف ثانی اور سید احمد بریلوی کی نسبتیں یکجا تھیں، جس کا سینہ چشتی ذوق وعشق اور مجددی سکون ومحبت کا مجمع البحرین تھا، جس کی زبان شریعت وطریقت کی وحدت کی ترجمان تھی، جس کے قلم نے فقہ وتصوف کو ایک مدت کی ہنگامہ آرائی کے بعد باہم ہم آغوش کیا تھا۔(۲)

آپ محدث، فقیہ، مفسر، واعظ، مصنف اور نہایت ہی مسلم پیر طریقت تھے، مختلف موضوعات پر آپ نے متعدد کتابیں تصنیف فرمائیں، اعلاء السنن کے مقدمہ میں عالم اسلام کے مشہور فقیہ مولانا محمد تقی عثمانی لکھتے ہیں کہ آپ اپنے زمانہ کے سب سے کثیر التصانیف اور ہمہ جہت لکھنے والے مصنف تھے، تقریباً ایک ہزار چھوٹی بڑی مطبوعات آپ نے چھوڑی ہیں،(۳) اور سید سلیمان ندوی آپ کی کثرت تصانیف کے بارے میں لکھتے ہیں :

ہر صدی کا مجدد اپنی صدی کے کمالات کا اعلیٰ نمونہ ہوتا ہے، اگر یہ سچ ہے تو یہ صدی جو مطبوعات ومنشورات کے کمالات سے مملو ہے......زبان وقلم اس صدی کے مبلغ ہیں اور رسائل ومنشورات

(۱) اشرف القالات: ۱۳۵

(۲) اشرف القالات: ۱۲۱

(۳) دیکھئے: اعلاء السنن: ۱/ ۱۳

> دعوت کے صحیفے ہیں، اس بنا پر مناسب تھا کہ اس صدی کے مجدد
> کی کرامت بھی انھیں کمالات میں جلوہ گر ہو۔ (۱)

آپ کی ان ہمہ جہت خدمات اور ہر موڑ پر مسلمانوں کی مسیحائی کی وجہ سے دنیا نے آپ کو "حکیم الامت" کے لقب سے یاد کیا اور سید صاحب کی زبان میں "اس اشرف زمانہ کے لئے یہ خطاب عین حقیقت تھا" اور مولانا عبد الماجد دریابادی اپنے مخصوص انداز میں فرماتے ہیں :

> وہ شخص بھی بڑا "حکیم" تھا، جس نے سب سے پہلے مولانا
> اشرف علی تھانوی کو "حکیم الامت" کا لقب دیا۔ (۲)

تھانہ بھون میں

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ حضرت گنگوہیؒ کے توسط سے سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ سے بذریعہ مراسلت ۱۲۹۹ھ میں غائبانہ بیعت ہو گئے تھے، پھر جب ۱۳۰۱ھ کے اواخر میں حج کے لئے گئے تو حج سے فارغ ہو کر حاجی صاحب کی خدمت میں چند دنوں قیام فرمایا، پھر واپس کانپور آ کر ۱۳۰۶ھ تک تصنیف و تالیف اور درس و تدریس کے ساتھ ذکر و شغل بھی جاری رہا، بالآخر ۱۳۰۷ھ میں آپ کے اندر عشق الٰہی کی ایک اضطرابی کیفیت پیدا ہو گئی اور دوبارہ حج کا ارادہ کر کے حاجی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ایک مدت وہاں رہ کر استفادہ کیا، پھر واپس آ کر کانپور ہی میں رہے؛ لیکن صفر ۱۳۱۵ھ میں حاجی صاحب کے مشورہ سے آپ تھانہ بھون چلے آئے اور یہیں "پیر محمد والی مسجد" (۳) میں قیام فرمایا اور اخیر (۱۳۶۲ھ) تک وہیں رہے، مسجد کی جنوبی سمت میں دو چھوٹے چھوٹے کمرے (جن میں ایک آدمی سے زیادہ کے سونے کی گنجائش نہیں) ہیں، جن میں سے ایک میں

---

(۱) اشرف المقالات: ۳۶ (۲) علماء دیوبند: ۱۵۱

(۳) یہ تھانہ بھون کی پرانی تاریخی مسجد ہے، جو ہمیشہ علماء و مشائخ کا مسکن رہی ہے، سب سے پہلے یہاں شیخ صادق گنگوہی (وفات: ۱۰۵۱ھ) کے خلیفہ شیخ پیر محمد تھانوی نے قیام کیا تھا، انھیں کے نام سے یہ مسجد موسوم ہوئی، یہ مسجد شیخ احمد نے اورنگ زیب عالمگیر کے عہد میں ۱۱۱۴ھ مطابق ۱۷۰۲ء میں تعمیر کروائی تھی، اس وقت یہاں ایک مدرسہ بھی چل رہا ہے۔

حاجی صاحب کا قیام رہتا تھا اور دوسرے کمرہ میں حضرت حکیم الامت نے قیام فرمایا، اسی تنگ کمرے کے روشن دان کی دیوار آپ کے لکھنے پڑھنے کی ڈیسک کا کام کرتی تھی، جہاں سے آپ نے متعدد تصنیفی خدمات انجام دیں، یہ مسجد بیک وقت مدرسہ، دارالمصنفین، دارالمبلغین، خانقاہ اور انگریزوں کے خلاف جہاد کی تربیت گاہ تھی۔

تھانہ بھون کے قیام کے زمانہ میں آپ برابر حضرت گنگوہی سے رُجوع ہوتے رہے اور اکابر دارالعلوم دیوبند سے رہنمائی حاصل کرتے رہے، ۱۳۲۰ھ میں آپ کو دارالعلوم کی مجلس شوریٰ کا رکن بنایا گیا اور حضرت شیخ الہندؒ کی وفات کے چند سالوں بعد آپ کو دارالعلوم کا سرپرست منتخب کیا گیا، چنانچہ سید محبوب رضوی تاریخ دارالعلوم میں لکھتے ہیں :

> حضرت شیخ الہند نور اللہ مرقدہ کے بعد اب تک سرپرستی کے لئے کسی مقدس اور با اثر شخصیت کا انتخاب نہ ہوسکا تھا، اس اہم منصب کو پُر کرنے کے لئے مجلس شوریٰ نے ...... متفقہ طور پر حضرت تھانویؒ کو سرپرستی کے لئے تجویز کیا۔(۱)

فقہی خدمات اور خصوصیات

حضرت حکیم الامت کی خدمات یوں تو ہمہ جہت ہیں؛ لیکن آپ کی خدمات کے دو عناوین: فقہ اور تصوف سب سے زیادہ نمایاں ہیں؛ چنانچہ آپ نے فقہ میں مہارت کی بنا پر طالب علمی کے زمانہ سے ہی حضرت مولانا یعقوب صاحب نانوتوی کی رہنمائی میں فتاویٰ نویسی شروع کردی تھی، پھر جب کانپور تشریف لے گئے تو وہاں بھی نمایاں طور پر آپ نے افتاء کی خدمت انجام دی اور آخر میں جب آپ کا قیام تھانہ بھون میں تھا تو یہاں بھی کثرت سے استفتاءات کے جوابات تحریر فرمایا کرتے تھے، اس کے علاوہ فقہ میں آپ کی گرانقدر تصانیف بھی ہیں، جن کا ذکر انشاء اللہ آئندہ سطروں میں آئے گا۔

(۱) تاریخ دارالعلوم دیوبند: ۲۶۸/۱

فقہ وفتاویٰ میں آپ کے کام کا جو انداز تھا، ان میں سے چند قابل تقلید خصوصیات کا ذکر یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے :

۱- فقہی مسائل میں نصوص سے اعتناء علماء دیوبند کی خصوصیت رہی ہے؛ چنانچہ آپ میں بھی یہ وصف بدرجۂ اتم پایا جاتا تھا، یہاں تک کہ آپ نے نص قرآنی سے احکام کے استنباط کے سلسلہ میں باضابطہ ''دلائل القرآن علی مسائل النعمان'' اور نص حدیث سے مسائل کے استنباط کے تعلق سے 'اعلاء السنن' لکھنے کا مستقل ارادہ فرمایا تھا، جس کو آپ کے شاگردوں نے مکمل کیا۔

۲- آپ فقہاء کی جزئیات سے عموماً نہیں ہٹتے تھے اور فقہ وفتاویٰ میں اجتہادی شان رکھنے کے باوجود اپنی انفرادی رائے اختیار کرنے کو ناپسند کرتے تھے۔

۳- جس مسئلہ میں صریح جزئیہ نہ ملے وہاں اُصول وقواعد کی روشنی میں جواب تو لکھ دیتے تھے، مگر یہ تنبیہ ضرور کر دیتے تھے کہ: ''یہ جواب اس بنیاد پر ہے کہ صریح جزئیہ نہیں ملا، اس لئے دوسرے علماء سے بھی مراجعت کرلی جائے اور اختلاف ہو تو مطلع کیا جائے''۔

۴- آلاتِ جدیدہ اور معاملاتِ جدیدہ میں ابتلاء عام اور یسر وسہولت کے پہلو کو ہمیشہ سامنے رکھتے تھے، تاکہ لوگ شریعت سے متنفر ہو کر حرام میں نہ پڑ جائیں۔

۵- یسر وسہولت اور ابتلاء عام پر نظر کرتے ہوئے بسا اوقات مذہب کی ضعیف سے ضعیف روایت کو بھی اختیار کر لیتے تھے۔

۶- اگر اپنے مذہب میں یسر وسہولت کی گنجائش نہ ہو تو دوسرے ائمۂ متبوعین کے مذاہب سے بھی استفادہ کرتے تھے اور اس کو ''عدول عن الدین الی الدین'' قرار دیتے تھے؛ چنانچہ ''الحیلۃ الناجزۃ'' اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔

۷- پیچیدہ مسائل میں آپ ہمیشہ علماء عصر سے رُجوع ہوا کرتے تھے، شروع میں حضرت مولانا یعقوب صاحبؒ سے، پھر حضرت گنگوہیؒ سے رُجوع ہوتے رہے اور حضرت گنگوہیؒ کی وفات کے بعد اپنے شاگردانِ شاگرد سے بھی مشورہ کرنے میں کوئی جھجک محسوس

نہیں کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ ''علماء کے مشورہ کی پابندی ضروری ہے، ضابطہ کے بڑے نہ رہیں تو چھوٹے ہی سہی''۔

۸- حاضرین اور عام علماء کو بھی بار بار تاکید کرتے تھے کہ میرے کسی فتویٰ اور تحقیق سے کسی کو اختلاف ہو تو اس پر ضرور متنبہ کیا جائے اور متنبہ کئے جانے پر اپنی رائے سے رُجوع کر لیتے تو اس کو خانقاہ سے نکلنے والے ماہنامہ ''النور'' میں شائع بھی کر دیتے تھے اور اس کے لئے آپ کے یہاں ایک مستقل عنوان ''ترجیح الراجح'' کا ہوا کرتا تھا، جس کو بعد میں آپ کے مجموعۂ فتاویٰ میں ''تصحیح امداد الفتاویٰ'' اور ''اصلاحِ تسامح'' کے عنوان سے شامل کیا گیا تھا، آپ یہ بھی فرماتے تھے کہ ''بندہ نے آئندہ کے لئے ایک کافی جماعت اہل علم و دیانت کی اس کام کے لئے مخصوص کر دی ہے کہ میری تمام تحریرات کو نظر تنقید سے دیکھ لیا جائے، جو ان کی رائے میں قابل اشاعت نہ ہوں، ان کو یا حذف کر دیں یا نشان بنا دیں؛ تاکہ ان کو کوئی شائع نہ کر دے۔(۱)

۹- آپ نے نئے مسائل میں اُمت کی رہنمائی کے لئے باضابطہ ''حوادث الفتاویٰ'' کے عنوان سے مسائل لکھے، جو آپ کے مجموعۂ فتاویٰ میں جابجا شامل ہیں۔

۱۰- آپ کی ایک اہم خصوصیت یہ تھی کہ اپنی ذات و عمل سے متعلق کوئی مسئلہ پیش آتا تو احتیاط کی وجہ سے اپنے فتویٰ پر عمل نہیں کرتے تھے؛ بلکہ اس سلسلہ میں دوسرے اربابِ افتاء سے فتویٰ لے کر عمل کرتے تھے، اگر چہ وہ دوسرے آپ سے چھوٹے ہی کیوں نہ ہوں۔

وفات وتدفین

فقہ وفتاویٰ اور تصوف وسلوک کا یہ روشن چراغ ۸۲ رسال ۳ ر ماہ ۱۰ ر روز روشن رہ کر ۱۶ رر جب ۱۳۶۲ھ مطابق ۱۹ ر جولائی ۱۹۴۳ء دس بجے شب اپنی روشنی کا سفر دوسروں کے حوالہ کر کے ہمیشہ کے لئے جوار رحمت میں چلا گیا، نماز جنازہ آپ کے بھانجے اور اعلاء السنن کے مؤلف مولانا ظفر احمد تھانوی نے پڑھائی، آپ نے وفات سے قبل ایک زمین لے لی تھی

(۱) دیکھئے: اشرف المقالات: ۳۴۸

اور اس کو قبرستان خاص بنا کر وقف کر دیا تھا، جس میں راہ گزاروں کے لئے پانی کا ایک کنواں، چھوٹا سا سائبان اور ایک چھوٹا سا احاطہ بنا دیا گیا تھا، جس میں کچھ درخت بھی لگا دیئے گئے تھے، اسی احاطہ میں دوسرے اعزہ اور خدام کے ساتھ آپ بھی آسودۂ خواب ہیں۔

تلامذہ و مستفیدین

آپ کے تلامذہ و مستفیدین کی ایک لمبی فہرست ہے، تاہم ان میں سے مفتی محمد شفیع صاحب عثمانی، مولانا ظفر احمد تھانوی، مفتی عبدالکریم گمتھلوی، مولانا محمد اسحٰق بردوانی، مولانا رشید احمد کانپوری، مولانا احمد علی بارہ بنکوی (مؤلف بہشتی زیور) مولانا حبیب احمد کیرانوی، مولانا احمد حسین سنبھلی وغیرہ کے نام خاص طور سے قابل ذکر ہیں، نیز آپ سے خصوصی استفادہ کرنے والوں میں مولانا محمد یوسف بنوریؒ، خواجہ عزیز الحسن مجذوب، مولانا ابرار الحق ہردوئیؒ، مولانا کفایت اللہ شاہ جہانپوریؒ، مولانا رسول خاں ہزارویؒ، مولانا شاہ وصی اللہؒ، مولانا مسعود ندویؒ، قاری محمد طیب صاحبؒ، علامہ سید سلیمان ندوی، مولانا انوار الحسن کاکوروی، سید مرتضٰی حسن چاند پوری، مولانا عبدالرحمٰن کامل پوری، مولانا عبدالباری ندوی، مولانا خیر محمد جالندھری وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔(۱)

علمی و قلمی سرمایہ

آپ نے مختلف اسلامی موضوعات پر تقریباً ایک ہزار تصانیف چھوڑی ہیں اور ہر تصنیف اپنے اندر جو علمی گہرائی، گیرائی اور وسعت رکھتی ہے اس کا اندازہ مطالعہ کے بعد ہی لگایا جاسکتا ہے، ذیل میں آپ کی چند تصانیف کا ذکر کیا جاتا ہے :

۱- بیان القرآن (۴ر جلدیں) :— اُردو زبان میں یہ ایک مختصر مگر جامع ترین تفسیر ہے، اس میں بہت سی تفسیروں کا لب لباب اور خلاصہ پیش کیا گیا ہے، آیات کی تشریح کے علاوہ نحوی بحث، بلاغت کی باریکیاں، فقہی مسائل، کلام کی بحث اور تصوف و سلوک پر بھی مختصر نوٹ لکھا گیا ہے، یہ تفسیر اس وقت دو ضخیم جلدوں میں چھپی ہوئی ہے۔

(۱) دیکھئے: بزم اشرف کے چراغ، پروفیسر احمد سعید۔

۲- جمال القرآن:— یہ فن تجوید میں اعلیٰ معیار کی کتاب کہلاتی ہے۔

۳- التقصیر فی التفسیر:— حضرت حکیم الامت کی نظر میں کچھ ایسی تفسیریں آئیں، جن کے مشمولات اُصولِ تفسیر سے ہٹے ہوئے تھے، جس کی وجہ سے آپ نے یہ کتاب لکھی، جس میں صحیح اُصولِ تفسیر کی نشان دہی کی گئی ہے اور اس کو نہ برتنے کی وجہ سے پیدا ہونے والی خرابیوں کا ذکر کیا گیا ہے۔

۴- جامع الآثار (عربی):— فقہ حنفی پر جو اعتراض کیا جاتا ہے کہ اس میں صرف قیاس ہی قیاس ہے، نصوص سے اس کا بہت کم تعلق ہے، اس اعتراض کو غلط ثابت کرنے کے لئے حضرت تھانویؒ نے پہلے ''احیاء السنن'' کے نام سے فقہ حنفی کے مستدلات کو جمع فرمایا، مگر طباعت سے پہلے ہی وہ ضائع ہو گیا، پھر دوبارہ اس کام کو تھوڑا نہج بدل کر کیا کہ احادیث کی سند کی حیثیت اور وجہ استدلال بھی بیان کی اور اس کا نام ''جامع الآثار'' رکھا، نیز جو احادیث فقہ حنفی کی مستدلات سے بظاہر متعارض معلوم ہو رہی تھیں، ان کو حاشیہ میں نقل کر کے ان کا جواب بھی لکھا اور اس کو ''تابع الآثار'' کا نام دیا، اسی سلسلہ کو وسعت دیتے ہوئے، اپنے شاگردوں سے ''اعلاء السنن'' لکھوائی جو ۱۸ جلدوں پر مشتمل ہے۔

۵- التشرف بمعرفة أحاديث التصوف (عربی):— تصوف کے سلسلہ میں بڑی افراط وتفریط پائی جاتی تھی، بعض لوگ اس کو بالکل لغو سمجھ کر مسترد کر دے رہے تھے، جب کہ بعض لوگوں نے اس میں غلط چیزوں کی بھی آمیزش کر دی تھی، اس سلسلہ میں آپ نے ''تجدیدی خدمت'' انجام دی اور مثبت انداز میں تصوف کا صحیح اسلامی نقطۂ نظر پیش کیا اور عملاً اس کو برتا بھی، یہ کتاب اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے، جس میں صحیح تصوف کو احادیث رسول سے ثابت کیا گیا ہے۔

۶- الإكسير في إثبات التقدير .

۷- حفظ الایمان:— یہ کتاب بدعات اور عقائد باطلہ کے رد میں لکھی گئی ہے۔

۸- الإنتباه المفيدة في الاشتباهات الجديدة .

فقہ میں آپ کی کتابیں تین درجن کے قریب ہیں، ان میں سے چند درج ذیل ہیں :

۹- امداد الفتاویٰ (۶؍جلدیں):— یہ آپ کے بیش قیمت فتاویٰ کا مجموعہ ہے، اولاً ۱۳۲۵ھ تک کے فتاویٰ جمع کئے گئے تھے، جن میں دار العلوم دیو بند، جامع العلوم کانپور اور تھانہ بھون، تینوں زمانوں کے فتاویٰ کو جمع کیا گیا تھا، ۱۳۲۵ھ کے بعد کے فتاویٰ ''تتمہ امداد الفتاویٰ'' کے نام سے شائع ہوتے رہے، مگر آپ کی وفات کے بعد ۱۳۷۱ھ میں مفتی شفیع صاحب نے مولانا ظہور احمد کے تعاون سے نئی ترتیب و تبویب کے ساتھ اسے چھ جلدوں میں مرتب کیا، آپ کے فتاویٰ اپنی گہرائی اور گیرائی کی وجہ سے ہند و پاک اور بنگلہ دیش؛ بلکہ عالم اسلام کے تمام اُردو داں علماء کے لئے مرجع و ماخذ کا درجہ رکھتے ہیں۔

۱۰- التحقیق الفرید فی حکم آلة تقریب الصوت البعید .

۱۱- تفصیل الکلام فی حکم تقبیل الأقدام .

۱۲- کشف الدجی عن وجه الربا:— دولت آصفیہ حیدرآباد کے محکمۂ شرعیہ سے سود کی حقیقت اور اس کے دنیاوی و اخروی مفاسد کے سلسلہ میں آپ کے پاس سوالات آئے تھے، یہ رسالہ انھیں سوالات کا تحقیقی اور تفصیلی جواب ہے۔

۱۳- تحذیر الإخوان عن الربا فی الهندوستان .

۱۴- رفع الضنک عن منافع البنک .

۱۵- الحیلة الناجزة للحلیلة العاجزة :— مفقود الخبر شخص کی بیوی کے بارے میں فقہ حنفی کے اندر احتیاط کی وجہ سے فی زمانہ بہت سختی اور دشواری معلوم ہوتی تھی، جس کی وجہ سے بعض عورتیں اسلام ترک کردینے اور دوسرا مذہب اختیار کرنے پر مجبور ہو رہی تھیں اور پنجاب کے بعض علاقوں سے اس قسم کے واقعات کی خبریں بھی آچکی تھیں، جس کی وجہ سے آپ نے فقہ حنفی کی مناسب جزئیات کے ساتھ فقہ مالکی کو بنیاد بنا کر ایسی عورتوں کے لئے یسر و سہولت کا پہلو اختیار کیا اور مفتی شفیع صاحبؒ اور مولانا عبد الکریم گمتھلوی کے تعاون سے یہ کتاب تیار فرمائی، پھر دیو بند اور سہارنپور کے علاوہ بہار، ڈھاکہ، کراچی، گوجرانوالہ، کشمیر،

جالندھر، امرتسر، مرادآباد، میرٹھ اور دہلی وغیرہ کے علماء کے پاس اس کا مسودہ بھیج کر تصدیق کروائی اور کچھ تنبیہ یا مشورہ آیا تو اس کو بھی اس میں شامل فرمایا، یہ کتاب ۲۲۴ صفحات پر مشتمل ہے۔

۱۶- خلاصة الكلام في أذان الجمعة بين يدى الإمام .

۱۷- القول البديع في اشتراط المصر للتجميع .

تصوف وسلوک اور دیگر موضوعات پر آپ کی چند کتابیں یہ ہیں :

۱۸- مسائل السلوک من کلام الملوک :— اس میں تصوف وسلوک کے بہت سے مسائل کو قرآنی آیات سے ثابت کیا گیا ہے، یہ رسالہ بیان القرآن کے حاشیہ پر چھپا ہے۔

۱۹- التكشف عن مهمات التصوف .

۲۰- قصد السبيل إلى المولى الجليل .

۲۱- اصلاح الرسوم :— اس کتاب میں آپ نے معاشرہ میں پائی جانے والی بہت سی رسموں کا ذکر کر کے اس سلسلہ میں شریعت کا حکم بیان کیا ہے، اسی طرح کی ایک کتاب ''اغلاط العوام'' کے نام سے بھی لکھی ہے۔

۲۲- آداب المعاشرۃ۔

۲۳- اصلاحُ انقلابِ الامۃ :— اس کتاب میں عبادات، معاملات، احوالِ شخصیہ، احوالِ اجتماعیہ وغیرہ کو جمع کیا گیا ہے اور اس سلسلہ میں اُمت اور مصلح اُمت علماء کی کمیوں کی بھی نشاندہی کی گئی ہے، نیز اپنی زندگی اور معاشرہ میں صحیح اسلامی انقلاب کے راستہ کی طرف رہنمائی کی گئی ہے۔

۲۴- نشر الطیب فی ذکر النبی الحبیب :— سیرت کے موضوع پر دریائے عشق ومحبت میں ڈوب کر یہ کتاب لکھی گئی ہے۔

☆ ☆ ☆

مولانا حافظ محمد احمد صاحبؒ

سن ولادت اور تعلیم

مولانا حافظ محمد احمد صاحبؒ، حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے فرزند رشید تھے، ۱۲۷۹ھ مطابق ۱۸۶۲ء میں نانوتہ (ضلع سہارنپور) میں پیدا ہوئے، قرآن مجید کا حفظ اپنے وطن ہی میں کیا، پھر ابتدائی تعلیم کے لئے آپ کو گلاوٹھی (ضلع بلند شہر) بھیج دیا گیا، جہاں حضرت نانوتوی نے مدرسہ منبع العلوم قائم فرمایا تھا، وہاں آپ نے مولانا عبداللہ انبہٹوی سے تعلیم حاصل کی، پھر مدرسہ شاہی (مرادآباد) گئے، جہاں حضرت نانوتوی کے شاگرد مولانا احمد حسن امروہوی سے مختلف علوم وفنون کی کتابیں پڑھیں، بعد ازاں آپ دارالعلوم دیوبند آئے اور یہاں آپ کو شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ اور مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ سے ترمذی وغیرہ کے اسباق پڑھنے کا موقع ملا، پھر حدیث کی اونچی کتابیں پڑھنے کے لئے آپ دارالعلوم کے سرپرست ومربی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کی خدمت میں گنگوہ تشریف لے گئے اور وہاں آپ نے دورۂ حدیث کے علاوہ جلالین اور بیضاوی بھی پڑھی۔

دارالعلوم کے منصب اہتمام پر

۱۳۰۳ھ مطابق ۱۸۹۲ء میں جب حاجی محمد عابد صاحب دارالعلوم کے اہتمام سے مستعفی ہو گئے، تو ان کے بعد ایک سال کے لئے حاجی فضل حق دیوبندی اور ایک سال کے لئے مولانا محمد منیر نانوتویؒ نے منصب اہتمام سنبھالا، مگر بار بار اہتمام کی تبدیلی کی وجہ سے نظام میں اختلال پیدا ہونے لگا تھا؛ اس لئے ۱۳۱۳ھ میں مولانا رشید احمد گنگوہی نے منصب اہتمام کے لئے حافظ محمد احمد کا انتخاب کیا، آپ نہایت منتظم اور صاحب اثر ووجاہت تھے؛ چنانچہ جلد

ہی دارالعلوم کے انتظام پر قابو یافتہ ہو گئے۔

آپ کے زمانۂ اہتمام میں ظاہری اور معنوی ہر لحاظ سے دارالعلوم میں بڑی ترقی ہوئی، دارالعلوم کی سالانہ آمدنی پانچ چھ ہزار تھی، جو نوے ہزار تک پہنچ گئی، طلبہ کی تعداد دو ڈھائی سو ہوا کرتی تھی، جو نو سو تک پہنچ گئی، کتب خانہ میں پانچ ہزار کتابیں تھیں، جن میں چالیس ہزار کتابوں کا اضافہ ہوا، عمارتوں کی مالیت ۳۶ر ہزار تھی، جو آپ کے عہد میں چار لاکھ تک پہنچ گئی، دارالحدیث کی عظیم الشان عمارت آپ ہی کے عہد میں تیار ہوئی، دارالعلوم کی مسجد (مسجد قدیم) اور کتب خانہ کی تعمیر آپ ہی کے زمانہ میں ہوئی، جدید دارالاقامہ (دارجدید) کی تعمیر کا آغاز آپ ہی کے زمانہ میں ہوا اور ۱۳۲۸ھ مطابق ۱۹۱۰ء میں دارالعلوم کا مشہور جلسہ دستار بندی بھی آپ ہی کی کوششوں کا ثمرہ تھا، جس میں ایک ہزار فضلاء کی دستار بندی ہوئی تھی، غرض آپ کے حسن انتظام کی وجہ سے دارالعلوم میں ہر طرح کی ترقی ہوئی اور یہ شہرت کے بامِ عروج پر پہنچا۔(۱)

جامعہ نظامیہ حیدرآباد کی صدارت

آپ کی اسی منتظم مزاجی کی وجہ سے آپ کو حیدرآباد کی عدالت عالیہ کے لئے مفتی اعظم کے عہدے پر فائز کیا گیا تو یہاں کی بڑی دینی درسگاہ جامعہ نظامیہ کی صدارت بھی آپ کے حوالہ کی گئی اور حکومت کی طرف سے ہدایت کی گئی کہ مدرسہ نظامیہ کے سابقہ حالات کو دیکھ کر اصلاح و ترقی کے لئے تجاویز پیش کی جائیں، چنانچہ آپ نے مدرسہ کے نظام کا گہرائی سے جائزہ لیا اور تعلیمی و انتظامی اصلاح سے متعلق چند تجاویز پیش کیں، جن پر عمل آوری کے لئے فوراً نظام حکومت کی منظوری مل گی۔(۲)

فقہ و فتاویٰ میں آپ کا مقام

تعلیم و تدریس اور انتظام و انصرام کے علاوہ آپ کی علمی وسعت اور فقہ و فتاویٰ میں آپ کی مہارت بھی قابل ستائش تھی؛ چنانچہ آپ کی اسی علمی لیاقت کی وجہ سے گورنمنٹ آف

(۱) دیکھئے: تاریخ دارالعلوم دیوبند: ۲۳۰/۲ (۲) دیکھئے: تاریخ دارالعلوم دیوبند: ۲۵۹/۱

برطانیہ نے آپ کو "شمس العلماء" کا خطاب دیا تھا، مگر دار العلوم کے حریت پسند مزاج کی بنا پر آپ نے حکومت کا خطاب یافتہ ہونا پسند نہیں کیا اور اس خطاب کو رد فرما دیا۔

حیدر آباد کی عدالت عالیہ کے لئے آپ کا انتخاب

فقہ وفتائی میں آپ کی مہارت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ حیدر آباد دکن، جہاں اسلامی طرز پر دار القضاء کا محکمہ تھا اور افتاء کا منصب سرکاری طور پر قائم تھا، اس منصب افتاء کی اتنی اہمیت تھی کہ عدالت عالیہ کے فیصلے اور سزائے موت وغیرہ کا انحصار مفتی کے فتویٰ پر ہی ہوا کرتا تھا، اس لئے اس عہدے کے لئے گہرا علم رکھنے والے اور شانِ تفقہ کے ساتھ افتاء کے سلسلہ میں تجربہ کار افراد کا ہی انتخاب ہوا کرتا تھا، چنانچہ نظام دکن نے جب اس عہدے کے لئے کسی لائق شخصیت کو منتخب کرنا چاہا تو ان کی نظر دار العلوم کے مہتمم حافظ محمد احمد ہی پر پڑی اور ۱۳۴۰ھ کے اوائل میں نظام دکن کے چیف سکریٹری کا خط آپ کے نام پہنچا، جس کی عبارت اس طرح تھی :

> اعلیٰ حضرت نے حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب مہتمم دار العلوم کو حیدر آباد کی عدالت عالیہ (ہائی کورٹ) کے عہدۂ افتاء پر تین سال کے لئے بہ مشاہرہ ایک ہزار روپیہ تجویز فرمایا ہے۔(۱)

مولانا حافظ محمد احمد صاحب دار العلوم جیسے ادارہ کے مہتمم ہونے کی حیثیت کافی مشغول تھے؛ چنانچہ ۴/ربیع الآخر ۱۳۴۰ھ کو نظام دکن سے آپ نے ملاقات کی اور دار العلوم میں اپنی مشغولیت کا ذکر فرمایا تو نظام نے کہا :

> میں جانتا ہوں کہ وہ کام جس کو آپ انجام دیتے ہیں، بہت بڑا ہے اور اگر آپ اس بنیاد پر یہاں آنے سے انکار کر دیتے تو مجھے ملال نہ ہوتا؛ لیکن میرا خیال تھا کہ میرے منشاء کا اتباع ضرور

(۱) تاریخ دار العلوم دیوبند: ۱/۲۵۹

کریں گے، آپ یہاں رہ کر بھی دارالعلوم کی خدمات انجام
دے سکتے ہیں۔(۱)

دارالعلوم دیوبند کے کارِ اہتمام میں آپ کی مشغولیت کو دیکھتے ہوئے تین سالوں کے لئے آپ کو رخصت دی گئی تھی؛ لیکن مدت مکمل ہونے کے بعد اس میں مزید ایک سال کی توسیع کردی گئی، مگر خرابی صحت کی وجہ سے اس سال مدت پوری ہونے سے قبل ہی آپ مستعفی ہوگئے، حیدرآباد سے آپ کی واپسی کے موقع پر باغ عامہ (نامپلی) میں باضابطہ رخصت کی ایک تقریب رکھی گئی، جس میں نظام نے بنفس نفیس شرکت فرماکر حضرت مہتمم صاحب کی خدمات جلیلہ کی نہایت شاندار الفاظ میں تعریف و تحسین فرمائی اور حسن خدمات کے صلے میں پانچ سو روپیہ ماہانہ وظیفہ جاری کرنے کا فرمان صادر کیا، غرض جس اعزاز کے ساتھ آپ حیدرآباد تشریف لائے تھے، اسی اعزاز واحترام کے ساتھ یہاں سے آپ کی واپسی ہوئی۔

سفرآخرت

حیدرآباد قیام کے زمانہ میں آپ نے نظام کو دارالعلوم آنے کی دعوت دی تھی، جسے نظام نے منظور کرلیا تھا اور طے یہ ہوا تھا کہ جب نظام دہلی جائیں گے تو اسی موقع سے دارالعلوم دیوبند بھی حاضر ہوں گے اور توقع تھی کہ یہ سفر ۱۳۴۷ھ مطابق ۱۹۲۸ء میں ہوگا، چنانچہ مہتمم صاحب نے وعدے کی یاددہانی کے لئے حیدرآباد کا سفر فرمایا، اس وقت آپ کی طبیعت ناساز تھی، ضعف پیری اور مسلسل علالت نے آپ کو بہت کمزور کردیا تھا، مگر دارالعلوم کے مفاد کے لئے اپنی صحت کی پروانہ کرتے ہوئے آپ حیدرآباد کے لئے روانہ ہوگئے، حیدرآباد پہنچ کر آپ کی طبیعت اور بھی زیادہ خراب ہوگئی، جس کی وجہ سے نظام سے ملاقات کے بغیر ہی جلد واپسی کے ارادہ سے حیدرآباد سے روانہ ہوگئے، مگر ابھی ٹرین حیدرآباد کے حدود ہی میں تھی کہ نظام آباد اسٹیشن پر ۳؍جمادی الاولیٰ ۱۳۴۷ھ مطابق ۱۹۲۸ء کو آپ کی وفات ہوگئی، وفات کے وقت

(۱) تاریخ دارالعلوم دیوبند: ۱؍۲۵۹

زبان پر ذکر اللہ جاری تھا، ۲۹ کے عدد پر عقد انامل تھا کہ "اللہ" کے لفظ کے ساتھ آپ کی روح پرواز کر گئی۔

نظام آباد اسٹیشن پر آپ کی نعش اُتار کر جنازہ تیار کیا گیا اور نظام دکن کی خواہش پر نعش کو حیدر آباد لایا گیا، نظام آباد اور حیدر آباد میں متعدد بار نماز جنازہ پڑھی گئی، اگلے دن ۴ر جمادی الاولیٰ کو سرکاری مصارف پر ایک مخصوص قبرستان میں جو "خطۂ صالحین" کے نام سے موسوم ہے آپ کو سپرد خاک کیا گیا، نظام دکن نے تعزیت کرتے ہوئے نہایت تأسف کے ساتھ یہ جملہ کہا کہ "افسوس! وہ مجھے لینے آئے تھے، مگر خود یہیں رہ گئے"۔

آپ نے کل ۴۵ سال دارالعلوم کی خدمت انجام دی، ابتدائی دس سال تعلیم وتدریس میں گذرے اور ۳۵ سال اہتمام کے فرائض انجام دیے۔

☆ ☆ ☆

مفتی کفایت اللہ دہلویؒ

سن ولادت اور وطن

آپ کی ولادت محلّہ ''سن زئی'' ضلع شاہجہاں پور، یوپی میں ۱۸۷۵ء مطابق ۱۲۹۳ھ میں ہوئی ۱۹۰۳ء کے بعد آپ دہلی منتقل ہوگئے اور مستقل وہیں سکونت اختیار کرلی۔

تعلیم وتربیت

ابتدائی تعلیم آپ نے اپنے وطن مالوف کے مشہور مدرسہ اعزازیہ میں حافظ بدھن خان اور مولانا عبدالحق خان سے حاصل کی، پھر مدرسہ قاسم العلوم شاہی مرادآباد تشریف لے گئے، اس کے بعد آپ نے دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور ۱۸۹۷ء مطابق ۱۳۱۵ھ میں آپ نے فراغت حاصل کی؛ چنانچہ آپ خود اپنے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں :

> میرا سن ولادت غالباً ۱۲۹۳ھ میں ہوگا، جو ضبط تحریر میں تو نہیں؛
> لیکن میری عمر کے اس تخمینے کے تحت ہے جو میں نے کیا ہوا ہے،
> میں ۱۳۱۵ھ میں دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہوا۔(۱)

تدریس وافتاء کی خدمت

دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد آپ اپنے وطن مالوف گئے تو اس وقت آپ کے ابتدائی استاذ مولانا عبدالحق خان صاحب مدرسہ اعزازیہ سے الگ ہوکر ''عین العلم'' کے نام سے اپنا مدرسہ قائم کرچکے تھے؛ چنانچہ آپ کے استاذ نے آپ کو اسی مدرسہ میں رکھ لیا اور آپ

(۱) خط بنام عبداللہ خاں خویشگی، بحوالہ: مفتی اعظم ہند: ۱۷۶، مؤلف: ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہاں پوری۔

نے تقریباً پانچ چھ سال وہاں تدریسی خدمت انجام دی، دارالعلوم دیوبند میں علامہ انور شاہ کشمیریؒ، مولانا حسین احمد مدنی اور مولانا امین الدین اورنگ آبادی آپ کے ہم درس اور مشہور ساتھیوں میں تھے، جن میں سے مولانا امین الدین نے دہلی میں مدرسہ امینیہ قائم کرلیا تھا اوران کا برابر اصرار تھا کہ آپ مدرسہ امینیہ تشریف لے آئیں؛ چنانچہ آپ ۱۳۲۱ھ مطابق ۱۹۰۳ء میں مدرسہ امینیہ دہلی تشریف لے آئے اور یہاں صدر مدرس و مفتی کی حیثیت سے خدمت انجام دینے لگے، رفتہ رفتہ بانی مدرسہ نے اپنی ذمہ داریاں کم کرلیں اور آپ پر اعتماد کرکے ذمہ داریاں آپ کے سپرد کرتے رہے، پھر بانی مدرسہ مولانا امین الدین کے انتقال کے بعد ۱۹۲۰ء میں آپ ہی مدرسہ کے مکمل ذمہ دار بن گئے اور اخیر عمر تک اسی ادارہ میں تدریس وافتاء کی خدمت انجام دیتے رہے، آپ کی تدریس وافتاء کی زندگی نصف صدی سے زیادہ عرصہ پر محیط ہے۔

آپ کی جامعیت اور مختلف دینی وملی سرگرمیاں

آپ مختلف علوم وفنون کے جامع تھے، مولانا حسین احمد مدنیؒ فرماتے ہیں :

> قدرت کی فیاضیوں نے جو خاص جامعیت اور مسابقت مفتی صاحب کو عطا فرمائی تھی، وہ بہت ہی کم کو نصیب ہوئی ہے۔(۱)

آپ محدث، مفسر، فقیہ، محقق، مصنف، عربی، فارسی، اُردو کے بہترین شاعر اور سیاسیات میں خاص ذوق وبصیرت کے مالک تھے، آپ کا دور انتہائی پرآشوب دور تھا؛ اس لئے آپ نے اپنے کو مسند درس اور منصب افتاء میں محدود کرنے کے بجائے مختلف دینی وملی خدمات میں اپنے کو مشغول کیا، خاص کر سیاسیات اور افتاء میں آپ کی خدمات ناقابل فراموش ہیں؛ چنانچہ مولانا ظہور علی (بھوپال) آپ کی سیاسی سرگرمیوں کے بارے میں لکھتے ہیں :

> ۱۹۱۹ء سے ۱۹۵۲ء (اپنی وفات) تک کوئی سیاسی اور مذہبی تحریک ایسی نہیں ہے، جس میں حضرت مفتی صاحب کی رہبری پوری صداقت وصفائی کے ساتھ نظر نہ آئے۔(۲)

---

(۱) دیکھئے: سہ ماہی فکر اسلامی (بستی)، معاصر فقہ اسلامی نمبر. ۱۳۸ (۲) مفتیٔ اعظم کی یاد: ۱۷۴

لیکن حقیقت یہ ہے کہ ۱۹۱۹ء سے بھی بہت پہلے آپ کی سیاسی سرگرمی شروع ہوگئی تھی؛ چنانچہ آپ زمانۂ طالب علمی ہی میں جمعیۃ الانصار (دیوبند) کے رکن اور معاون تھے، اسی طرح ۱۹۱۷ء میں "انجمن اعانت نظر بندان اسلام" قائم ہوئی تو آپ اس کے داعیوں اور بانیوں میں تھے، ۱۹۱۸ء میں مسلم لیگ، خلافت کمیٹی اور تحریک خلافت میں بھی آپ نے بڑی سرگرمی سے حصہ لیا، نیز پہلی جنگ عظیم ختم ہونے کے بعد جب برٹش گورنمنٹ نے "جشن فتح" منانے کا فیصلہ کیا اور اہل ہند کو دھوکہ دینے کے لئے اسے "جشن صلح" کے نام سے ہندوستان میں منانا چاہا تو اس کے خلاف "انجمن اشاعت اختلاف جشن صلح" قائم ہوئی، جس کے پس منظر میں سب سے بڑی کارگذار شخصیت آپ ہی کی تھی، اس کے علاوہ سیاسیات پر آپ کے مختلف فتاویٰ اور مضامین مختلف اخبارات میں چھپتے رہے۔

۱۹۱۹ء میں جب جمعیۃ علماء قائم ہوئی تو آپ کی انھیں سیاسی سرگرمیوں اور سیاسی بصیرت کے پیش نظر آپ کو اس مؤقر تنظیم کا پہلا صدر منتخب کیا گیا اور ۱۹۳۹ء میں اس منصب سے علاحدگی کے باوجود آپ جمعیۃ سے علاحدہ نہیں ہوئے تھے؛ بلکہ برابر آپ جمعیت کے سرگرم رکن رہے اور اکابر نے ذمہ دارانِ جمعیت کو خاص کر تلقین کی تھی کہ مفتی کفایت اللہ صاحب کو کبھی بھی جمعیت سے علاحدہ ہونے نہ دیا جائے اور اس کی وجہ آپ کی اعلیٰ سیاسی بصیرت تھی؛ چنانچہ آپ کے استاذ گرامی شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ فرماتے تھے:

> مولوی کفایت اللہ کا دماغ سیاست ساز ہے، جب کہ دوسرے لوگ صرف سیاست داں ہیں۔(۱)

سیاست کے علاوہ فرق باطلہ کے رد میں بھی آپ کی نمایاں خدمت رہی ہے؛ چنانچہ آپ نے قادیانیت کے رد میں باضابطہ "البرہان" نامی رسالہ جاری کیا، جس کے ایڈیٹر بھی آپ ہی تھے اور آپ نے مسلمانوں کو ارتداد سے بچانے کے لئے جمعیۃ علماء ہند میں ایک نیا شعبہ "شعبۂ تبلیغ" بھی قائم کیا، جس کے مبلغین کو مختلف دیہاتوں میں آپ بھیجا کرتے تھے۔

(۱) مفتی اعظم کی یاد: ۸۵

شانِ تفقہ اور فتاویٰ نویسی کا نہج

مختلف علوم وفنون کے ساتھ فقہ وفتاویٰ میں آپ کو خاص امتیاز حاصل تھا اور مختلف دینی وملی سرگرمیوں کے ساتھ خدمت افتاء آپ کا خاص مشغلہ رہا؛ حتیٰ کہ سیاسیات میں بھی آپ نے فقہ وفتاویٰ کی لائن سے بڑی خدمات انجام دیں؛ چنانچہ آپ کے فتاویٰ کے مجموعے میں ''سیاسیات'' کا ایک مستقل باب موجود ہے۔

آپ کے ہم عصر اور اکابر علماء کو بھی آپ کی شانِ تفقہ کا اعتراف اور آپ کے فتاویٰ پر اعتماد تھا؛ چنانچہ جب ''ترک موالات'' کا فتویٰ لکھنا تھا تو حضرت شیخ الہندؒ نے اپنے جن دو تلامذہ پر اعتماد کیا تھا، ان میں پہلا نام آپ ہی کا تھا اور آپ نے ''ترک موالات'' پر مفصل فتویٰ تحریر کیا، اسی طرح علی گڑھ کے طلبہ کی طرف سے جب استفتاء آیا تھا تو حضرت شیخ الہندؒ نے اس کا جواب آپ ہی سے لکھوایا تھا، جس پر شیخ الہندؒ نے صرف نظرِ ثانی فرمائی تھی اور دستخط کر کے بھیج دیا تھا۔(۱)

عام فقہی مسائل میں فتویٰ لکھنا کسی قدر آسان ہوتا ہے کہ اس کی عبارتیں بھی فقہ کی کتابوں میں مل جاتی ہیں اور اس کا اثر بھی کسی کی ذاتی زندگی یا ایک حلقہ تک محدود ہوتا ہے؛ لیکن آپ کا دور انتہائی پر آشوب اور ہنگاموں کا دور تھا، آپ کے پاس زیادہ تر ملکی اور سیاسی معاملات میں استفتاءات آتے تھے، جس کا جواب لکھنے کے لئے اصل معاملات کو سمجھنے کے ساتھ علم میں گہرائی اور مختلف علوم میں مہارت درکار ہوتی ہے، الحمد للہ آپ نے اس فریضہ کو بڑے حسن وخوبی کے ساتھ انجام دیا؛ چنانچہ ملک کے نامور عالم اور آپ کے شاگرد مولانا سعید احمد اکبرآبادی تحریر فرماتے ہیں :

> وہ کافی غور وخوض اور تفکر وتدبر کے بعد کسی نتیجے پر پہنچتے تھے اور اس تفکر کے وقت مسئلہ کا کوئی پہلو ایسا نہیں ہوتا تھا، جو ان کی

---

(۱) دیکھئے: مفتی اعظم: ۲۱

توجہ سے اوجھل رہ گیا ہو اور پھر ان کا فیصلہ ایسا اٹل اور مستحکم ہوتا تھا کہ اس کو بدلوا دینا ممکن نہ تھا۔(۱)

آپ کے فتاویٰ کی مقبولیت نہ صرف ہندوستان میں تھی؛ بلکہ جاوا، ساترا، برما، ملایا، چین، بخارا، سمرقند، بلخ، بدخشاں، ختن، تاشقند، ترکستان، افغانستان، ایران، افریقہ، امریکہ اور انگلستان وغیرہ سے بھی آپ کے پاس سوالات آتے تھے اور آپ کے جوابات لوگوں کے لئے سرمۂ چشم اور سنگ میل ثابت ہوتے تھے۔

آپ کے فتاویٰ کی خصوصیت یہ تھی کہ آپ جواب بہت ہی مختصر لکھتے تھے؛ بلکہ اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ آپ ایجاز واختصار کے بادشاہ تھے؛ آپ کا جواب جتنا مختصر ہوتا تھا اتنا ہی پُرمغز بھی ہوتا تھا اور اختصار کے باوجود مسئلہ کا کوئی پہلو آپ سے چھوٹتا نہیں تھا؛ البتہ لمبی لمبی فقہی عبارت نقل کرنے کے آپ عادی نہیں تھے — ذیل میں نمونہ کے طور پر آپ کا ایک فتویٰ نقل کیا جارہا ہے، جس میں ایجاز واختصار اور مسئلہ کے ہر پہلو پر محیط ہونے کے علاوہ آپ کی شانِ تفقہ بھی ظاہر ونمایاں ہے، پراویڈنٹ فنڈ پر زکوٰۃ کے سلسلہ میں آپ لکھتے ہیں:

اس جمع شدہ رقم (پراویڈنٹ فنڈ) کی زکوٰۃ اس وقت تک واجب نہیں جب تک کہ یہ وصول نہ ہو جائے اور وصول ہونے کے بعد بھی جب سال گذر جائے، اس وقت واجب الاداء ہوگی اور صرف اسی زمانہ کی جو وصولی رقم کے بعد سے اس پر گزرے گا؛ کیوں کہ روپیہ ابھی تک اس کے قبضہ میں ہی نہیں آیا اور اس کا ایک حصہ اگرچہ "بدلِ عمل" ہے، مگر زیادہ حصہ اس کا محض عطیہ ہے، "دین ضعیف" ہے اور اس کا یہی حکم ہے۔(۲)

آپ نے اس چھوٹی سی عبارت میں کئی مسائل کو جمع فرما دیا ہے اور کئی پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے، مثلاً:

---

(۱) دیکھئے: سہ ماہی فکر اسلامی: ۱۲۷، معاصر فقہ اسلامی نمبر۔ (۲) کفایۃ المفتی: ۳۰۷/۴

۱- پراویڈنٹ فنڈ کے طور پر جو رقم تنخواہ سے وضع کرنے کے بعد ملتی ہے، اس پر گذشتہ زمانہ (جب سے وہ رقم جمع ہے) کی زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی؛ بلکہ رقم وصول ہونے کے بعد واجب ہوگی۔

۲- رقم وصول ہونے کے بعد بھی فوراً زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی؛ بلکہ رقم وصول ہونے کے بعد جب اس مال پر سال گذر جائے تب زکوٰۃ واجب ہوگی۔

۳- سال گذرنے کے بعد بھی گذشتہ زمانوں (جب سے رقم جمع ہے) کی زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی؛ بلکہ رقم وصول ہونے کے بعد جو سال گذرا ہے، اسی سال کی زکوٰۃ واجب ہوگی۔

۴- زکوٰۃ واجب نہ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ رقم اب تک اس کے قبضہ میں نہیں آئی ہے اور جو چیز ابھی قبضہ میں نہیں آئی اس کا وہ مالک نہیں ہوا اور جس چیز کا وہ مالک نہیں ہوا، اس پر زکوٰۃ بھی نہیں ہوگی۔

۵- ایک اشکال یہ ہوتا ہے کہ پراویڈنٹ فنڈ میں تنخواہ کا ایک حصہ وضع کرلیا جاتا ہے، جو اس کے ''عمل کا بدلہ'' ہے اور ''بدلِ عمل'' ''دین'' کے حکم میں ہوتا ہے اور دین پر گذشتہ زمانوں کی بھی زکوٰۃ واجب ہوتی ہے؛ لہٰذا پراویڈنٹ فنڈ پر بھی گذشتہ زمانوں کی زکوٰۃ واجب ہونی چاہئے؟ — آپ نے جواب میں اس پہلو کو بھی واضح کیا ہے کہ پراویڈنٹ فنڈ کا ایک حصہ تو یقیناً اس کی تنخواہ سے وضع ہونے کی وجہ سے ''بدلِ عمل'' اور ''دین'' لگتا ہے؛ لیکن اس کو صرف اتنی رقم نہیں ملتی ہے، جتنی تنخواہ سے وضع ہوئی تھی: بلکہ اس سے بڑھ کر ملتی ہے اور بڑھ کر ملنے والی رقم دین والی رقم سے زیادہ ہوتی ہے؛ لہٰذا مجموعی رقم میں دین ''ضعیف'' ہے اور اس پر بڑھ کر ملنے والی رقم ''قوی'' ہے اور حکم قوی کے مطابق لگایا جاتا ہے، لہٰذا کمپنی سے ملنے والی رقم پر وصول ہونے سے پہلے ملکیت نہیں ہوتی ہے؛ اس لئے اس پر بھی ملکیت نہیں سمجھی جائے گی اور گذشتہ زمانوں کی زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔

۶- اس جواب میں اس اشکال کو بھی حل کیا گیا ہے کہ ایسا بھی تو ہوسکتا ہے کہ دین

اور الگ سے ملنے والی رقم کا الگ الگ حکم ہوا، یعنی مجموعی رقم وصول ہونے کے بعد دین کے بقدر رقم پر گذشتہ زمانوں کی بھی زکوٰۃ واجب ہو اور اس پر ملنے والی اضافی رقم میں رقم وصول ہونے کے بعد زکوٰۃ واجب ہو؟ — آپ نے اس کا جواب اس عبارت سے دیا کہ "اور اس کا یہی حکم ہوگا" یعنی دین کو بھی اضافی رقم ہی کے حکم میں رکھ کر مجموعی رقم میں وصول ہونے کے بعد ہی زکوٰۃ واجب ہوگی۔

۷- پراویڈنٹ فنڈ کے سلسلہ میں ایک اہم اشکال، جس کی وجہ سے مسلمانوں کو زیادہ بے چینی ہوتی ہے، وہ یہ ہے کہ اس فنڈ میں جتنی تنخواہ وضع کی جاتی ہے، اتنی ہی رقم ادارہ اپنی طرف سے ملاتا ہے اور پھر پوری رقم پر سود متعین کیا جاتا ہے اور آخر میں ملازم کو سود کے ساتھ رقم واپس کی جاتی ہے، مثلاً دس ہزار روپیہ تنخواہ سے وضع ہوا، دس ہزار ادارہ نے اپنی طرف سے ملایا اور اس پر سود کی رقم سات سو آگئی، تو ملازم کو کل بیس ہزار سات سو روپے ملیں گے، جن میں سات سو روپیہ سود ہے، تو کیا مسلمانوں کے لئے یہ پوری رقم لینا درست ہوگا، یا سود کی رقم سات سو کو الگ کردینا ضروری ہوگا؟ — اس پورے اشکال کا جواب آپ نے صرف ایک لفظ "عطیہ" سے دے دیا ہے کہ یہ ساری رقم ادارہ کی طرف سے انعام اور "عطیہ" ہے؛ لہٰذا اس کے لینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

آپ کے فتاویٰ کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ آپ کا جواب مستفتی کے سوال سے مربوط ہونے کے باوجود مستقل حیثیت رکھتا ہے، یعنی آپ کا جواب سمجھنے کے لئے مستفتی کے سوال کو پڑھنا ضروری نہیں ہوتا؛ بلکہ اگر مستفتی کے سوال کو حذف کردیا جائے، یا کوئی شخص عدم فرصتی کی وجہ سے سوال نہ پڑھ سکے تو بھی اس کے سامنے مسئلہ پوری طرح واضح ہوجائے گا، جیسا کہ اوپر کی مثال میں آپ کی یہ خصوصیت بھی ظاہر و نمایاں ہے اور عبارت میں ایجاز و اختصار کے باوجود اس چیز کی رعایت بڑی مہارت کی بات ہے۔

آپ کے فتاویٰ کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ آپ ہمیشہ دوٹوک فتاویٰ لکھتے تھے؛ چنانچہ جب پہلی جنگ عظیم میں دولِ متحدہ کو فتح حاصل ہوئی اور ترکی کو شکست کا سامنا کرنا پڑا تو

برطانیہ اور اس کے مقبوضات ونوآبادیات میں ''جشن فتح'' منانے کا فیصلہ کیا گیا، تاہم اہل ہند کے بارے میں انگریزوں کو معلوم تھا کہ یہ لوگ ترکی کے حامی اور خلافت تحریک کے مؤید ہیں اور ترکی کی شکست کی وجہ سے ''جشن فتح'' میں شریک نہیں ہوسکیں گے؛ اس لئے باشندگانِ ہند کو فریب دینے کے لئے ہندوستان میں اس جشن کو ''جشن صلح'' کے نام سے منانے کا فیصلہ کیا گیا؛ لیکن اس وقت کے بیدار مغز علماء اور حریت پسند افراد نے اس کی مخالفت کی، اس موقع سے آپ نے اس جشن کے خلاف ایک انجمن بھی قائم کی اور اس کے خلاف بیانات بھی دیئے، اسی موقع سے خلافت کمیٹی کے سکریٹری جناب آصف علی نے آپ سے ایک فتویٰ طلب کیا اور پھر آپ کے جواب کی توثیق وتائید میں پنجاب، سندھ، یوپی، بہار وغیرہ کے بہت سے علماء نے دستخط بھی فرمائے، فتویٰ کی دوٹوک عبارت اس طرح تھی :

> بہ حالت موجودہ مسلمان تاوقتیکہ معاملات کا صحیح فیصلہ شرعی نقطۂ نظر سے ان کے جذبات کے موافق نہ ہوجائے'' جشن صلح'' یا ''فتح کی خوشی'' اور مسرت میں شریک ہونا قطعاً ناجائز ہے۔(۱)

اسی طرح ایک بار عالم اسلام کے رہنما ملک مصر میں ''موتمر اسلامی'' میں آپ کو شرکت کے لئے مدعو کیا گیا، وہاں آپ کا بہت اعزاز ہوا، صدر موتمر کی داہنی طرف آپ کو نشست دی گئی اور شیخ الازہر خود دومرتبہ آپ کی مزاج پرسی کے لئے آپ کی قیام گاہ پر تشریف لائے، اس غیر معمولی اعزاز کے باوجود جب فوٹو کے معاملہ میں آپ سے سوال کیا گیا تو آپ نے دوٹوک الفاظ میں اس کی حرمت کا اعلان کیا؛ حالاں کہ وہ لوگ فوٹو کے تعلق سے بہت نرم رویہ رکھتے تھے اور ان کا خیال تھا کہ ممانعت ''تصویر'' کی ہے ''فوٹو'' کی نہیں اور تصویر اور فوٹو میں فرق یہ ہے کہ تصویر ہاتھ سے بنائی جاتی ہے، جب کہ فوٹو مشین سے عکس محفوظ کرنے کا نام ہے؛ لہٰذا دونوں کا حکم الگ الگ ہوگا — اس وقت علماء مصر سے جو گفتگو ہوئی تھی آپ کے رفیق سفر مولانا عبدالحق مدنیؒ کی نقل کے مطابق اس طرح تھی :

(۱) مفتی اعظم ہند:۱۴۱

علماء مصر : التصوير الممنوع إنما هو الذی يكون بصنع الإنسان ومعالجة الأيدی ، وهذا ليس كذلک ، إنما هو عكس الصورة .

ممانعت تو اس تصویر کی ہے جو انسان کے عمل اور ہاتھوں کی کاریگری سے ہو، فوٹو میں کچھ نہیں کرنا پڑتا، یہ تو صورت کا عکس ہوتا ہے۔

مفتی صاحب : كيف ينتقل هذا العكس من الزجاجة إلى الورق ؟

یہ عکس کیمرہ لینس سے کاغذ پر کس طرح منتقل ہوتا ہے؟

علماء مصر : بعد عمل كثير (بہت کچھ کاریگری کے بعد)۔

مفتی صاحب : أی فرق بين معالجة الأيدی ، وصنع الإنسان ، والعمل الكثير؟

انسان کے عمل، ہاتھوں کی کاریگری اور بہت کچھ کاریگری میں کیا فرق ہے؟

علماء مصر : ''نعم ! هو شیء واحد'' (کوئی فرق نہیں، صرف الفاظ کا اختلاف ہے، مفہوم سب کا ایک ہے)۔

مفتی صاحب : إذاً حكمها واحد (تب تو حکم بھی سب کا ایک ہی ہوگا)۔

علماءِ مصر آپ کی اس حاضر جوابی سے بے حد متاثر ہوئے اور ان لوگوں سے کوئی جواب نہیں بن پڑا، اس طرح کے اور بھی بہت سے مکالمات اپنے ہندوستانی علماء اور اربابِ دانش سے منقول ہیں، جن میں آپ کسی طرح کی مداہنت یا ہچکچاہٹ کے بغیر دوٹوک انداز میں اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

آپ کی فتاویٰ نویسی کی ابتداء ۱۳۱۶ھ مطابق ۱۸۹۸ء سے ہوئی اور آپ نے اپنی آخری عمر تک ۵۴ سال اپنے کو اس مشغلہ میں لگائے رکھا اور اُمت کی شرعی رہنمائی فرماتے رہے، حتیٰ کہ قید و بند کے زمانہ میں بھی آپ کا یہ مشغلہ نہیں چھوٹا، مولانا برہان الدین سنبھلی لکھتے ہیں :

آپ کا یہ مشغلہ کسی حال میں ترک نہیں ہوا، حتیٰ کہ قید و بند کی
حالت میں بھی "چکی کی مشقت" کے ساتھ "مشق فتاویٰ" بھی
جاری رہی، پوری عمر اسی مشغلہ میں گزاری، یعنی وہ مخلوق کو خالق کی
بندگی کے آداب سکھاتے ہوئے اپنے خالق سے جاملے۔(۱)

وفات وتدفین

۳۱ر دسمبر ۱۹۵۲ء اور یکم جنوری ۱۹۵۳ء کی درمیانی شب ساڑھے دس بجے آپ کی روح قفس عنصری سے پرواز کرگئی اور دہلی میں خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے احاطہ کے قریب آپ کے جسد خاکی کو سپرد خاک کیا گیا۔

آپ کے اساتذہ وتلامذہ

آپ کے ابتدائی اساتذہ میں حافظ بدھن خاں و مولانا عبدالحق خاں (شاہجہاں پوری) اور دیوبند کے اساتذہ میں مولانا عبدالعلی میرٹھی، مولانا حکیم محمد حسن، مولانا غلام رسول خاں ہزاروی، مولانا خلیل احمد سہارنپوری اور شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی رحمہم اللہ خاص کر قابل ذکر ہیں اور آپ سے کسب فیض کرنے والوں میں مولانا ضیاء الحق دہلوی، سحبان الہند مولانا احمد سعید دہلوی (سکریٹری و صدر جمعیۃ علماء ہند) مفتی مہدی حسن شاہ جہاپوری (صدر مفتی دارالعلوم دیوبند) شیخ الادب مولانا اعزاز علی امروہوی (دیوبند) مفتی اسماعیل (مفتی جامعہ اسلامیہ، ڈابھیل)، مولانا محمد حسین (بانی جامعہ حسینیہ ناندیر) مولانا حافظ محمد یاسین سکندر آبادی، رائے پوری (بانی مدرسہ اسلامیہ، رائے پور) مولانا عبدالعزیز (بانی درسگاہ عزیزی جنید، مشرقی پنجاب) اور مولانا محمد شفیع ملتانی (بانی و مہتمم مدرسہ قاسم العلوم) کے نام خاص کر قابل ذکر ہیں اور ہندوستان کے علاوہ دیگر ممالک میں بھی آپ کے شاگرد پھیلے ہوئے ہیں؛ چنانچہ آپ کے فرزند اکبر مولانا حفیظ الرحمٰن واصف لکھتے ہیں:

(۱) سہ ماہی فکر اسلامی، معاصر فقہ اسلامی نمبر: ۱۴۶ (جولائی ۱۹۹۹ء)۔

آپ کے ہزاروں شاگرد ہندوستان، پاکستان، برما، ملایا، جاوا، سماترا، عراق، حجاز، شام، افغانستان، ایران، بخارا، ختن، تبت، چین اور افریقہ تک پھیلے ہوئے ہیں۔(۱)

علمی و قلمی سرمایہ

مختلف تحریکوں اور تنظیموں سے وابستگی اور اُمت کے لئے مرغ بسمل کی طرح تڑپ نے آپ کے رہوارِ قلم کو روک سا دیا تھا؛ اس لئے آپ کی تصنیف زیادہ نہیں ملتی ہے، تاہم اس کثرتِ اشتغال کے باوجود جو علمی و قلمی سرمایہ آپ نے چھوڑا ہے، وہ درج ذیل ہے :

۱- کفایۃ المفتی (۹ر جلدیں):— آپ کا سب سے بڑا قلمی سرمایہ آپ کے گہربار قلم سے لکھے گئے آپ کے فتاویٰ کا مجموعہ ہے، جس کو آپ کے فرزند اکبر مولانا حفیظ الرحمٰن واصف نے مرتب کیا ہے، اس کی کل ۹ر جلدیں ہیں؛ لیکن چوں کہ ہمیشہ آپ کے فتاویٰ کی نقل محفوظ نہیں کی جاسکتی؛ اس لئے آپ کے تمام فتاویٰ اس مجموعہ میں نہیں آسکے، یہاں تک کہ اگر یہ کہا جائے تو غلط نہیں ہوگا کہ آپ کی فتاویٰ نویسی کی پچپن سالہ زندگی میں سے زیادہ سے زیادہ پچیس سال کے فتاویٰ ہی کو جمع کیا جاسکا ہے، ورنہ ۹ جلدوں کی جگہ ۱۹ر جلدیں ہوسکتی تھیں، چنانچہ خود مرتب فتاویٰ لکھتے ہیں :

> ۱۳۱۶ھ مطابق ۱۸۹۸ء سے فتویٰ لکھنا شروع کیا اور ۱۳۲۱ھ مطابق ۱۹۰۳ء میں دہلی تشریف لائے؛ لیکن مدرسہ امینیہ میں نقول فتاویٰ کا سب سے پہلا رجسٹر ربیع الاول ۱۳۵۲ھ مطابق ۱۹۰۳ء سے شروع ہوتا ہے، یعنی چھتیس (۳۶) برس فتویٰ لکھنے کے بعد نقول فتاویٰ کا انتظام ہوا، مگر یہ انتظام بھی ناکافی و ناقص تھا...... مدرسہ کے رجسٹر میں آخری فتویٰ ۱۹۴۴ء کا ہے، اس کے

(۱) مفتی اعظم ہند: ۱۰۸، بحوالہ: مفتی اعظم کی یاد۔

> بعد آپ کی وفات تک آٹھ برس کے زمانہ میں صرف پچیس فتویٰ درج ہوئے ...... اندراج فتاویٰ کے لئے کوئی مستقل محرر بھی نہیں رکھا گیا......۔
>
> آپ مدرسہ امینیہ کے ساتھ جمعیۃ علماء کے دارالافتاء کے بھی صدر مفتی تھے اور سہ روزہ ''الجمعیۃ'' میں ''حوادث واحکام'' کے عنوان سے آپ کے فتاویٰ شائع ہوتے تھے؛ مگر ''الجمعیۃ'' کا ریکارڈ بھی مفتی اعظم کے تمام فقہی ذخیرہ کا حامل نہیں بن سکا۔(۱)

۲- تعلیم الاسلام (۴ رحصے):— کم عمر بچے اور بچیوں کی نفسیات کا خیال رکھتے ہوئے ایمان وعقائد اور ارکان واعمال کو آسان اور عام بول چال کی زبان میں پیش کیا گیا ہے، یہ کتاب لوگوں میں بڑی مقبول ہے اور ہندو پاک کے بیشتر مدارس میں اور بنگلہ دیش و افریقہ کے بعض مدارس میں داخل نصاب ہے اور کئی زبانوں میں اس کے ترجمے بھی ہو چکے ہیں، اس کتاب کے بارے میں ڈاکٹر ابوسلمان شاہ جہاں پوری لکھتے ہیں :

> عام طور پر کتابیں مصنف کی نسبت سے شہرت پاتی ہیں؛ لیکن یہ ایسی کتاب ہے جس کی نسبت سے اس کے مؤلف نے شہرت پائی، اس کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے ہے کہ دلی کے گلی کوچوں میں ''تعلیم الاسلام والے مفتی صاحب'' سے مشہور ہوئے، یہ کتاب اور اس کے مؤلف کی عنداللہ مقبولیت کا اشارہ بھی ہے۔(۲)

ان کے علاوہ آپ نے بہت سے فقہی اور غیر فقہی رسالے بھی لکھے ہیں، جن کی تفصیل درج ذیل ہے :

---

(۱) دیباچہ کفایۃ المفتی۔

(۲) مفتی اعظم ہند: ۸۰

۳- کف المومنات عن حضور الجماعات :— یہ رسالہ آپ نے عورتوں کے لئے مجالس وعظ میں شرکت اور جمعہ وعیدین کے اجتماعات میں حاضری کے جواز وعدم جواز کے متعلق ۱۹۱۶ء میں لکھا تھا۔

۴- صلوٰۃ الصالحات :— آپ کے رسالہ ''کف المومنات.....'' پر مولوی عبدالستار کلانوری نے ''عید احمدی'' کے نام سے تنقید لکھی تھی، اسی کے جواب میں آپ نہ یہ رسالہ تحریر کیا تھا۔

۵- النفائس المرغوبۃ فی حکم الدعاء بعد المکتوبۃ :— یہ فرض نمازوں کے بعد دُعاء کے سلسلہ میں تحقیقی رسالہ ہے، جو مشاہیر علماء کی تصدیق کے ساتھ جون ۱۹۱۶ء میں پہلی بار شائع ہوا تھا۔

۶- الصحائف المرفوعۃ فی جواب اللطائف المطبوعۃ :— آپ کے رسالہ ''النفائس المرغوبۃ'' پر ایک صاحب نے ''اللطائف المطبوعۃ'' کے نام سے تنقید لکھی تھی، اس کے جواب میں آپ نے یہ رسالہ لکھا تھا۔

۷،۸- دلیل الخیرات فی ترک المنکرات، وخیر الصلات فی حکم الدعاء للاموات :— رنگون سے آپ کے پاس استفتاء آیا تھا، جس میں میت کی تدفین سے قبل اور بعد خاص طریقہ سے دُعاء کے اہتمام کے بارے میں شرعی حکم دریافت کیا گیا تھا، آپ نے وہاں کے عوام کے لئے پہلے ایک رسالہ دلیل الخیرات فی ترک المنکرات کے نام سے رسوم وبدعات کے رد میں لکھا ہے، پھر استفتاء کا تفصیلی جواب خیر الصلوٰۃ فی حکم الدعاء الاموات کے نام سے تحریر فرمایا، حاجی داؤد ہاشم یوسف اور مولانا قاضی الدین (رنگون) نے اطراف ملک سے مزید ایک سو چونتیس علماء سے اس سلسلہ میں فتویٰ لے کر دونوں رسالوں کو ایک ہی جگہ شائع کر دیا۔

۹- البیان الکافی :— یہ رسالہ رؤیت ہلال سے متعلق مسائل پر لکھا گیا ہے۔

۱۰- قنوت نازلہ اور اس سے متعلق مسائل :— یہ رسالہ ۱۹۲۰ء میں پہلی بار شائع ہوا۔

۱۱- اُصولِ اسلام :— یہ رسالہ ''جواہر الایمان'' کے نام سے بھی شائع ہوا ہے، اس

میں اسلامی عقائد اور عبادات، نماز، روزہ، حج اور زکوۃ کے مسائل کے علاوہ عصری زندگی میں پیش آنے والے بھی بعض مسائل بیان کئے گئے ہیں۔

۱۲- اتمام النقال فی بعض احکام التمثال: حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے ایک استفتاء کے جواب میں نعل نبوی سے تبرک کے جواز پر ایک رسالہ "نیل الشفاء بنعل المصطفیٰ" کے نام سے لکھ کر چھپوایا تھا، جس میں نعل شریف کی ایک مصنوعی شکل بھی چھاپ دی گئی تھی، مفتی صاحب کے پاس جب کسی نے یہ رسالہ پیش کیا اور اس سلسلہ میں استفسار کیا تو آپ نے تفصیلی جواب لکھا کہ یہ تو محض تصویر بلکہ فرضی نقش ہے! اس سے تبرک کیوں کر حاصل کیا جاسکتا ہے؟ پھر یہ جواب حضرت تھانوی کی خدمت میں بھیجا تو حضرت تھانوی نے اپنے فتویٰ سے رجوع فرمالیا اور پھر حضرت تھانوی ہی کے مشورہ سے دونوں رسالوں کو اتمام النقال فی بعض احکام التمثال کے نام سے شائع کرا دیا گیا۔

مذکورہ فقہی رسالوں میں سے بیشتر رسالوں کو مولانا حفیظ الرحمٰن واصف نے "کفایۃ المفتی" میں شامل کر دیا ہے، ان کے علاوہ سیاسیات اور دوسرے موضوع پر رسالے درج ذیل ہیں :

۱۳- مسلمانوں کے مذہبی اور قومی اغراض کی حفاظت :— ۱۹۱۶ء میں مسلم لیگ اور کانگریس کے درمیان ایک معاہدہ طے پایا تھا، جس میں مسلم اکثریتی صوبہ میں مسلمانوں کی سیٹیں کم کردی گئیں اور جہاں مسلمان اقلیت میں تھے، وہاں مسلم سیٹیں بڑھادی گئیں اور جناح صاحب کا نظریہ تھا کہ "سرمایہ دار کو مزید سرمایہ دار بنانے کا کیا فائدہ"؟ یعنی جہاں مسلمان اکثریت میں ہیں وہاں سیٹیں بڑھانے سے کیا فائدہ ہوگا؟ حالاں کہ اس معاہدہ سے جہاں مسلم اکثریت میں تھے، وہاں اقلیت میں ہوگئے اور جہاں اقلیت میں تھے، وہاں سیٹیں بڑھا کر بھی کوئی فائدہ نہیں ہوا، اس وقت آپ نے مثبت انداز اور مہذب اُسلوب میں جو تنقید کی تھی، اسے رسالہ کی شکل میں "مسلمانوں کے مذہبی اور قومی اغراض کی حفاظت" کے نام سے شائع فرمایا تھا۔

۱۴- شیخ الہند — مختصر سوانح و حالات اسیری :— یہ رسالہ انجمن اعانت نظر بندان

اسلام کے تحت شائع ہوا تھا، اسے مفتی صاحب ہی نے مرتب کیا تھا؛ لیکن اس پر اپنا نام نہیں لکھا تھا۔

۱۵- اُردو کا قاعدہ: — یہ قاعدہ تعلیم الاسلام سے پہلے بچوں کے لئے لکھا گیا تھا، یہ متعدد لسانی خوبیوں کا جامع ہے۔

۱۶- روض الریاحین: آپ نے عربی میں مدرسہ امینیہ کے قیام کا پس منظر، تاریخ، حالات وغیرہ پر ایک لمبا قصیدہ لکھا تھا اور ایک لمبا قصیدہ اپنے استاذ حضرت شیخ الہندؒ مولانا محمود حسن دیوبندی کی شان میں لکھا تھا، اس قصیدہ کا آغاز غزل کے انداز میں ہوتا ہے، پھر ماضی کی راحت، محبوب کے وصال، پھر محبوب کے اعراض و بے رخی، ملامت گر کی ملامت اور اپنے اوپر ہلاکت کے خطرہ کا ذکر کرتے ہیں کہ اچانک آسمان سے آواز آتی ہے کہ جا اور مرشد روحانی کی خدمت میں حاضر ہو جا اور اس کے بعد آپ دیوبند حاضری اور تعلیم و تعلم اور حضرت شیخ کے فضائل و مناقب کا تفصیلی ذکر کرتے ہیں، آپ کے اس کلام میں زبان و بیان کی تمام خوبیاں موجود ہیں ''ریاض الریاحین'' آپ کے ان ہی قصیدوں کا مجموعہ ہے۔

☆ ☆ ☆

مولانا محمد سہول بھاگلپوریؒ

مولانا مفتی محمد سہول صاحب ضلع بھاگلپور (بہار) کے پورینی گاؤں کے رہنے والے تھے، ابتدائی تعلیم اپنے گھر پر ہی حاصل کی، پھر بھاگلپور میں مولانا اشرف عالم کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا، وہاں سے کانپور تشریف لے گئے اور مدرسہ فیض عام اور مدرسہ جامع العلوم میں تعلیم حاصل کی، مدرسہ فیض عام میں آپ نے مولانا محمد فاروق صاحب چریاکوٹی سے پڑھا اور جامع العلوم میں آپ کو حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ اور مولانا محمد اسحق بردوانی سے تلمذ کا شرف ملا، پھر آپ حیدرآباد تشریف لائے اور یہاں مفتی لطف اللہ علی گڑھی اور مولانا عبدالوہاب بہاری سے منطق، فلسفہ، ہیئت، ادب اور اُصولِ فقہ کی تعلیم حاصل کی، حیدرآباد سے آپ دہلی تشریف لے گئے اور مولانا نذیر حسین کے درس میں شریک ہوئے، مولانا نذیر حسین سے تعلیم حاصل کرنے کے بعد آپ نے دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی سے حدیث کی تکمیل کی۔

تعلیم سے فراغت کے بعد دارالعلوم دیوبند ہی میں سات آٹھ سال تک مدرس رہے، پھر مدرسہ عزیزیہ بہار شریف، مدرسہ عالیہ کلکتہ اور مدرسہ عالیہ سلہٹ میں صدر مدرس و شیخ الحدیث رہے، ۱۹۲۰ء میں پٹنہ کے مدرسہ عالیہ شمس الہدیٰ میں پرنسپل مقرر ہوئے۔

۱۳۵۰ھ سے ۱۳۶۲ھ تک آپ دارالعلوم کی مجلس شوریٰ کے رکن رہے، اسی دوران ۱۳۵۵ھ سے ۱۳۵۷ھ تک دارالعلوم کے دارالافتاء میں صدر مفتی کی حیثیت سے خدمت انجام دی، آپ کے زمانہ میں پندرہ ہزار ایک سو پچاسی (۱۵۱۸۵) فتاویٰ دارالافتاء سے جاری کیے گئے، ۲۷ رجب ۱۳۶۷ھ مطابق ۱۹۴۸ء میں آپ کی وفات ہوئی اور آپ کے گاؤں پورینی میں آپ کی تدفین عمل میں آئی۔

☆ ☆ ☆

مولانا اعزاز علی امروہوی رح

شیخ الادب والفقہ حضرت مولانا اعزاز علی کے والد گرامی کا نام "مزاج علی" تھا، آپ کا آبائی وطن مراد آباد (یوپی) کا مشہور و مردم خیز قصبہ "امروہہ" ہے، آپ کی پیدائش ۱۳۰۰ھ میں بدایوں میں ہوئی، نانا جان نے آپ کا نام "اعزاز علی" تجویز کیا۔

قرآن مجید ناظرہ آپ نے حافظ قطب الدین صاحب سے پڑھا اور حافظ شرف الدین صاحب کے پاس قرآن پاک حفظ کیا، اُردو اور فارسی کی تعلیم والد ماجد سے حاصل کی، پھر مدرسہ گلشن فیض تلہر میں مولانا مقصود علی خان سے شرح ملا جامی تک عربی کی کتابیں پڑھیں، پھر مدرسہ عین العلم شاہ جہان پور میں داخلہ لیا اور وہاں قاری بشیر احمد سے کنز الدقائق وغیرہ اور مفتی کفایت اللہ شاہ جہاں پوری ثم دہلوی سے شرح وقایہ وغیرہ کتابیں پڑھیں۔

مدرسہ عین العلم سے درس نظامی کی متوسط کتابیں پڑھ لینے کے بعد اپنے اساتذہ کے اصرار پر دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا، دارالعلوم میں مولانا حافظ احمد صاحب (مہتمم دارالعلوم دیوبند) سے ہدایہ اولین اور امام المنطق والفلسفہ حضرت مولانا محمد سہول بھاگلپوری سے میر قطبی وغیرہ پڑھی، درمیان میں اپنی ہمشیرہ سے ملنے میرٹھ گئے تو مولانا عاشق الٰہی میرٹھی نے وہیں روک لیا اور فرمایا کہ دیوبند جا کر دورۂ حدیث کی تکمیل کر لینا؛ چنانچہ مولانا کے اصرار پر آپ وہیں "مدرسہ قومی" خیر نگر میں داخل ہو گئے، یہاں آپ کو بعض کتابیں مولانا عاشق الٰہی سے پڑھنے کا موقع ملا اور بخاری شریف کے علاوہ درس نظامی کی بیشتر کتابیں آپ نے مدرسہ قومی کے صدر مدرس مولانا عبدالمومن دیوبندی سے پڑھیں، پھر مولانا عاشق الٰہی کی اجازت سے دوبارہ دارالعلوم تشریف لائے اور صحیح بخاری، سنن ترمذی، سنن ابی داؤد، ہدایہ اخیرین، بیضاوی

اور توضیح وتلویح، شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ سے پڑھیں، فنون کی بعض کتابیں مولانا غلام رسول ہزاروی سے پڑھیں، ادب کی اکثر کتب مولانا معز الدین سے پڑھیں اور فتویٰ نویسی کی تربیت صدر مفتی دار العلوم دیوبند مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی سے حاصل کی، ۱۳۲۱ھ میں آپ کی فراغت ہوئی۔

دار العلوم دیوبند سے فراغت کے بعد شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی کے حکم سے مدرسہ نعمانیہ پورنیہ بھاگلپور (بہار) میں مدرس مقرر ہوئے، وہاں آپ نے سات سال رہ کر مدرسہ کو ہر طرح کی ترقی دی، پھر آپ شاہجہاں پور تشریف لائے اور ایک مسجد میں ''افضل المدارس'' کے نام سے مدرسہ قائم کیا، یہاں تقریباً تین سال آپ درس وتدریس میں مشغول رہے، پھر کچھ نامساعد حالات کی وجہ سے وہاں سے سبکدوشی اختیار کر لی اور آپ کے مشفق استاذ مولانا محمد سہول صاحب بھاگلپوری کی سعی وکوشش سے ۱۳۳۰ھ میں آپ کا تقرر دار العلوم دیوبند میں ہوگیا، آپ کو یہاں پہلے سال علم الصیغہ، مفید الطالبین، نور الایضاح وغیرہ کتابیں پڑھانے کو دی گئیں، دار العلوم کی روداد میں آپ سے متعلق لکھا ہے:

> آپ ایک نوجوان بااستعداد اور صاحب صلاح وتقویٰ عالم ہیں، صورتاً وسیرتاً اپنے سلف کی یادگار ہیں، علوم میں استعداد تام رکھتے ہیں...... خوش تقریر ہیں، طلبہ آپ سے نہایت مانوس ہیں۔(۱)

۱۳۱۹ھ میں جب حیدر آباد میں مولانا حافظ محمد احمد صاحب (مہتمم دار العلوم دیوبند) کو مفتی اعظم کے عہدے پر فائز کیا گیا تو مہتمم صاحب اپنی ضعیف العمری کی وجہ سے کام میں تعاون کے لئے مولانا اعزاز علی کو اپنے ساتھ حیدر آباد لے آئے، آپ نے یہاں ایک سال قیام کیا، پھر ۱۳۴۰ھ میں دیوبند واپس ہوتے ہوئے راستہ میں مہتمم صاحب کی وفات ہوگئی اور ادھر مفتی عزیز الرحمٰن (صدر مفتی دار العلوم دیوبند) کی علاحدگی کے بعد دار العلوم کا شعبۂ افتاء خالی ہوگیا، جس کے لئے کسی لائق شخصیت کی ضرورت تھی؛ چنانچہ دار العلوم کے شعبۂ افتاء

(۱) تاریخ دار العلوم دیوبند: ۲/۹۴

کے لئے آپ ہی کا نام نامی تجویز کیا گیا، ۱۳۴۷ھ میں آپ کو شعبۂ افتاء کا صدر مفتی بنادیا گیا، مگر ایک سال کے بعد آپ تدریس کے لئے یکسو ہوگئے، پھر ۱۳۶۴ھ سے ۱۳۶۶ھ تک صدارت افتاء کا منصب آپ کے سپرد رکھا گیا اور آپ کی صدارت کے زمانہ میں چوبیس ہزار آٹھ سو پچپن (۲۴۸۵۵) فتاویٰ جاری کئے گئے، اس کے بعد پھر آپ تدریس کے لئے یکسو ہوگئے اور اخیر عمر تک اسی میں لگے رہے۔

۱۳؍رجب المرجب ۱۳۷۴ھ منگل کے روز جس وقت دن اپنی روشنی کے سفر کا آغاز کرنے جارہا تھا، ٹھیک اسی وقت آپ کی زندگی کی شام ہوگئی اور "مزار قاسمی" (دیوبند) میں آپ کی تدفین عمل میں آئی، آپ کی تاریخ وفات کو کسی نے اس طرح نظم کیا ہے:

سنہ تھا چوہتر ، صدی تھی چودھویں ، تیرہ رجب
جب ہوئے اوجھل ہماری آنکھوں سے شیخ الادب

آپ کے تلامذہ کی تعداد تقریباً پانچ ہزار تک پہنچتی ہے، جن میں مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی، مفتی محمد شفیع دیوبند، مولانا عتیق الرحمٰن عثمانی، مولانا محمد میاں دیوبندی، ڈاکٹر مصطفیٰ حسن کاکوروی، مفتی محمود حسن نانوتوی، مولانا منظور احمد نعمانی، مولانا سعید احمد اکبرآبادی، مولانا نسیم احمد فریدی، قاضی زین العابدین سجاد میرٹھی، قاری محمد طیب، مولانا فخر الدین، مولانا معراج الحق اور مولانا عبدالاحد شامل ہیں۔

آپ کے علمی و قلمی سرمایوں میں سب سے اہم وہ فتاویٰ ہیں جو آپ نے دارالعلوم دیوبند کے مسند افتاء سے جاری فرمائے، ان کی ترتیب وطباعت کے بعد اہل علم کے لئے یہ بڑا علمی سرمایہ ہوگا، ان کے علاوہ آپ نے مختلف عربی کتابوں کا حاشیہ لکھا ہے، جن میں حاشیہ نور الایضاح (فارسی) حاشیہ نور الایضاح (عربی) حاشیہ دیوان حماسہ، حاشیہ کنز الدقائق، حاشیہ دیوان متنبی، حاشیہ شرح نقایہ، حاشیہ مفید الطالبین وغیرہ خاص کر قابل ذکر ہیں، نیز بعد کتابوں کا آپ نے اُردو ترجمہ بھی کیا ہے، جیسے دیوان متنبی کا اُردو ترجمہ اور "البینات" کے نام سے

"قصائد الامیۃ المعجزت" کا اُردو ترجمہ، ان کے علاوہ آپ نے عربی ادب میں ایک معرکۃ الآراء کتاب "نفحۃ العرب" کے نام سے لکھی جس میں تاریخی حکایات وقصص اور اخلاقی مضامین بیان کئے گئے ہیں، یہ کتاب عربی مدارس میں بہت مقبول ہوئی اور دارالعلوم دیوبند اور دوسرے بہت سے مدرسوں میں داخل نصاب ہے۔(۱)

☆ ☆ ☆

(۱) دیکھئے: ظفر المحصلین بأحوال المصنفین: ۲۷۱، مولانا حنیف گنگوہی۔

مفتی مہدی حسن شاہجہاں پوریؒ

مفتی مہدی حسن کا وطن شاہجہاں پور (یوپی) ہے، جہاں ۱۳۰۱ھ میں آپ کی ولادت ہوئی، ابتدائی تعلیم وطن میں ہوئی، پھر آپ مدرسہ امینیہ دہلی تشریف لے گئے اور مفتی کفایت اللہ دہلویؒ کی خدمت میں رہ کر ۱۳۲۶ھ میں تعلیم کی تکمیل کی، پھر تعلیم کے لئے دارالعلوم دیوبند تشریف لائے اور ۱۳۲۸ھ کے جلسۂ دستار بندی میں آپ کو دستار فضیلت عطا کی گئی۔

تعلیم سے فراغت کے بعد اپنے استاذ مفتی کفایت اللہ دہلوی کے حکم پر مدرسہ اشرفیہ راندیر ضلع سورت چلے گئے اور وہاں طویل مدت تک تدریس اور افتاء کی خدمت انجام دیتے رہے، ۱۳۶۷ھ میں آپ کو دارالعلوم دیوبند کے دارالافتاء میں صدر مفتی کا منصب سپرد کیا گیا، تقریباً گیارہ سال آپ نے یہاں افتاء کی خدمت انجام دی، آپ کے زمانہ صدارت میں دارالعلوم کے دارالافتاء سے پانچ ہزار تین سو چوبیس (۵۳۲۴) فتاوی جاری کئے گئے، ۱۳۸۷ھ میں اپنی طویل علالت اور ضعف و کمزوری کی وجہ سے دارالعلوم کی خدمت سے سبکدوش ہو کر وطن مالوف چلے گئے اور وہیں ۲۸ ربیع الثانی ۱۳۹۶ھ کو آپ کی وفات ہوئی۔

مفتی مہدی حسن صاحب عربی اور اردو کی کئی کتابوں کے مصنف بھی ہیں اور کئی کتابوں پر تحقیق و تعلیق کا کام بھی کیا ہے، جن میں شرح معانی الآثار للطحاوی کی عربی شرح ''قلائد الازہار'' (۶ جلدیں، جن میں دو جلدیں طبع ہو چکی ہیں)، امام محمد کی کتاب الآثار پر تحقیق و تعلیق اور نخبۃ الفکر کی عربی شرح خاص کر قابل ذکر ہیں، ان کے علاوہ اردو زبان میں دو درجن سے زائد رسائل آپ نے لکھے، جن کی طباعت نہیں ہو سکی۔

☆ ☆ ☆

مفتی اسماعیل بسم اللہ سورتیؒ

مولانا مفتی اسماعیل بسم اللہ ۱۳۱۶ھ مطابق ۱۸۹۸ء میں ڈابھیل سورت میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم اپنے وطن اور قریبی قصبہ کٹھور میں پائی، پھر دار العلوم دیوبند میں داخلہ لیا، مگر دورانِ تعلیم شادی کی وجہ سے آپ وطن واپس چلے گئے، پھر تعلیم کی غرض سے مدرسہ امینیہ دہلی تشریف لائے اور مفتی کفایت اللہ دہلویؒ کی خدمت میں رہ کر فتویٰ نویسی کی مشق کی، ۱۳۳۶ھ میں آپ نے دوبارہ دار العلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور یہاں سے دورۂ حدیث کی تکمیل کی۔

تعلیم سے فراغت کے بعد کچھ دنوں اپنے وطن میں ہی تدریسی خدمت انجام دی، پھر "جوہانس برگ" (جنوبی افریقہ) چلے گئے، مگر وہاں آپ کا قیام زیادہ دن نہیں رہا اور آپ مدرسہ تعلیم الدین ڈابھیل واپس آگئے، ۱۳۵۳ھ مطابق ۱۹۳۴ء میں آپ برما میں مفتی بنائے گئے، وہاں آپ نے فتاویٰ نویسی کی گرانقدر خدمات انجام دیں، نیز وہاں جمعیۃ علماء برما قائم کی اور مختلف مقامات پر کئی دینی مدارس اور مکاتب قائم کیے۔

۱۳۵۹ھ مطابق ۱۹۴۰ء میں صحت کی خرابی کی وجہ سے وطن واپس آگئے اور جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں تعلیمی اُمور کے نگراں بنائے گئے اور جلد ہی آپ کو وہاں کا مہتمم بھی مقرر کردیا گیا، آپ کے فتاویٰ کو گجرات کے علماء اور عوام میں یکساں مقبولیت حاصل تھی، آپ کے فتاویٰ تقریباً ۳۳ سال ہفت روزہ اخبار "مسلم گجرات" میں شائع ہوتے رہے، ان فتاویٰ کی تین جلدیں گجراتی زبان میں شائع ہوچکی ہیں، آپ کے فتاویٰ کی تعداد پینتیس ہزار (۳۵۰۰۰) کے قریب ہے، جن میں بیشتر گجراتی زبان میں اور کچھ اُردو زبان میں ہیں، ۱۳۷۹ھ مطابق ۱۹۵۹ء میں آپ کی وفات ہوئی۔

☆ ☆ ☆

مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندیؒ

ولادت اور خاندان

مفتی محمد شفیع صاحبؒ کی ولادت دیوبند ضلع سہارنپور (یوپی) میں ۲۰، ۲۱ رشعبان ۱۳۱۴ھ کی درمیانی شب (جنوری ۱۸۹۷ء) میں ہوئی، دیوبند کے مشہور عثمانی خاندان سے آپ کا تعلق تھا، مگر آپ کی والدہ سادات سے تھیں، آپ کے اجداد کا اصلی وطن منگلور سے متصل قصبہ "جوراسی" (اتر پردیش) تھا، آپ کے پردادا میاں جی امام علی صاحب بچپن ہی میں اپنے والد حافظ کریم اللہ کے ساتھ جوراسی سے دیوبند منتقل ہوگئے تھے، آپ کے والد مولانا محمد یاسین دیوبند ہی میں ۱۲۸۱ھ میں پیدا ہوئے اور اسی سال دارالعلوم دیوبند کی بنیاد بھی پڑی تھی۔

دارالعلوم دیوبند میں

آپ کے والد دارالعلوم دیوبند میں مدرس تھے اور آپ نے جب سے ہوش سنبھالا آپ کے والد صاحب مدرسہ آپ کو ساتھ لے جاتے تھے، اس طرح آپ کے کھیل کود کا زمانہ بھی دارالعلوم ہی کے صحن میں گذرا ہے، جب آپ کی عمر پانچ سال کی ہوئی تو آپ کو تعلیم کے لئے دارالعلوم میں داخل کر دیا گیا اور حافظ محمد عظیم کے پاس آپ نے قرآن پڑھنا شروع کیا، فارسی کی تمام مروجہ کتابیں اپنے والد ماجد سے دارالعلوم ہی میں پڑھیں، حساب وفنونِ ریاضی اپنے چچا مولانا منظور احمد (مدرس دارالعلوم دیوبند) سے حاصل کئے، عربی، صرف ونحو اور فقہ کی کتب بھی اپنے والد ہی سے پڑھیں، فن تجوید اپنے رفیق درس قاری محمد یوسف میرٹھی سے حاصل کیا، جو عرصہ دراز تک آل انڈیا ریڈیو سے تلاوتِ قرآن نشر فرماتے تھے، ان کے علاوہ فقہ، اُصولِ فقہ، حدیث وغیرہ کی کتابیں اپنے وقت کے جبال العلم مثلاً: علامہ انور شاہ کشمیری، مفتی

عزیز الرحمٰن عثمانی، مولانا شبیر احمد عثمانی وغیرہم سے پڑھیں۔

مفتی صاحب اپنی طالب علمی میں طلبہ کو تکرار کرواتے تھے اور رات ۱۲؍ بجے کے بعد دار العلوم سے گھر واپس آتے تھے، آپ تحصیل علم میں اتنے منہمک تھے کہ دوسرے شہر تو کجا اپنے قصبۂ دیوبند کے بھی سارے راستوں سے اچھی طرح واقف نہیں تھے اور نہ ہم عمر لڑکوں سے دوستانہ تعلق تھا، اسی محنت ویکسوئی کا نتیجہ تھا کہ امتحان میں سوالات کے جواب محققانہ انداز میں لکھتے تھے اور اساتذہ آپ کی جوابی بیاض کو دیکھنے سے پہلے ہی کہہ دیتے تھے کہ "اسے کیا دیکھیں؟ یہ پرچہ تو ہم سے انعامی نمبروں کا مطالبہ کرے گا" — ایک مرتبہ حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے شاگرد مولانا عبد العلی صاحب دار العلوم دیوبند تشریف لائے اور مولانا حبیب الرحمٰن (مہتمم دار العلوم دیوبند) اور دیگر اساتذہ کے ساتھ کھڑے تھے کہ قریب سے مفتی محمد شفیع صاحبؒ کا گذر ہوا، اس وقت مہتمم صاحب نے آپ کو بلایا اور مہمان سے مخاطب ہو کر فرمایا:

> یہ دار العلوم کا ایسا طالب علم ہے کہ اس کو اپنی کتابوں کے علاوہ کسی اور چیز کا ہوش بھی نہیں، نہ اپنے کپڑوں کی خبر ہے نہ جان کی؛ لیکن کتاب کا کوئی سوال پوچھو تو محققانہ جواب شروع کر دے گا۔(۱)

ایک مرتبہ "شرح جامی" کا امتحان مولانا شبیر احمد عثمانی کے پاس چلا گیا، اس وقت تک چوں کہ آپ نے ان سے کوئی کتاب نہیں پڑھی تھی، اس لئے وہ سمجھ نہیں سکے کہ یہ کس کا پرچہ ہے اور جوابی بیاض دیکھ کر حیرت میں پڑ گئے اور فوراً مہتمم صاحب سے جا کر پوچھا کہ یہ کس کا پرچہ ہے؟ جب مہتمم صاحب نے بتایا تو وفورِ مسرت میں امتحان ہال گئے، مفتی شفیع صاحب وہاں دوسری کسی کتاب کا امتحان لکھ رہے تھے، مولانا شبیر نے آپ کو کھڑا کیا اور تمام طلبہ کے سامنے آپ کے سر پر ہاتھ رکھ کر حوصلہ افزا کلمات فرمائے۔

مفتی صاحب نے قدیم فلسفہ بھی پڑھا ہے اور جدید فلسفہ بھی، فلسفہ کی تعلیم سے پہلے

(۱) تاریخ دار العلوم دیوبند: ۲؍۵۷

آپ کے والد صاحب نے حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ سے مشورہ کیا؛ کیوں کہ فلسفہ اسلامی عقائد کے خلاف تھا، حضرت تھانوی نے اجازت دی کہ اس کو اس فلسفہ سے نقصان نہیں ہوگا؛ بلکہ یہ بصیرت کے ساتھ اس کے ذریعہ فلسفہ کا رد کرسکے گا، نیز علامہ کشمیری نے دوران سبق کئی بار طلبہ سے فرمایا:

> پہلے زمانہ میں ہمارے اسلاف نے قدیم فلسفہ پڑھ کر اس کا رد کیا تھا؛ کیوں کہ اس وقت وہی رائج تھا؛ لیکن آج کل قدیم فلسفہ کی جگہ جدید فلسفہ نے لے لی ہے؛ اس لئے جدید فلسفہ ضرور پڑھنا چاہئے؛ تاکہ ان فتنوں کا مقابلہ کیا جائے۔(۱)

چنانچہ مفتی شفیع صاحب نے قدیم فلسفہ کی بھی تمام متداول کتابیں پڑھیں اور جدید فلسفہ کی بھی مشہور کتاب ''الفلسفۃ العربیۃ'' خود علامہ کشمیریؒ سے پڑھی۔

فراغت و تدریس

شعبان ۱۳۳۷ھ میں دارالعلوم دیوبند سے آپ کی فراغت ہوئی اور مہتمم صاحب نے آپ کو دارالعلوم ہی میں تدریس کے لئے رکھ لیا، آپ کا ارادہ بلا معاوضہ تدریسی خدمت کا تھا، اس لئے آپ نے دینی علوم کو کسب معاش کا ذریعہ نہ بنا کر فن خطاطی، جلد سازی اور طب وغیرہ کی تعلیم حاصل کی؛ چنانچہ بعض کتابیں آپ کے دستی خط سے شائع ہوئیں اور بعض کتابیں تو آپ کے پاس ایسی بھی تھیں، جن کے مصنف بھی آپ ہی تھے، کتابت بھی آپ ہی کی تھی اور جلد سازی بھی خود ہی کی تھی، فن طب میں ''نفیسی'' علامہ کشمیریؒ سے اور ''شرح اسباب'' مولانا حکیم محمد حسن (برادر شیخ الہندؒ) سے پڑھی، جب تدریس کے ساتھ افتاء کی خدمت بھی آپ کے سپرد کی گئی تو کسبِ معاش کے لئے دوسرے کاموں کی فرصت نہیں مل سکی اور آپ کا بلا معاوضہ تدریسی خدمت کا خواب زیادہ دنوں شرمندۂ عمل نہیں رہ سکا، اس وقت آپ کا وظیفہ پانچ روپیہ ماہانہ تھا اور اخیر زمانہ تک آپ کا مشاہرہ ۶۵ روپیہ ہوسکا تھا، حالاں کہ کئی اداروں

(۱) تاریخ دارالعلوم دیوبند: ۲/۵۸

سے بڑی بڑی تنخواہوں کی پیشکش ہوئی اور مدرسہ عالیہ کلکتہ سے سات سو روپے تنخواہ کی بار بار پیشکش کی گئی، مگر آپ نے ہر حال میں دارالعلوم کی خدمت کو ترجیح دی۔

دارالعلوم میں علیا تک تقریباً تمام فنون کی کتابیں پڑھانے کا موقع ملا، تاہم سنن ابی داؤد اور مقامات حریری کا سبق خصوصیت کے ساتھ بہت مشہور و مقبول تھا۔ ۱۳۴۹ھ میں آپ کو دارالافتاء کا صدر مفتی بنایا گیا، ۱۳۶۲ھ میں آپ تحریک پاکستان میں آزادانہ حصہ لینے کی وجہ سے دارالعلوم سے مستعفی ہوگئے اور ۲۰ر جمادی الاخری ۱۳۶۷ھ، یکم مئی ۱۹۴۸ء کو مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کی دعوت پر ''دستورِ اسلامی'' کی ترتیب کے لئے پاکستان منتقل ہوگئے، شوال ۱۳۷۰ھ میں آپ نے دارالعلوم کراچی کی بنیاد ڈالی۔

افتاء کی خدمت اور آپ کا فقہی مقام

آپ مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی کے خصوصی شاگرد اور تربیت یافتہ تھے، مفتی صاحب کو آپ پر بڑا فخر اور اعتماد تھا؛ چنانچہ آپ کی تدریس کے آغاز ہی سے آپ کے استاذ بعض استفتاء آپ کے حوالہ کر دیتے تھے اور جب ۱۳۴۴ھ میں مفتی عزیز الرحمٰن دارالعلوم سے مستعفی ہوگئے تو چند سال مولانا ریاض الدین وغیرہ مختلف علماء سے افتاء کی خدمت متعلق رہی، پھر ۱۳۴۹ھ میں مفتی شفیع صاحب کو دارالافتاء میں صدر مفتی کے جلیل القدر منصب پر فائز کیا گیا اور ۱۳۶۲ھ تک آپ نے اس عہدہ پر فائز رہ کر تقریباً چالیس ہزار فتاویٰ تحریر کئے۔

۵ر ربیع الاول ۱۳۶۲ھ میں آپ دارالعلوم سے مستعفی ہوگئے؛ لیکن عوام و خواص کے رجوع اور اپنے پیر و مرشد حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی ہدایت کی بنا پر افتاء کا سلسلہ جاری رکھا، تاہم ۱۳۶۲ھ سے ۱۳۷۱ھ تک نو سالوں میں جو فتاویٰ آپ کے گہر بار قلم سے نکلے، انھیں محفوظ نہیں کیا جا سکا، پھر ۱۳۷۱ھ (۱۹۵۲ء) میں آپ نے دارالعلوم کراچی (پاکستان) کے شعبۂ افتاء سے ۱۹۵۹ء تک جو فتاویٰ لکھے ان کی نقل محفوظ کی گئی، جن کی تعداد ستر ہزار نو سو بارہ (۷۰۹۱۲) ہے، ان کے علاوہ مقدمات کے فیصلے اور زبانی فتوں کی تعداد بے شمار ہے۔

آپ نے جدید مسائل کو اجتماعی آراء سے حل کرنے کے لئے ایک مجلس بھی ''مجلس تحقیق مسائل حاضرہ'' کے نام سے قائم کی تھی، جس میں علامہ یوسف بنوری، مفتی رشید احمد (مہتمم اشرف المدارس ناظم آباد، پاکستان) اور دار العلوم کراچی اور شہر کے خاص خاص اساتذہ شریک ہوتے تھے اور ہر ماہ اس مجلس کے تحت اجلاس منعقد ہوتے تھے اور نو پیش آمدہ مسائل کی اجتماعی طور پر تحقیق کی جاتی تھی۔

کہا جاسکتا ہے کہ آپ کی زندگی کے مختلف پہلوؤں میں سب سے نمایاں اور سب سے غالب پہلو، جس کا تسلسل کبھی ختم نہیں ہوا، وہ ''خدمت افتاء'' ہی ہے، چنانچہ فراغت کے فوری بعد سے اپنی زندگی کے آخری لمحات تک آپ نے اپنے کو اس کام میں مصروف رکھا، یہاں تک کہ آپ کی زندگی کا سب سے آخری کام بھی ''فتویٰ نویسی'' ہی کا کام تھا، چنانچہ اپنی وفات سے صرف چند گھنٹے قبل بھی آپ نے ایک استفتاء کا جواب لکھوایا تھا۔

آپ کے فقہی مقام کا اندازہ آپ کے فتاویٰ کو دیکھ کر بخوبی لگایا جاسکتا ہے، نیز عوام وخواص کا آپ کی طرف رُجوع اور اکابر علماء کا آپ پر اعتماد بھی فقہ وفتاویٰ میں آپ کے عالی مقام کا پتہ دیتے ہیں، چنانچہ مفتی اعظم ہند مفتی عزیز الرحمٰن، محدث عصر علامہ انور شاہ کشمیریؒ اور حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ تو آپ پر اعتماد کرتے ہی تھے، یہاں مصر کے معروف عالم اور محقق علامہ زاہد الکوثری کے ایک خط کا اقتباس نقل کیا جاتا ہے، جس سے ہندوپاک کے علاوہ عالم اسلام میں آپ کی شہرت ومقبولیت اور آپ کے فقہی مقام کا اندازہ لگانا آسان ہوگا، علامہ کوثری آپ کے ایک خط کے جواب میں (جس میں آپ نے کسی مسئلہ کی تحقیق کے بعد علامہ کوثری کی رائے مانگی تھی) لکھتے ہیں :

> ...... جہاں تک استفتاء کا تعلق ہے تو فتویٰ کے ماہر اور محقق تو آپ خود ہیں اور اس سلسلہ میں آپ کے طویل تجربے نے آپ کو اس مقام تک پہنچا دیا ہے، جو صحیح معنی میں ''فقیہ النفس'' کا مقام ہے اور آپ نے اپنے مکتوب میں جو نکات اُٹھائے ہیں وہ

نہایت وقیع ہیں ...... میں فتویٰ پر دستخط کرنے کی جرأت نہیں
کروں گا ؛ کیوں کہ یہ آپ کی فقہی مہارت کے آگے ایک
جسارت کے مترادف ہوگا۔(۱)

علامہ کوثری کا آپ کو ''فقیہ النفس'' کہنا بالکل بجا اور درست تھا ؛ چنانچہ کئی بار اس کا مشاہدہ ہوتا تھا کہ کسی مسئلہ میں فقہ کی بعض عبارتیں اور علماء کی آراء ایک طرف ہیں اور مفتی صاحب کا دل اس کو قبول نہیں کررہا ہے، چنانچہ جب مزید تحقیق کی جاتی تو آپ ہی کی رائے صحیح اور اُصولِ اسلام سے قریب تر ہوتی تھی، مجلس تحقیق مسائل حاضرہ میں اس قسم کے واقعات بار ہا پیش آتے تھے، یہی وجہ ہے کہ آپ کو عوام وخواص ''مفتی اعظم پاکستان'' کے لقب سے یاد کرتے تھے، جس کے واقعی آپ صحیح مصداق تھے۔

امتیازات وخصوصیات

فقہ وفتاویٰ سے منسلک دوسرے علماء کے درمیان آپ کو کئی پہلوؤں سے اُمتیاز حاصل تھا اور کئی اعتبار سے آپ کی ذمہ داریاں بڑھی ہوئی تھیں، مثلاً :

۱- نئی ایجادات : آپ کے زمانہ میں زندگی کے مختلف شعبوں میں ایسی ایسی نئی ایجادات آگئیں جو آپ سے پہلے نہیں تھیں اور ان کے بارے میں فقہی جزئیات بھی خاموش تھیں؛ اس لئے آپ نے بڑی محنت اور دقت نظر سے ان مسائل کو حل فرمایا۔

۲- دارالعلوم کی مرکزیت : آپ کے زمانہ میں دوسرے مفتیان بھی تھے، مگر ان کے فتاویٰ کا وہ اثر نہیں تھا، جو آپ کے فتاویٰ کا تھا اور اس کی وجہ دارالعلوم دیوبند کی مرکزیت تھی ؛ چنانچہ اس مرکزیت کے احساس کی وجہ سے آپ بڑی ذمہ داری سے اور خوب سوچ سمجھ کر کسی استفتاء کا جواب لکھتے تھے۔

۳- غیر مسلم حکومت : آپ سے پہلے کے علماء نے کسی قدر مسلم حکومت کو پایا تھا، جس

(۱) دیکھئے: سہ ماہی فکر اسلامی (بستی) معاصر فقہ اسلامی نمبر: ۱۷۹

میں نہ غیر اسلامی معاملات کی ترویج زیادہ تھی اور نہ اسلامی احکام پر کسی طرح کی رکاوٹ، جب کہ آپ کے زمانہ میں انگریزوں کا غلبہ بڑھ گیا تھا اور مظالم کے طوفان امنڈ پڑے تھے، ایسے وقت میں کسی بھی فتویٰ کی غلط تشریح وتوضیح کر کے علماء کو بدنام کرنے کی بھی کوشش کی جاتی تھی اور انھیں اپنے عتاب کا شکار بھی بنایا جاتا تھا؛ اس لئے بڑی احتیاط اور بڑے غور وخوض کے بعد نپے تلے الفاظ کے ساتھ آپ کو جوابات لکھنے پڑتے تھے۔

۴- اکابر کے فتاویٰ کی کم یابی: آپ سے پہلے والوں کو صلاحیت مند اساتذہ اور علماء کی بڑی تعداد میسر تھی، جن سے رُجوع ہو کر کسی مسئلہ کا جواب دینا آسان تھا اور آپ کے بعد کے علماء کے سامنے مختلف مسائل پر دی گئیں اکابر کی آراء اور ان کے فتاویٰ موجود تھے؛ جب کہ آپ کی زندگی کے بڑے حصے میں ایسے اکابر علماء بھی نہیں تھے، جن سے آپ رُجوع ہوتے اور نہ اکابر کے فتاویٰ مرتب تھے جن سے رہنمائی لی جاسکتی تھی۔

۵- مسائل کی تحقیق: آپ کی ایک اہم خصوصیت یہ تھی کہ عموماً علماء انھیں مسائل کے جوابات لکھتے ہیں جو ان سے پوچھے گئے ہوں؛ لیکن آپ نے ان کے علاوہ اس وقت اُمت کو جو مسائل پیش آسکتے تھے اور جن مسائل میں اُمت کی رہنمائی کی ضرورت تھی، بغیر پوچھے بھی آپ نے ان مسائل کی پوری تحقیق فرمائی اور قرآن وحدیث اور اُصولِ اسلام کی روشنی میں اُمت کی رہنمائی فرمائی۔

فتاویٰ نویسی میں آپ کا جو منہج اور طریقۂ کار تھا، اسے درج ذیل نکات میں بیان کیا جاسکتا ہے:

۱- سب سے پہلے آپ یہ دیکھتے تھے کہ استفتاء جواب دینے کے لائق ہے یا نہیں؛ کیوں کہ بسا اوقات فتویٰ حاصل کرنے کا مقصد عمل کرنا یا علم میں اضافہ کرنا نہیں؛ بلکہ مخالف کو زیر کرنا یا فتنہ پیدا کرنا ہوتا ہے؛ اس لئے آپ ایسے استفتاء کا جواب نہیں لکھتے تھے؛ بلکہ نصیحت کر دیا کرتے تھے؛ چنانچہ ایک صاحب کا استفتاء آیا کہ فلاں امام صاحب فلاں فلاں آداب کا خیال نہیں رکھتے، کیا انھیں ایسا کرنا چاہئے؟ تو آپ نے جواب لکھا کہ "یہ سوال تو خود امام

صاحب کے پوچھنے کا ہے، انھیں کہئے کہ وہ تحریراً یا زبانی معلوم کرلیں"۔

۲- نظریاتی (غیر عملی) سوالات کی آپ حوصلہ شکنی کیا کرتے تھے، چنانچہ آپ سے پوچھا گیا: "یزید کی مغفرت ہوگی یا نہیں"؟ — آپ نے جواب دیا: "یزید سے پہلے اپنی مغفرت کی فکر کرنی چاہئے"۔

۳- فتاویٰ لکھتے وقت آپ اس پہلو سے بھی بہت غور کرتے تھے کہ اس جواب کا نتیجہ کیا ہوگا، مثلاً کوئی مباح چیز ہے، مگر اس سلسلہ میں کھلی چھوٹ دینے سے معصیت تک پہنچنے کا اندیشہ ہے، ایسے وقت میں فتویٰ کے بجائے مشورہ لکھا کرتے تھے کہ یہ عمل مناسب نہیں ہے، یا اس سے گریز کرنا چاہئے۔

۴- فتویٰ کی عبارت میں آپ فقہی اصطلاحات سے بہت گریز کرتے تھے اور ایسا لکھتے تھے کہ فقہ کی شوکت اور فقہی باریکیاں بھی برقرار رہیں اور عام لوگوں کے لئے سمجھنا بھی آسان ہو، مثلاً ترکہ کے مسئلہ میں عموماً علماء جواب اس طرح لکھتے ہیں: "مرحوم کا جملہ ترکہ بعد تقدیم حقوق متقدمہ علی الارث حسبِ ذیل طریقہ پر تقسیم ہوگا......" — اب جو شخص "حقوق متقدمہ علی الارث" سے واقف ہی نہ ہوں اور دین سے اس بے اعتنائی کے دور میں انھیں اس کا مطلب بتانے والا بھی کوئی نہ ہو تو وہ ترکہ کس طرح تقسیم کریں گے؟ اس لئے آپ وراثت کے مسئلہ میں جواب اس طرح لکھتے ہیں:

> صورتِ مسئولہ میں مرحوم نے جو کچھ نقدی، زیور، جائیداد، یا چھوٹا بڑا سامان چھوڑا ہو، اس میں سے پہلے مرحوم کی تجہیز و تکفین کے متوسط اخراجات نکالیں جائیں، پھر اگر مرحوم کے ذمہ قرض ہو تو وہ ادا کیا جائے اور بیوی کا مہر اگر ابھی ادا نہیں ہوا ہو تو وہ بھی دین میں شامل ہے، اس کو ادا کیا جائے، پھر اگر مرحوم نے کوئی جائز وصیت کسی غیر وارث کے حق میں کی ہو تو ۱/۳ کی حد تک اس کے مطابق عمل کیا جائے گا، اس کے بعد جو ترکہ بچے

اسے حسب ذیل تفصیل کے مطابق تقسیم کیا جائے گا......۔

۵- کسی مسئلہ کا جواب مفصل ومدلل لکھنا ہو تو آپ تمہید اور دلائل کے ساتھ فتویٰ نہیں لکھتے تھے؛ بلکہ پہلے اصل مسئلہ کا مختصر اور سادہ حکم لکھتے تھے؛ تاکہ طالب کا مقصد پہلے ہی جملہ سے پورا ہو جائے اور ایسا اختلاط نہ ہو کہ عام آدمی کے لئے مسئلہ سمجھنا مشکل ہو جائے، اس کے بعد دلائل وغیرہ کی تفصیل لکھتے تھے؛ تاکہ علماء اور دلائل معلوم کرنے والوں کو بصیرت حاصل ہو سکے۔

۶- اگر سوال کرنے والے نے گڈمڈ کر کے مفصل استفتاء لکھا ہو اور اس میں کچھ زائد باتیں بھی آگئی ہوں، جن سے حکم پر کوئی اثر نہ پڑتا ہو تو آپ پہلے ان سوالات کا تجزیہ کر کے انھیں نمبروار لکھتے تھے، پھر ان کے جوابات بھی نمبروار تحریر فرماتے تھے۔

۷- کسی مسئلہ کی طرف آپ کے دل کا میلان ہوتا اور اکابر سے اس سلسلہ میں واضح رائے نہیں ملتی تو آپ ''تفرد'' اختیار کرنے اور اپنی الگ رائے لکھنے سے بہت گریز کرتے تھے اور اس سے آپ کو سخت نفرت تھی؛ چنانچہ ایسے سوالات کو مؤخر کر دیتے تھے اور کافی تلاش وجستجو کے بعد جب اکابر کی تائید حاصل ہو جاتی تب آپ اس کا جواب لکھتے تھے؛ تاکہ الگ الگ لوگوں کی آراء کی وجہ سے اُمت انتشار کا شکار نہ ہو۔

آپ کے مخصوص اساتذہ وتلامذہ

آپ نے علامہ انور شاہ کشمیریؒ، مفتی عزیز الرحمٰن عثمانیؒ، مولانا شبیر احمد عثمانیؒ، مولانا اصغر حسینؒ دیوبندی، مولانا اعزاز علیؒ امروہوی، مولانا محمد احمد صاحبؒ (مہتمم دارالعلوم دیوبند) اور علامہ ابراہیم بلیاویؒ سے خصوصی استفادہ کیا۔

آپ سے جن لوگوں نے شرف تلمذ حاصل کیا، ان کی تعداد تو تقریباً بیس ہزار (۲۰۰۰۰) ہے، جو مختلف ملکوں اور مختلف میدانوں میں خدمات انجام دے چکے یا دے رہے ہیں اور اپنے اپنے حلقوں میں قبلہ وکعبہ کی حیثیت رکھتے ہیں، تاہم ان شاگردوں میں آپ کے فرزند ارجمند،

عالم اسلام کی مشہور شخصیت، مولانا محمد تقی عثمانی (سابق چیف جسٹس مملکت پاکستان) خاص طور پر قابل ذکر ہیں اور علامہ اقبال نے تو باپ بیٹے کے تعلق سے یہ کہا تھا کہ:

باپ کا علم نہ بیٹے کو اگر ازبر ہو
پھر پسر قابل میراثِ پدر کیوں کر ہو

لیکن مولانا محمد تقی عثمانی جیسے فرزند کو دیکھنے کے بعد یہ شعر اس طرح پڑھنے کو جی چاہتا ہے کہ:

باپ کے علم کا بیٹا بھی محافظ ہو اگر
پھر پسر کیوں نہ بنے قابلِ میراثِ پدر

عہدے اور مناصب

آپ دارالعلوم دیو بند کے صدر مفتی اور دارالعلوم کراچی کے بانی و مہتمم تھے، قیام پاکستان کے بعد اسلامی دستور کی ترتیب کے لئے حکومت کی طرف سے علامہ شبیر احمد عثمانی کی سربراہی میں "تعلیمات اسلامی بورڈ" قائم کیا گیا تھا، آپ اس بورڈ کے بھی اہم رکن تھے اور یہی آپ کے پاکستان منتقل ہونے کا اصل سبب بنا تھا "تعلیمات اسلامی بورڈ" تو نئے دستور کی ترتیب کے لئے قائم ہوا تھا، اس کے علاوہ پاکستان کے موجودہ قانون کو اسلامی سانچہ میں ڈھالنے کے لئے ۱۹۵۰ء میں "لاء کمیشن" قائم کی گئی، اس کی ذمہ داری بھی آپ کے سر آئی، حکومت پاکستان نے زکوٰۃ کا اجتماعی نظام قائم کرنے کے لئے "زکوٰۃ کمیٹی" قائم کی تو اس کا بھی آپ کو رکن بنایا گیا، ۳۰ رشوال ۱۳۷۳ھ سے آپ کو ہر جمعہ کو صبح ریڈیو پر "معارف القرآن" کے نام سے درس قرآن کے لئے متعین کیا گیا۔

سن وفات اور علمی سرمایہ

آپ کی وفات دس اور گیارہ شوال ۱۳۹۶ھ کی درمیانی شب میں کراچی (پاکستان) میں ہوئی، آپ کے علمی اور قلمی سرمایوں میں سب سے اہم اور متبرک سرمایہ ۸ رجلدوں میں

قرآن مجید کی مفصل اُردو تفسیر "معارف القرآن" ہے، جو عوام وخواص کے لئے یکساں مفید اور مقبول ہے، اس کے بعد آپ کے گہر بار قلم سے نکلے ہوئے تقریباً ڈیڑھ لاکھ فتاویٰ ہیں، جن میں سے ایک حصہ "امداد المفتیین" کے نام سے شائع ہوا ہے، "امداد المفتیین" دار العلوم دیو بند میں آپ کے لکھے گئے فتاویٰ کے سولہ رجسٹروں میں سے صرف ایک رجسٹر کا بعض حصہ ہے، (۱) ان کے علاوہ آپ کی باضابطہ تصانیف ڈیڑھ سو سے زائد ہیں، ذیل میں آپ کی چند مشہور تصنیفات کا ذکر کیا جاتا ہے :

۱- جواہر الفقہ (۲/جلدیں):— یہ آپ کے چوالیس فقہی رسائل کا مجموعہ۔

۲- احکام القرآن:— حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے حکم پر اور ان کی نگرانی میں کئی علماء نے مل کر اس کام کو کیا ہے، اس میں مفتی شفیع صاحب نے پانچویں اور چھٹی منزل کا کام کیا ہے، جس کی اشاعت "احکام القرآن للتھانوی" کے نام سے ہوئی، یہ کتاب عربی زبان میں فقہی ترتیب پر لکھی گئی اور قرآن مجید سے حنفی مسلک کے دلائل کو واضح کیا گیا۔

۳- آلات جدیدہ کے شرعی احکام:— اس کتاب میں ریڈیو، ٹیلی فون، ٹیلی گراف، انجکشن، ایکسرے، ہوائی جہاز، لاؤڈ اسپیکر، فوٹو گرافی، سینما اور فلم، خون کا عطیہ اور اعضاء کی پیوندکاری وغیرہ سے متعلق احکام شرعیہ بیان کئے گئے ہیں۔

۴- اسلام کا نظامِ زرعی:— یہ کتاب ہندوستان کی زمین کے عشری یا خراجی ہونے کے بارے میں ہے، ہندوستان میں زمین کے عشری یا خراجی ہونے کا فیصلہ انتہائی دشوار تھا؛ کیوں کہ یہاں مختلف اوقات میں مختلف بادشاہوں کے ذریعہ فتوحات ہوئیں اور سبھوں نے زمین کے معاملہ میں اپنا الگ الگ رویہ اختیار کیا، اس لئے فقہی اعتبار سے ساری زمینوں پر یکساں حکم لگانا انتہائی مشکل تھا؛ لہٰذا آپ نے اس کی تحقیق کے لئے مختلف فتوحات کی تاریخ، فتوحات کی نوعیت اور فاتح کا زمین کے ساتھ معاملہ وغیرہ کی تحقیق کے بعد یہ کتاب تصنیف فرمائی، پھر جب تقسیم ہند کے بعد زمین کی صورتِ حال میں ایک انقلاب پیدا ہو گیا، متروکہ

(۱) دیکھئے: مقدمہ امداد المفتیین: ۱/۶۲، بحوالہ: جائزہ مدارس عربیہ: ۲۹۳

اراضی پر نئے مالکوں کے قبضے ہوئے اور دونوں ملکوں کے درمیان جائیدادوں کے سلسلہ میں نئے معاہدے عمل میں آئے تو پھر آپ نے ان معاہدوں کو سامنے رکھتے ہوئے از سر نو تحقیق فرمائی اور شرعی اُصول کو اس پر منطبق فرمایا، اس طرح بڑی محنت کے بعد یہ کتاب مرتب ہوئی۔

۵- فتوح الہند: — نظام زرعی کی تحقیق کے دوران آپ نے جو فتوحات کی تاریخ پڑھی، اسی کو آپ نے جمع فرما کر "فتوح الہند" کے نام سے شائع فرمادیا۔

۶- اوزان شرعیہ: — فقہ میں جو اوزان، پیمانے، مد، اوقیہ، رطل اور صاع وغیرہ کا ذکر آتا ہے، وہ پیمانے چوں کہ اس وقت موجود نہیں ہیں؛ اس لئے موجودہ اوزان میں ان کو منتقل کرنا ضروری تھا؛ کیوں کہ اس کے نہ ہونے کی وجہ سے بڑے بڑے علماء سے بھی چوک ہوجاتی تھی؛ اس لئے آپ نے باضابطہ جنگلوں اور کھیتوں میں جاکر اپنے ہاتھوں سے اصلی اور متوسط "رتی" توڑ کر اسی طرح "جو" وغیرہ لے کر ان کے ذریعہ وزن مقرر کیا، اس طرح یہ کتاب اگرچہ مختصر ہے ؛مگر بعد کے علماء کے لئے بڑی مفید اور "بہ قامت کہتر، بہ قیمت بہتر" کی مصداق ہے۔

۷- ختم نبوت کامل: — اس موضوع پر یہ سب سے زیادہ مفصل کتاب ہے، جس میں قرآن مجید کی سو سو سے زائد آیات، دو سو دس احادیث اور سینکڑوں اقوال و آثار صحابہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری نبی ہونا اور کسی اور کی نبوت کا ناممکن ہونا بیان کیا گیا ہے، نیز قادیانیوں کے اشکالات کے مدلل اور دلنشیں جوابات بھی دیئے گئے ہیں۔

۸- کشکول: — یہ آپ کے مختلف فقہی، تاریخی اور اصلاحی مضامین کا مجموعہ ہے، نیز اس کے آخر میں آپ کے اُردو، فارسی کے اشعار اور قصائد بھی شامل ہیں۔

ان کے علاوہ اسلام کا نظام تقسیم دولت، رفیق سفر مع احکام سفر احکام الحج، قرآن میں نظام زکوۃ، بیمہ اور انشورنس کی شرعی حیثیت، پراویڈنٹ فنڈ پر زکوۃ، احکام القمار، تصویر کے شرعی احکام، رؤیت ہلال کے شرعی احکام، احکام دُعاء اور اسلامی ذبیحہ جیسی تصانیف بھی آپ کے قلمی شاہکار ہیں۔

☆ ☆ ☆

مفتی محمد میاں دیوبندیؒ

سن ولادت اور تعلیم

مفتی محمد میاں صاحبؒ کی ولادت ۱۲؍رجب ۱۳۲۱ھ مطابق ۴؍اکتوبر ۱۹۰۳ء کو دیوبند میں ہوئی، آپ کے والد کا نام سید منظور محمد (عرف اچھے میاں) تھا، آپ کی ابتدائی تعلیم گھر ہی میں ہوئی، آپ کی نانی جان نے آپ کی بسم اللہ کرائی، آپ کے والد صاحب محکمۂ نہر میں ملازم تھے، جب ان کا تبادلہ بلند شہر سے ''ٹنڈ ھیڑہ'' مظفر نگر ہوا تو آپ کو وہاں کے مکتب میں داخل کر دیا گیا، پھر والد صاحب کا قصبہ ''بونہ'' تبادلہ ہوا تو وہاں آپ کو فارسی کی تعلیم کے لئے خلیل احمد نامی شخص کے حوالہ کیا گیا۔

۱۹۱۶ء میں آپ نے دارالعلوم دیوبند کے درجۂ فارسی میں داخلہ لیا اور ۱۹۲۵ء مطابق ۱۳۴۳ھ میں آپ کی فراغت ہوئی، دارالعلوم میں محدث کبیر علامہ انور شاہ کشمیریؒ، علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، مفتی عزیز الرحمٰن عثمانیؒ، شیخ الادب مولانا اعزاز علیؒ، مولانا اصغر حسین دیوبندی اور مولانا غلام رسول ہزاروی وغیرہم جیسے اساطین فضل و کمال سے آپ نے کسب فیض کیا۔

بچپن میں آپ کو حفظ قرآن کی دولت حاصل نہیں ہو سکی تھی، پھر درس و تدریس میں مشغول ہو جانے کی وجہ سے اس کا موقع نہیں مل سکا؛ لیکن جنگ آزادی کے موقع سے جب متعدد بار جیلوں میں بند ہونا پڑا تو جیل ہی میں آپ نے قرآن پاک کا حفظ شروع کیا اور ۱۹۶۴ء میں حفظ کی تکمیل ہوئی۔

تدریسی خدمات

فراغت کے بعد علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے حکم اور شیخ الادب مولانا اعزاز علیؒ کے مشورہ

سے آپ مدرسہ عالیہ کلکتہ کی شاخ مدرسہ حنفیہ آرہ شاہ آباد میں تدریس کے لئے مقرر ہوئے؛ مگر چوں کہ اس مدرسہ کو سرکاری ایڈ ملتی تھی اور بہار یونیورسٹی کے درجات فاضل وغیرہ کی تیاری بھی یہاں کرائی جاتی تھی اور یہ دونوں باتیں دارالعلوم دیوبند کے اُصول کے خلاف تھیں، اس لئے وہاں آپ کی طبیعت نہیں لگی، شوال ۱۳۴۷ھ مارچ ۱۹۲۸ء میں مدرسہ شاہی مراد آباد میں آپ تدریس پر مامور ہوئے اور ۲۸/ربیع الثانی ۱۳۴۸ھ کی مجلس شوریٰ میں تقرری کی توثیق ہوئی، یہاں تقریباً ۱۶/سال آپ نے خدمات انجام دیں، اس دوران مختلف علوم وفنون کی کتابیں، خاص کر مسلم شریف، ترمذی شریف، مشکوٰۃ شریف، ہدایہ اخیرین، مختصر المعانی اور مقامات حریری وغیرہ آپ کے زیر درس رہیں۔

سیاسی سرگرمیاں اور جمعیۃ علماء ہند سے وابستگی

درس وتدریس کے ساتھ سیاسی سرگرمیا بھی جاری تھیں اور تصنیف وتالیف کا مشغلہ بھی، متعدد بار آپ کو جیل بھی جانا پڑا، جمعیۃ علماء ہند سے آپ کی گہری وابستگی تھی؛ چنانچہ ایک مرتبہ حضرت مولانا حسین احمد مدنی علیہ الرحمہ کی فرمائش پر ۱۹۴۵ء میں آپ نے مدرسہ سے چھ ماہ کی رخصت لی اور دہلی تشریف لے گئے، مگر چوں کہ درس وتدریس ترک کرنا گوارا نہیں تھا، اس لئے چھ ماہ بعد پھر مدرسہ شاہی واپس ہو گئے، تاہم ۱۹۴۷ء کے ہنگامہ کے بعد آپ کی طبیعت کا رُخ بدلا اور درس وتدریس کے مقابلہ جمعیت کی خدمت کو آپ نے ترجیح دی؛ چنانچہ اس ہنگامہ میں موقع نکال کر آپ دہلی پہنچے تو مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی کے ساتھ وہیں رہ گئے اور مدرسہ شاہی سے مدرسی کا سلسلہ ختم کر دیا، پھر مدرسہ کی مجلس شوریٰ کے رکن بنا دیے گئے، ۱۳۸۰ھ میں مولانا محمد تقی دیوبندی کے وصال کے بعد آپ کو مدرسہ شاہی کا اعزازی مہتمم بنایا گیا اور تاحیات (۱۳۹۵ھ) آپ وہاں کے صدر اور مہتمم رہے۔

مدرسہ امینیہ دہلی میں

ایک طویل عرصہ تک درس وتدریس سے انقطاع کے بعد ۱۹۶۲ء میں مدرسہ امینیہ دہلی

میں شیخ الحدیث کے عہدے پر فائز ہوئے اور تا حیات (تیرہ سال) یہاں بخاری کا درس دیتے رہے، درس بخاری کے ساتھ یہاں افتاء کی ذمہ داری بھی آپ ہی کے سپرد تھی۔

جمعیۃ کے پلیٹ فارم سے آپ کی ملی خدمات

۱۹۲۹ء میں جمعیۃ علماء شہر مراد آباد کی مجلس منتظمہ کے اجلاس میں آپ کو شہر مراد آباد کا نائب ناظم منتخب کیا گیا اور کچھ دنوں کے بعد ناظم اعلیٰ بنادیا گیا، اس وقت جمعیۃ علماء صوبہ آگرہ کی نظامت تبلیغ بھی آپ ہی کے سپرد تھی، پھر جمعیۃ علماء صوبہ آگرہ کا ناظم مقرر کیا گیا اور مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی کی وفات (۱۹۶۲ء) کے بعد آپ کو جمعیۃ علماء ہند کا ناظم عمومی منتخب کیا گیا — غرض مختلف مراحل میں تقریباً ۳۵ سال آپ نے نظامت کا عہدہ سنبھالا، پھر نظامت مولانا اسعد مدنیؒ کی طرف منتقل کردی گئی؛ لیکن جمعیۃ سے آپ کے رشتہ میں کوئی کمی نہیں آئی۔(۱)

جمعیۃ علماء کے پلیٹ فارم سے آپ نے مختلف ملی اور سیاسی خدمات انجام دیں، آپ کو ۱۹۳۲ء-۱۹۴۲ء انگریزوں کی طرف سے گرفتار بھی ہونا پڑا، ۱۹۴۷ء کے ہنگامے کے بعد وہ علاقے جو مسلمانوں کی آبادی سے خالی ہوکر کمزور ہوگئے تھے، وہاں کے بچے کھچے مسلمانوں کو ارتداد سے بچانے، وہاں کے دورے کرکے ان کی ڈھارس بندھانے اور وہاں مکاتب قائم کرنے کے سلسلہ میں بھی آپ کی نمایاں خدمات رہی ہیں ۱۹۶۰ء میں جمعیۃ نے شرعی پنچایتوں کا نظام جاری کیا تو اس کا ضابطۂ عمل، اختیارات وفرائض اور احکام آپ ہی نے تیار کیے، نئے مسائل کے حل کے لئے آپ ہی کی تحریک پر جمعیۃ نے ''مباحث فقہیہ'' کا شعبہ قائم کیا اور آپ ہی کو اس کا مدیر بھی بنایا گیا، جمعیۃ علماء کی دستاویز اور اس کی تاریخ بھی آپ ہی کے قلم سے محفوظ ہوئی، اسی لئے کہا جاتا ہے کہ ''مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی اگر جمعیۃ کی ''زبان'' تھے، تو مفتی محمد میاں صاحب جمعیۃ کا ''قلم'' تھے اور مولانا احمد سعید صاحب آپ کو جمعیۃ علماء کا ''ذوالنون مصری'' کہا کرتے تھے۔

(۱) ہفت روزہ ''الجمعیۃ'' نئی دہلی: ۱۰۳، اکابر جمعیۃ علماء نمبر، نومبر ۲۰۰۸ء

آپ کی فقہی خدمات اور مباحث فقہیہ کا قیام

ملی اور سیاسی خدمات کے علاوہ فقہ اور تاریخ میں بھی آپ کی نمایاں خدمات ہیں؛ چنانچہ مدرسہ شاہی میں جہاں ہدایہ اخیرین کا سبق مستقل آپ سے متعلق رہا، وہیں ۱۳۵۸ھ میں وہاں کے دارالافتاء کی ذمہ داری بھی آپ کے سپرد کی گئی اور آپ نے نہایت محنت اور دلجمعی کے ساتھ اس فریضہ کو انجام دیا اور ۱۳۵۸ھ سے ۱۳۶۶ھ تک ۴۵۸ فتاویٰ بقلم خود فتاویٰ کے رجسٹر میں درج فرمائے،(۱) جو عظیم علمی وفقہی سرمایہ کا درجہ رکھتے ہیں، پھر ۱۹۶۲ء میں جب مدرسہ امینیہ دہلی سے منسلک ہوئے تو وہاں بھی تدریس کے ساتھ آپ نے افتاء کی خدمت انجام دی، جمعیۃ علماء ہند میں بھی فقہ وفتاویٰ کے حوالہ سے آپ ہی مرجع تھے، جب بہادر شاہ ظفر کی قبر کو رنگون سے دہلی لال قلعہ میں منتقل کرنے کا مسئلہ پیش آیا تو حکومت کی طرف سے آپ ہی کے پاس استفتاء آیا تھا اور آپ ہی کی تحریک پر جمعیۃ علماء ہند کی طرف سے ''مباحث فقہیہ'' کا قیام عمل میں آیا، جس کے تمام اُمور کی انجام دہی آپ ہی کے ذمہ تھی، اس ادارہ کے تحت رویت ہلال، حقوق طبع، کوآپریٹو سوسائٹی وغیرہ مسائل پر بحث وتحقیق کا کام آپ کے فقہی ذوق کے لئے سند کا درجہ رکھتا ہے۔

علمی وقلمی سرمایہ

تدریس وافتاء اور ملی وسیاسی خدمات کے ساتھ تصنیف وتالیف کے میدان میں بھی آپ کی نمایاں خدمات ہیں، خاص کر تاریخ وتذکرہ پر آپ کی بہت زیادہ تحریریں ہیں، آپ کی تصنیف وتالیف کے بارے میں مولانا معزالدین قاسمی لکھتے ہیں:

> آپ اپنی تصنیفات میں ایک مشاق مصنف اور صاحب قلم، تحریر وانشاء میں ایک صاحب طرز ادیب، تحقیق ودرایت میں ایک نکتہ رس فقیہ اور صاحب بصیرت مؤرخ نظر آتے ہیں، آپ کا

(۱) ماہنامہ ''ندائے شاہی'' کا خصوصی شمارہ ''تاریخ شاہی نمبر: ۲۷۵

شمار دار العلوم دیوبند کے کثیر التصانیف فضلاء میں ہوتا ہے۔(۱)

اور شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی آپ کی وسعت تالیف اور کثرت تصانیف کی وجہ سے مزاحا آپ کو ''حیوانِ کاتب'' کہا کرتے تھے، آپ کی تصانیف کی تعداد سو کے قریب ہیں، جن میں سے چند حسب ذیل ہیں :

۱- علماء ہند کا شاندار ماضی (۴ر جلدیں) :—— یہ کتاب مجدد الف ثانی (متوفی : ۱۰۳۴ھ) سے لے کر ۱۸۵۷ء تک کے مجاہدین کے مجاہدانہ کارناموں پر مشتمل ہے، یہ کتاب اولا آپ نے ۱۹۳۹ء میں لکھی تھی، جسے حکومت نے ضبط کرلیا اور آپ کو گرفتار کر کے مقدمہ چلایا تھا، پھر دوبارہ آزادی کے بعد ۱۹۵۷ء میں آپ نے از سر نو اضافوں کے ساتھ اسے ترتیب دیا۔

۲- علماء حق اور ان کے مجاہدانہ کارنامے (۲ر جلدیں) :—— یہ کتاب ''علماء ہند کا شاندار ماضی'' کا تکملہ ہے، جس میں ۱۸۵۷ء سے ۱۹۴۷ء تک کے مجاہدین حریت کے کارناموں کو بیان کیا گیا ہے۔

۳- جمعیۃ علماء کیا ہے؟ (دو حصے) :—— اس کتاب میں جمعیۃ کی خدمات اور اس کی تجاویز کو مرتب کیا گیا ہے، تاریخ جمعیۃ میں یہ کتاب سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔

۴- تحریک شیخ الہند :—— یہ کتاب انڈیا آفس لندن کی سی آئی ڈی رپورٹ کی بنیاد پر ترتیب دی گئی ہے، جس کی رسم اجراء ۵ر جولائی ۱۹۷۵ء کو صدر جمہوریہ ہند فخر الدین علی احمد مرحوم نے کی تھی، اس کتاب میں ''ریشمی رومال تحریک'' کا تفصیلی ذکر کیا گیا ہے۔

۵- اسیران مالٹا :—— اس کتاب میں شیخ الہند، شیخ الاسلام، حکیم نصرت حسین، مولانا وحید احمد اور مولانا عزیر گل کے حالات لکھے گئے ہیں۔

۶- مشکوٰۃ الآثار :—— اس کتاب میں بڑی خوبی کے ساتھ احادیث جمع کی گئی ہیں، دار العلوم دیوبند سمیت، بہت سے مدرسوں میں یہ کتاب داخل نصاب ہے۔

---

(۱) ہفت روزہ الجمعیۃ: ۱۰۳، اکابر جمعیۃ علماء نمبر، نومبر ۲۰۰۸ء

ان کے علاوہ حیات شیخ الاسلام، مجاہد جلیل (شیخ الاسلام کے حالات پر) مختصر تذکرہ خدمات جمعیۃ علماء ہند (۴ر حصے) صالح جمہوریت اور تعمیر جمہوریت، ترک وطن کا شرعی حکم، آنے والے انقلاب کی تصویر، مسئلۂ تعلیم اور طریقۂ تعلیم، سیاسی اقتصادی مسائل اور اسلامی تعلیمات وارشادات، دین کامل، اسلام اور انسانیت کی حفاظت وعزت، عہد زریں (دو جلدیں) سیرت مبارکہ، تاریخ اسلام (۳ر حصے) دینی تعلیم کے رسائل (۱۲ر حصے) نور الاصباح (ترجمہ وشرح نور الایضاح) اور حیات مسلم وغیرہ آپ کے بہترین قلمی شاہکار ہیں۔

۶ر شوال ۱۳۹۵ھ مطابق ۲۴ر اکتوبر ۱۹۷۵ء چہار شنبہ شام ساڑھے چھ بجے آپ کی وفات ہوئی اور دہلی کے گورغریباں میں آپ کی تدفین عمل میں آئی۔

☆ ☆ ☆

مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ

مولانا ثناء اللہ امرتسری کا تعلق کشمیری پنڈتوں کے خاندان ''پنٹو'' سے تھا، جو سلطان زین العابدین والی کشمیر کے زمانہ میں مشرف بہ اسلام ہوگیا تھا، ۱۸۶۰ء میں آپ کے والد شیخ خضر، سری نگر (کشمیر) سے امرتسر آگئے تھے، یہیں جون ۱۸۶۸ء مطابق ۱۲۸۷ھ میں آپ کی ولادت ہوئی۔

سات سال کی عمر میں آپ کے والد کا اور ان کے کچھ ہی دنوں کے بعد والدہ کا انتقال ہوگیا، جس کی وجہ سے آپ کے بھائی نے آپ کی کفالت کی اور آپ بھائی کی دکان میں رفوگری کرنے لگے، چودہ سال کی عمر میں آپ نے فارسی کی ابتدائی کتابیں مختلف اساتذہ سے پڑھیں اور عربی کی تعلیم مولانا احمد اللہ امرتسری سے حاصل کی، کتب حدیث آپ نے شیخ عبد المنان وزیرآبادی سے پڑھ کر ۱۳۰۷ھ مطابق ۱۸۸۹ء میں سند حاصل کی، شیخ عبدالمنان کی سند دکھا کر میاں نذیر حسین محدث دہلوی سے بھی اجازت حاصل کی، پھر مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور گئے اور وہاں سے بھی سند حاصل کی۔

۱۳۰۸ھ میں آپ دارالعلوم دیو بند پہنچے، آپ نے منطق، حکمت اور اُصول کے علاوہ فقہ کی بھی کتابیں پڑھیں اور شیخ الہند مولانا محمود حسن دیو بندی سے آپ کو شرف تلمذ حاصل ہوا اور یہاں سے بھی آپ کو سند عطا کی گئی، (۱) پھر مدرسہ فیض عام کانپور میں بھی آپ کی دستار بندی ہوئی، وہاں سے ۱۸۹۳ء مطابق ۱۳۱۰ھ میں واپس آئے اور ۱۹۰۲ء میں مولوی فاضل کا امتحان دیا۔

---

(۱)　دیکھئے: تاریخ دارالعلوم دیو بند: ۶۸/۲

فراغت کے بعد کچھ دنوں اسکول میں ٹیچر رہے، پھر اپنے وطن امرتسر میں تصنیف وتالیف میں مشغول ہوگئے، آپ مسلکاً اہل حدیث تھے؛ چنانچہ آپ نے ایک مطبع "اہل حدیث پریس" کے نام سے قائم فرمایا، پھر ۱۹۰۳ء میں ایک ہفت روزہ اخبار بھی "اہل حدیث" کے نام سے جاری فرمایا، جو چوالیس سال تک مسلسل نکلتا رہا؛ مگر جولائی ۱۹۴۷ء میں یہ اخبار فسادات اور تقسیم پنجاب کی نذر ہوگیا، ۱۴ر اگست ۱۹۴۷ء میں آپ کو ترکِ وطن کرنا پڑا، پہلے آپ لاہور پہنچے، پھر گوجرانوالہ، پھر وسط جنوری ۱۹۴۸ء میں آپ سرگودھا تشریف لے گئے، وہاں بھی آپ کو ایک پریس الاٹ ہوگیا، جس کا نام "ثنائی برقی پریس" رکھا۔

آپ کی ابتدائی زندگی مناظروں اور عیسائی پادریوں اور آریہ پنڈتوں کی اختلافی تقریروں کی گونج میں گذری، جس کی وجہ سے آپ میں بھی مناظرہ سے خاصی دلچسپی پیدا ہوگئی اور آپ نے مناظرے کے میدان میں خوب حصہ لیا اور اپنی خداداد صلاحیت کے ذریعہ ہمیشہ کامیاب ہوتے رہے، جس کی بنا پر آپ کو "شیر پنجاب" کے نام سے یاد کیا جاتا تھا، خاص کر رد قادیانیت پر آپ کی خدمات بڑی قابل ستائش ہیں، ۱۹۰۷ء میں قادیانیوں سے آپ کا مشہور "مباہلہ" ہوا تھا، جس میں مرزا غلام احمد قادیانی نے کہا تھا کہ "جو جھوٹا ہوگا وہ سچے کی زندگی میں ہلاک ہوجائے گا" — چنانچہ ایک سال بعد ہی ۱۹۰۸ء میں مرزا غلام احمد ہیضہ میں مبتلا ہوکر فوت ہوگیا اور مولانا ثناء اللہ اس کے بعد چالیس سال تک زندہ رہے، اس جیت کی وجہ سے آپ کو "فاتح قادیان" کا خطاب ملا۔

مسلک کے اختلاف کے باوجود اکابر دیوبند سے آپ کو گہری وابستگی تھی اور اکابر دیوبند بھی قادیانت کے رد میں آپ کی نمایاں خدمات کی وجہ سے آپ کو قدر کی نگاہوں سے دیکھتے تھے، نیز جمعیۃ علماء ہند کی تاسیس میں بھی آپ کا حصہ رہا ہے اور تحریک آزادی میں آپ جمعیۃ کے رفیق کار رہے ہیں، ۱۴ر جمادی الاولی ۱۳۶۷ھ مطابق ۱۵ر مارچ ۱۹۴۸ء میں سرگودھا میں آپ کی وفات ہوئی۔

آپ نے مختلف موضوعات پر متعدد کتابیں بھی تصنیف فرمائیں، چنانچہ، مسئلہ تقلید واجتہاد سے متعلق گیارہ کتابیں، قادیانیت کے رد میں سولہ کتابیں، آریہ سماج کے رد میں سترہ کتابیں اور عیسائیوں کے رد میں پانچ کتابیں تالیف فرمائیں، آپ کی چند مشہور تالیفات اس طرح ہیں :

۱- تفسیر القرآن بکلام الرحمٰن :— یہ آپ کی عربی زبان میں تصنیف ہے، جس میں آپ نے قرآن کی تفسیر قرآن ہی کی آیات سے کی ہے۔

۲- بیان الفرقان علی علم البیان۔

۳- تفسیر ثنائی (اُردو)۔

۴- تفسیر بالرائے بہ مقدس رسول :— یہ تفسیر مخالفینِ اسلام کی طرف سے لکھی گئی کتاب "رنگیلا رسول" کے جواب میں ہے۔

۵- حق پرکاش :— یہ کتاب "سیتارتھ پرکاش" کے جواب میں لکھی گئی ہے۔

☆ ☆ ☆

مفتی محمود حسن گنگوہیؒ

ولادت وسلسلۂ نسب

مفتی محمود حسن گنگوہیؒ کی ولادت ۹ر جمادی الاخری ۱۳۲۵ھ جمعہ کی شب گنگوہ میں ہوئی، آپ کے والد کا نام حاجی خلیل ہے، آپ کا سلسلۂ نسب میزبانِ رسول حضرت ابو یوب انصاری رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے، آپ کی تاریخ پیدائش میں ایک عجیب حسن اتفاق ہے کہ جس مہینہ، جس دن اور جس تاریخ کو حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی وفات ہوئی تھی، دو سال بعد ٹھیک اسی مہینہ میں اسی دن اور اسی تاریخ کو آپ کی ولادت ہوئی، جو یقیناً ایک نیک فال ہے؛ اس لئے کہا جاتا ہے کہ ''آفتاب فقہ'' (حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ) کے جانے کے بعد ٹھیک اسی دن ''ماہتاب فقہ'' (مفتی محمود حسن گنگوہیؒ) کی تشریف آوری ہوئی۔

ابتدائی تعلیم

آپ کی تعلیم کا رسمی آغاز شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی اور مولانا شاہ عبد الرحیم رائے پوری کے ذریعہ ہوئی، آپ کے والد حضرت شیخ الہند کے خاص شاگرد تھے؛ اس لئے جب حضرت شیخ الہند گنگوہ تشریف لائے تو آپ کے والد نے ان سے درخواست کی کہ میرے لڑکے کی ''بسم اللہ'' کرادیں؛ چنانچہ ان دونوں بزرگوں نے آپ کی بسم اللہ کرائی، پھر آپ کے گھر کے قریب ہی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کی صاحب زادی ''صفیہ'' رہتی تھیں، ان کے گھر کی بیٹھک میں تعلیم ہوتی تھی، وہاں آپ نے حافظ کریم بخش کے پاس حفظ کیا، فارسی کی تعلیم کا آغاز مولانا فخر الدین سے کیا، مگر جلد ہی والد صاحب کے ساتھ نہٹور چلے گئے اور وہاں مولانا امتیاز حسین اور اپنے والد صاحب سے فارسی کی کتابیں پڑھیں، ۱۳۴۱ھ میں مظاہر علوم

سہارنپور میں علم الصیغہ کی جماعت (عربی دوم) میں داخلہ لیا اور جلالین (عربی ششم) تک تعلیم حاصل کی، جلالین اور حماسہ مولانا اسعد اللہ صاحب سے پڑھی، درمیان میں آپ کی طبیعت دو بار خراب ہوگئی؛ اس لئے تعلیم میں کچھ وقفہ بھی ہوگیا۔

دارالعلوم دیوبند میں داخلہ اور فراغت

۱۳۴۸ھ میں آپ دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے، ہدایہ ثالث اور بیضاوی حضرت مولانا اعزاز علی سے، مشکوٰۃ: مولانا نبیہ حسن سے، شرح عقائد: مولانا ابراہیم صاحب سے، ابوداؤد: قاری میاں اصغر حسین سے، مسلم: مولانا رسول خاں صاحب سے اور بخاری و ترمذی: مولانا حسین احمد مدنی رحمہم اللہ سے پڑھی، دارالعلوم میں آپ تین سال رہے اور ۱۳۵۰ھ میں دورۂ حدیث مکمل کیا۔

مظاہر علوم سہارنپور میں

آپ نے اپنے والد کی خواہش پر اور حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری کی اجازت سے مزید بزرگوں سے نسبت حاصل کرنے کے لئے دوبارہ مظاہر علوم تشریف لے گئے اور دورۂ حدیث کی کتابیں پڑھیں، ۱۳۵۱ھ میں جب آپ مولانا عبدالرحمٰن کیمل پوری سے شرح عقود رسم المفتی پڑھ رہے تھے اور فتاویٰ نویسی کی تربیت بھی پارہے تھے، اس وقت وہاں کے دارالافتاء میں کچھ شخصیات کی کمی ہوگئی تو حضرت مولانا محمد زکریاؒ کی خواہش پر آپ کو دارالافتاء میں معین مفتی کی حیثیت سے رکھ لیا گیا، دوسرے سال آپ کو دارالافتاء کا نائب مفتی بنادیا گیا اور آپ اس منصب پر تقریباً بیس سال رہے؛ مگر آپ کی تواضع کی حد یہ تھی کہ آپ نے اپنے نام کے ساتھ ہمیشہ "معین مفتی" ہی لکھا، کبھی "نائب مفتی" نہیں لکھا۔

آپ کی طبیعت عموماً خراب رہا کرتی تھی، طالب علمی میں بھی آپ بہت بیمار رہا کرتے تھے اور فراغت کے بعد بھی؛ چنانچہ مظاہر علوم کے اس قیام کے زمانہ میں طبیعت زیادہ خراب رہنے لگی، اس لئے ڈاکٹروں نے آب وہوا کی تبدیلی کا مشورہ دیا؛ چنانچہ آپ مظاہر علوم سے

مستعفی ہو کر اپنے گھر گنگوہ تشریف لے آئے، پھر حضرت شیخ (مولانا محمد زکریاؒ) کے حکم سے محی السنہ حضرت مولانا شاہ ابرار الحقؒ کے مدرسہ ''اشرف المدارس'' (ہردوئی) تشریف لے گئے، وہاں محی السنہ (جو آپ کے شاگرد تھے) کسی لمبے سفر پر جا رہے تھے، متعلقین سے کہہ گئے کہ اس بہانہ حضرت الاستاذ مفتی صاحب کو روک لیں؛ چنانچہ بڑے اصرار کے ساتھ آپ کو وہاں روک لیا گیا اور ہدایہ وغیرہ کا درس بھی آپ سے متعلق کر دیا گیا، آپ نے وہاں چند دنوں قیام فرمایا اور طلبہ کو تعلیم دینے کے علاوہ روزانہ عشاء کے بعد درس حدیث دیا کرتے تھے اور ہفتہ میں ایک دن سنیچر کو بستی کی کسی مسجد میں درس قرآن کے لئے جایا کرتے تھے۔

جامع العلوم کانپور میں

شہر کانپور جہاں اپنی ہمت وشجاعت اور اپنی بعض صنعتوں کی وجہ سے ملک بھر میں اپنی پہچان رکھتا ہے، وہیں یہ شہر بدعات وخرافات کا بھی گڑھ بنا ہوا تھا؛ لیکن بدعات کے سلسلہ میں حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ جیسی سخت رویہ رکھنے والی شخصیت نے جب کانپور کو اپنی توجہ کا مرکز بنایا اور وہاں پہلے مدرسہ فیض عام اور پھر مدرسہ جامع العلوم پٹکاپور میں قیام فرمایا تو وہاں کے حالات میں بہت کچھ سدھار آیا؛ مگر تقریباً چودہ سال کانپور میں خدمت انجام دینے کے بعد حضرت حکیم الامت جب تھانہ بھون تشریف لے آئے اور یہیں مستقل سکونت اختیار کر لی تو کانپور کے حالات پھر بگڑنے لگے، اہل بدعت کے پاؤں کے بند کھلنے لگے اور حضرت تھانوی کے سامنے گنگ رہنے والی زبان پھر قینچی کی طرح چلنے لگی، نیز مدرسہ جامع العلوم بھی تیزی سے زوال کی طرف جانے لگا، اس وقت اربابِ حل وعقد نے حضرت مولانا محمد زکریاؒ سے رُجوع کیا کہ کوئی ایسا شخص دیا جائے جو حضرت حکیم الامت کے بعد پیدا ہونے والے خلاء کو پُر کر سکے اور مدرسہ کو ترقی دینے کے ساتھ بدعات وخرافات کا سر کچلنے کی بھی صلاحیت رکھتا ہو؛ چنانچہ مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ کی نظر انتخاب فوراً آپ پر پڑی اور ۱۳۷۳ھ میں آپ کو جامع العلوم پٹکاپور، کانپور (یوپی) بھیج دیا گیا؛ تا کہ آب وہوا بھی بدل جائے اور ایک ضروری خدمت بھی

انجام پا سکے، آپ وہاں مدرسین کی کمی کی وجہ سے ایک دن میں چودہ چودہ اسباق پڑھاتے تھے اور ساتھ میں افتاء کی خدمت اور اصلاح کا کام بھی کرتے رہے، اس طرح تقریباً بارہ سال آپ نے وہاں خدمت انجام دی اور حضرت تھانوی کی وجہ سے پیدا ہونے والے خلاء کو بڑے حسن وخوبی کے ساتھ پورا کیا۔

دارالعلوم دیوبند کے دارالافتاء میں

جامع العلوم کانپور میں قیام کے دوران کئی بار مظاہر علوم سے تقاضا آیا کہ آپ مظاہر علوم آجائیں، ادھر دارالعلوم دیوبند کے دارالافتاء میں بھی بعض اکابر کے رخصت ہو جانے کی وجہ سے جگہ خالی ہوگئی تھی اور کسی اچھے مفتی کی سخت ضرورت محسوس کی جارہی تھی؛ اس لئے دارالعلوم کے ذمہ داروں نے بھی یہاں آنے کے لئے آپ سے اصرار کیا، مگر آپ نے کانپور کے حالات دیکھتے ہوئے معذرت کردی، جب دارالعلوم کے ذمہ داروں کا اصرار بڑھا تو چوں کہ آپ کا تعلق دونوں درسگاہوں (دارالعلوم اور مظاہر علوم) اور دونوں کے اساتذہ سے یکساں تھا؛ اس لئے فیصلہ میں دشواری ہورہی تھی؛ چنانچہ آپ نے اس فیصلہ کو اپنے شیخ حضرت مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ کی اجازت پر معلق فرمادیا، دارالعلوم کی طرف سے حضرت مولانا محمد اسعد مدنیؒ آپ کا معذرت نامہ لے کر حضرت شیخ کے پاس پہنچے اور دارالعلوم کی ضرورت پیش کرتے ہوئے شیخ سے سفارشی خط لکھنے کی درخواست کی، پھر شیخ کے خط کے ساتھ دارالعلوم کا وفد کانپور پہنچا اور وہ وفد آپ کو دیوبند لے کر آگیا، اس طرح ۲۶/ جمادی الاولی ۱۳۸۵ھ مطابق ۲۳/ستمبر ۱۹۶۵ء کو آپ نے دارالافتاء دارالعلوم دیوبند میں صدر مفتی کی حیثیت سے کام شروع فرمایا۔

دارالعلوم کے قیام کے زمانہ میں شیخ الحدیث مولانا فخر الدین صاحب کا اصرار تھا کہ آپ بخاری کا بھی درس دیں؛ لیکن آپ اس سے کتراتے رہے، تاہم جب مولانا فخر الدین صاحب کی طبیعت زیادہ خراب ہوگئی تو ۱۷/ جمادی الاولی ۱۳۸۸ھ مطابق ۱۳/اگست ۱۹۶۸ء کو

بخاری جلد ثانی کا سبق بھی آپ سے متعلق ہوگیا اور تقریباً بارہ سال آپ نے بخاری جلد ثانی کا درس دیا، پھر مولانا فخر الدین صاحب کے وصال کے بعد بخاری جلد اول کا سبق بھی آپ سے متعلق ہوا، آپ درس میں بہت ہی مختصر مگر جامع تقریر فرماتے تھے، طلبہ کی طرف سے کافی اشکالات بھی آپ کے سامنے آتے تھے، مگر آپ انھیں بڑی آسانی سے پرلطف انداز میں حل فرمادیتے تھے۔

دارالعلوم کے صد سالہ اجلاس کے بعد جب قضیۂ نامرضیہ پیش آیا تو آپ اس اختلاف سے بچنے کے لئے بیرون کے سفر پر چلے گئے، تقریباً سات مہینے بعد واپس آئے تو بھی حالات جوں کے توں تھے؛ اس لئے آپ دارالعلوم سے علاحدہ رہے، اسی درمیان حضرت شیخ سے ملاقات ہوئی تو شیخ نے فرمایا: ''مفتی جی! کب تک اس طرح پھرتے رہوگے؟ کہیں ایک جگہ بیٹھ کر کام کرلو'' —— چنانچہ شیخ کے حکم پر ۱۴۰۲ھ کو آپ نے مظاہر علوم میں قیام منظور فرمالیا اور وہاں صدر مفتی کی حیثیت سے آپ کا تقرر ہوگیا، اس دوران آپ نے فتاویٰ نویسی اور دارالافتاء کی نگرانی کے علاوہ حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری کے فتاویٰ کی ترتیب کا بھی کام کیا اور فقہ، اُصولِ فقہ اور حدیث کی بعض کتابوں کا درس بھی آپ سے متعلق رہا، نیز حضرت شیخ کے ہجرت فرماجانے کی وجہ سے بیعت وارشاد کا کام بھی آپ کرتے رہے، تاہم اس قیام کے زمانہ میں دارالعلوم دیوبند سے آپ کا رشتہ بالکل ٹوٹا بھی نہیں تھا؛ بلکہ دارالعلوم دیوبند کی نئی انتظامیہ کی خواہش پر آپ دارالعلوم کے دارالافتاء کی بھی نگرانی فرماتے رہے اور ہفتہ میں ایک دن آپ نے اپنے کو دارالعلوم کے دارالافتاء کے لئے فارغ کرلیا تھا۔

حضرت مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ کا جب وصال ہوگیا تو مظاہر علوم میں بھی وہی کچھ دیکھنے کو ملا جس کے نظارہ کی تاب نہ لاکر آپ نے دارالعلوم کو خیر آباد کہا تھا، چنانچہ اس قضیہ کی وجہ سے آپ مظاہر علوم سے علاحدہ ہوگئے، ادھر دارالعلوم والے آپ کو واپس لانا چاہ ہی رہے تھے؛ اس لئے مظاہر سے آپ کی علاحدگی کے بعد باضابطہ دارالعلوم والوں نے آپ سے یہاں آنے کی خواہش کی اور حضرت مولانا اسعد مدنیؒ کو شوریٰ کا مکتوب لے کر آپ کی خدمت میں

بھیجا گیا، آپ دونوں اداروں کے ساتھ اس طرح کے حالات کی وجہ سے کافی دل برداشتہ ہوگئے تھے، اس لئے آپ نے اولاً انکار کردیا، مگر جب مولانا اسعد مدنیؒ کا اصرار بڑھا تو آپ کے بقول ''شیخ زادہ'' بلکہ ''شاہ زادہ'' کے اصرار کو قبول کرنا پڑا اور آپ پھر اس مسند پر آگئے، جس کو آپ کا شدت سے انتظار تھا اور تقریباً ۱۸ سال مسلسل آپ نے یہاں خدمت انجام دی، آپ یہاں فتاویٰ نویسی کا بھی کام کرتے تھے، افتاء کے طلبہ کی تربیت بھی کرتے تھے، حدیث اور افتاء کی بعض کتابوں کا سبق بھی پڑھاتے تھے، اصلاحی کام اور بعض مرتبہ دوسرے فرقوں سے مناظرہ بھی کرتے تھے اور بیعت وارشاد کا کام بھی جاری تھا۔

خدمتِ افتاء اور شانِ تفقہ

اللہ تعالیٰ نے آپ کو مختلف علوم وفنون میں مہارت اور درک سے نوازا تھا، آپ نے تدریس، اصلاح، مناظرہ، سلوک وغیرہ مختلف جہات سے دین محمدی اور اُمت محمدیہ کی خدمت انجام دی، تاہم آپ کی سب سے نمایاں خدمت ''خدمت افتاء'' ہے اور کہا جاسکتا ہے کہ آپ نے افتاء کی خدمت طالب علمی ہی سے شروع کردی تھی؛ کیوں کہ جس وقت آپ مظاہر علوم میں رسم المفتی پڑھ رہے تھے اور فتاویٰ نویسی کی تربیت پارہے تھے، اسی وقت آپ کو وہاں کا معین مفتی بھی بنادیا گیا تھا اور آپ اپنے اساتذہ کی نگرانی میں استفتاء کے جواب لکھنے لگے تھے، پھر آپ نے بیس سال تک مظاہر میں ہی نائب مفتی کی حیثیت سے کام کیا، پھر جب کانپور گئے تو وہاں بھی دوسرے کاموں کے ساتھ نمایاں طور پر بارہ سال تک افتاء کی خدمت انجام دیتے رہے، اس کے بعد آپ کو دارالعلوم دیوبند جیسے فقہ وفتاویٰ کے مرکز نے صدر مفتی کی حیثیت سے مدعو کیا اور درمیان میں معمولی فقفہ کے ساتھ ۱۸ سال آپ اس عظیم منصب پر فائز رہے اور پورے ہندوستان؛ بلکہ بیرون ہند سے بھی آئے ہوئے استفتاء کے جوابات تحریر فرماتے تھے، درمیانی وقفہ میں مظاہر علوم میں دوبارہ آپ نے صدر مفتی کی حیثیت سے خدمت انجام دی، غرض نصف صدی سے زیادہ (تقریباً ۶۶ سال) آپ نے افتاء کی خدمت انجام دی اور اپنے گہربار قلم سے تقریباً دس ہزار استفتاءات کے جوابات تحریر فرمائے، اس لئے بجا طور پر دنیا

آپ کو ''فقیہ الامت'' کے لقب سے یاد کرتی ہے۔

فقہ و فتاویٰ میں آپ کو اس درجہ مہارت تھی کہ آپ کے کانپور کے قیام کے زمانہ میں بعض اہم فتاویٰ مظاہر علوم سے آپ کے پاس بھیجے جاتے تھے اور آپ کانپور سے جواب لکھ کر روانہ کردیتے تھے، نیز آپ سے خواہش کی گئی تھی کہ رمضان کی فرصت میں مظاہر علوم ہی تشریف لے آیا کریں اور یہاں کے فتاویٰ کے رجسٹر دیکھ لیا کریں اور جہاں کہیں سقم رہ گیا ہو، اس کی نشان دہی فرمادیں، اسی طرح مظاہر علوم کے قیام کے زمانہ میں ہفتہ میں ایک دن دارالعلوم کے دارالافتاء کی دیکھ بھال کے لئے آپ کو دیوبند بلایا جاتا تھا اور جب دارالعلوم میں تھے اس زمانہ میں مظاہر علوم کے دارالافتاء کی نگرانی آپ سے متعلق تھی اور وہاں کے مفتیان کو ہدایت کی گئی تھی کہ کوئی بھی اہم فتویٰ مفتی صاحب کو دکھائے بغیر اور ان سے دستخط کرائے بغیر نہ بھیجا جائے، کسی بھی استفتاء کا جواب آپ بڑی محنت اور عرق ریزی سے دیا کرتے تھے اور آپ کے فتاویٰ پر اکابر کو بہت زیادہ اعتماد تھا، خاص کر حضرت مولانا محمد زکریاؒ آپ پر بہت اعتماد فرماتے تھے اور آپ کو ''میرے مفتی صاحب'' کہا کرتے تھے اور کوئی اہم مسئلہ درپیش ہوتو آپ ہی سے رائے لیتے تھے؛ چنانچہ ایک مرتبہ مدینہ منورہ کے قیام کے زمانہ میں حضرت شیخ کی خدمت میں گھوڑے کا گوشت پیش کیا گیا تو دسترخوان پر یہ بحث چھڑ گئی کہ گھوڑے کا گوشت جائز ہے یا نہیں؟ حضرت شیخ نے مفتی صاحب سے دریافت فرمایا، مفتی صاحب نے کہا: جائز ہے، اس پر حضرت شیخ نے کہا: ''بھئی مجھ کو تو میرے مفتی نے فتویٰ دے دیا، میں تو کھاؤں گا، اب تم میں سے جس کا جی چاہے کھائے، جس کا جی چاہے نہ کھائے'' اسی طرح بہادر شاہ ظفر کی قبر کو ''رنگون'' سے دہلی لال قلعہ منتقل کرنے کا مسئلہ پیش آیا اور حکومت شدت سے اس کی طرف رجحان رکھتی تھی، اس وقت جنرل شاہنواز نے اس سلسلہ میں مفتی محمد میاں (ناظم جمعیۃ علماء ہند) کے پاس استفتاء بھیجا، مفتی محمد میاں صاحب نے اپنے خط کے ساتھ استفتاء حضرت شیخ کی خدمت میں بھیج دیا اور ان کی رائے مانگی، حضرت شیخ نے اپنے خط کے ساتھ استفتاء اور مفتی محمد میاں صاحب کا خط مفتی محمود صاحب کے پاس جواب کے لئے بھیج دیا، مفتی صاحب نے

عدم منتقلی کے بارے میں جواب لکھا اور اسی جواب کو حکومت کے پاس بھیجا گیا، جواب کا بعض حصہ اس طرح تھا:

طحطاوی نے دفن کے منتقل کرنے کی تین صورتیں لکھی ہیں: ایک یہ کہ میت کو کسی غیر کی زمین میں بغیر اجازت مالک دفن کیا گیا ہو، جس سے وہ حصۂ زمین غصب ہو گیا ہو اور مالک کسی طرح میت کے یہاں رہنے پر رضامند نہیں ہے؛ بلکہ اس کے نکالنے پر مصر ہے تو ایسی حالت میں مجبوراً دوسری قبر میں منتقل کر دیا جائے، یہ صورت بالاتفاق جائز ہے، دوسری صورت یہ ہے کہ میت کو دوسرے قبرستان میں منتقل کرنا مقصود ہے (خواہ میت کی عظمت ومحبت کی وجہ سے یا اس کی تمنا اور وصیت کی خاطر) یہ صورت بالاتفاق ناجائز ہے، تیسری صورت یہ ہے کہ میت کی قبر پر پانی غالب آجائے، جس سے میت محفوظ نہ رہ سکے، اس صورت میں بعض حضرات نے میت کو منتقل کرنے کی اجازت دی ہے، بعض نے منع کیا ہے۔

واقعہ مسئولہ دوسری صورت میں داخل ہے، جو بالاتفاق ناجائز ہے، یہ تاویل کہ دو ڈھائی گز زمین کھود کر اُٹھالی جائے، کارآمد نہیں؛ کیوں کہ اصل مقصود نعش کو منتقل کرنا ہے اور جو کچھ مٹی ساتھ آئے گی وہ نعش کے تابع ہو کر منتقل ہوگی، جس طرح کہ میت کے ساتھ کفن، تابوت ہو کہ وہ تابع میت ہے نہ کہ مقصود اصل؛ لہٰذا اس منتقل کرنے کو بھی کہا جائے گا کہ میت کو منتقل کیا گیا، یہ نہیں کہا جائے گا کہ قبر کی مٹی منتقل کر کے لائے ہیں۔

پھر دہلی لا کر شاندار مقبرہ تعمیر کیا جائے گا، یہ بناء علی القبر

ہے، جس کی حدیث پاک میں ممانعت آئی ہے، اور فقہاء نے
اس کو حرام لکھا ہے۔(۱)

مفتی صاحب انتہائی ذکی اور عبقری شخصیت کے مالک تھے، آپ کی قوت حافظہ، ذہانت، حاضر دماغی اور حاضر جوابی کی مثال دی جاتی تھی، قرآنی آیات اور احادیث کے علاوہ ہزاروں واقعات، کہانیاں، لطائف اور اشعار کے ساتھ فقہی عبارت اور جزئیات بھی زبانی نقل فرمادیتے تھے اور ایک مفتی کے اندر جتنے علوم کی ضرورت ہوتی ہے، وہ تمام علوم آپ میں موجود تھے، گویا آپ محض ایک عالم و مفتی ہی نہیں ؛ بلکہ ''دائرۃ العلم'' بلکہ ''دائرۂ علوم و معارف'' تھے، فقہی جزئیات پر آپ کو بہت زیادہ عبور تھا، یہاں تک کہ اگر کوئی فقہی عبارت کسی غیر متعلق باب میں ضمنی طور پر آگئی ہوتو اس کا بھی محل وقوع آپ کو معلوم رہتا تھا، آپ کبھی کبھی کسی مسئلہ کی تحقیق میں اتنی محنت کر جاتے تھے کہ آپ کی صحت متاثر ہو جاتی تھی ؛ چنانچہ خلافت یزید سے متعلق استفتاء کا جواب لکھنے میں آپ کے بقول تقریباً سو کتابوں کا مطالعہ کرنا پڑا تھا، اسی طرح کے ایک مسئلہ کی تلاش میں کئی روز آپ پریشان ہوئے، نہیں ملا تو ایک دن صبح ہی سے تلاش شروع کر دیا، آپ کے ذہن ودماغ پر اسی فکر کا بوجھ سوار تھا، اسی حالت میں ظہر کے بعد آرام کے لئے تھوڑی دیر لیٹ گئے اور جب بیدار ہوئے تو بائیں آنکھ میں شدید درد تھا، ڈاکٹر نے معائنہ کے بعد بتایا کہ آنکھ پر کسی بھاری بوجھ کے پڑنے سے آنکھ کا پردہ پھٹ گیا ہے، حالات بتانے کے بعد ڈاکٹر نے کہا: اسی فکر کا بوجھ آپ کی آنکھ پر پڑا ہے۔

آپ کی ایک اہم خصوصیت آپ کی حاضر جوابی اور ظرافت وخوش مزاجی تھی ؛ چنانچہ معلومات کی وسعت کے ساتھ خوش طبعی سے آپ کی مجلسیں ہمیشہ زعفرانی زار رہا کرتی تھیں، درس اور مسئلہ کے بیان کے دوران بھی عام طور پر گفتگو میں مزاح کا عنصر ضرور شامل ہوتا تھا، جس کی وجہ سے آپ کے بارعب اور وجیہ ہونے کے باوجود آپ سے استفادہ میں آپ کی ہیبت حائل نہیں ہوتی تھی اور بحث ومناظرہ میں تو آپ کی حاضر جوابی کے سینکڑوں واقعات

(۱) فتاویٰ محمودیہ: ۹/۱۴۴، کتاب الجنائز، فصل فی القبر والدفن، عنوان: بہادر شاہ ظفر کی قبر کی منتقلی۔

ہیں؛ بعض حضرات پر ''حق بیانی'' کا جوش بہت غالب ہوتا ہے اور وہ سمجھتے ہیں کہ ہر حق بات کو بول دینا اور اس کا اظہار کردینا ضروری ہے اور اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتے ہیں؛ بلکہ اسے اپنی خوبی کی بات سمجھتے، حالاں کہ بہت سی بات حق ہونے کے باوجود اس کو زبان پر لانا مناسب نہیں ہوتا ہے — اسی طرح کا ذہن رکھنے والے ایک صاحب نے حضرت عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہ پر تاریخ کے حوالہ سے تنقید نقل کی تو آپ کے ایک شاگرد نے اس ناقدانہ تحریر کے بارے میں دریافت کیا کہ حضرت ان لوگوں کا خیال ہے کہ یہ باتیں تاریخ کی مستند کتابوں میں مذکور ہیں؛ لہٰذا صرف ان باتوں کو نقل کرنے اور جمع کردینے میں کیا اعتراض کی بات ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ اگر اس اہل قلم کے ابا جان کا تعارف اس طرح کرایا جائے کہ ان کا سراپا اس طرح ہے، چہرہ گول ہے، آنکھیں بڑی بڑی ہیں اور ناک لمبی ہے تو اس سے یقیناً بیٹے کو خوشی ہوگی؛ لیکن اگر کسی نے یہ گستاخی کرلی کہ آپ کے والد صاحب کے دوسرے ''اعضاء'' اس طرح کے ہیں تو بیان کے عین واقع کے مطابق ہونے کے باوجود آنکھیں سرخ ہوجائیں گی اور چہرہ غصہ سے تمتما اُٹھے گا، آخر اس ناراضگی کی وجہ کیا ہے؟ حالاں کہ بیان کرنے والا تو واقعات اور حق بات ہی بیان کررہا ہے، پھر تحقیقی جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ صحابہ کی ایک تصویر تو وہ ہے جو قرآن نے کھینچی ہے اور جو مستند ہے؛ لہٰذا اس کو نظر انداز کرکے محض تاریخ کی بات جو بسا اوقات رطب ویابس کا مجموعہ ہوتی ہے، کیسے معتبر ہوسکتی ہے؟ اور یہ بھی واقعہ ہے کہ عباسیوں نے امویوں نے اور امویوں نے عباسیوں کی اپنے اپنے زمانۂ اقتدار میں ایک دوسرے کی کردار کشی میں کوئی کسر نہیں چھوڑی ہے، پھر ان تاریخی باتوں کو حضرت عثمان کی زندگی کو پرکھنے کا معیار کیسے بنایا جاسکتا ہے۔ (۱)

مفتی صاحب دورانِ گفتگو اور دورانِ تقریر اشعار بھی بہت پڑھا کرتے تھے اور شعر میں بھی اصلاحی پہلو کے ساتھ کبھی اتنی ظرافت رہتی ہے کہ مجمع پوری طرح کھل اُٹھتا تھا؛ چنانچہ ایک مرتبہ آپ نے بے پردگی کے نقصانات اور خاص کر دیور (شوہر کے بھائی) سے پردہ نہ کرنے سے متعلق تقریر کرتے ہوئے یہ شعر پڑھ دیا:

(۱) چند نامور علماء: ۲۷، مولانا بدرالحسن قاسمی۔

بے پردگی کا یہ نتیجہ نکلا
جس کو سمجھا تھا بیٹا ، وہ بھتیجا نکلا

اس پر پوری محفل زعفران زار ہوگئی اور دیور سے پردہ نہ کرنے کا نقصان بھی لوگوں کے سامنے آگیا — اس طرح کے سینکڑوں واقعات اور علمی لطائف ہیں، جن کو اگر جمع کیا جائے تو ایک ضخیم کتاب تیار ہوسکتی ہے۔

فتاویٰ نویسی میں آپ کا نہج

آپ کے فتاویٰ لکھنے کا کیا طریقہ تھا اور آپ فتاویٰ نویسی میں کن کن باتوں کا خیال رکھتے تھے؟ ان کو درج ذیل نکات میں بیان کیا جاسکتا ہے :

۱- آپ عموماً جواب انتہائی مختصر لکھا کرتے تھے اور خط بہت ہی پاکیزہ رہتا تھا؛ لیکن اگر استفتاء علماء کی طرف سے آیا ہو تو اس کا جواب مفصل اور مدلل لکھتے تھے۔

۲- جواب ایسی قیود و شرائط کے ساتھ لکھتے تھے کہ کسی لفظ پر کسی کو انگلی رکھنے کی گنجائش نہ ہو اور حکومت یا غلط لوگ جواب کی عبارت سے غلط فائدہ نہ اٹھا سکیں۔

۳- جواب لکھنے میں آپ صرف اُصول پر اکتفاء کرنے کے قائل نہیں تھے؛ بلکہ جب تک فقہی جزئیہ نہیں مل جائے اس وقت تک فتویٰ نہیں لکھتے تھے اور آپ کو اس میں بڑی مہارت تھی، یہاں تک کہ اگر کوئی جزئیہ کسی غیر متعلق باب میں ضمناً آگیا ہے تو اس کا بھی محل وقوع آپ کو معلوم ہوتا تھا۔

۴- فقہ حنفی میں آپ تصلب سے کام لیتے تھے، آپ آزادانہ یا اپنی طرف سے رائے دینے سے بہت کتراتے تھے اور اس کو برا سمجھتے تھے۔

۵- فتاویٰ لکھنے میں مسائل کے صرف الفاظ نہیں دیکھتے تھے؛ بلکہ اس کے مقصد کو بھی سامنے رکھتے تھے اور اس کے لئے اگر سوال سے ہٹ کر کوئی مفید پہلو ہو تو اس کی بھی نشان دہی کر دیتے تھے۔

۶- سوال اگر غیر شرعی ہو، یا فتنہ پردازی کے لئے سوال کیا گیا ہو تو آپ اس کا اندازہ

کرکے جواب سے معذرت کردیتے تھے، یا اگر مبہم سوالات ہوں تو کبھی جواب سے معذرت کردیتے اور کبھی جواب لکھ کر آگے یہ عبارت لکھ دیتے تھے کہ "مبہم سوالات کرکے جوابات کو کسی پر منطبق کرنا بسا اوقات غلط اور موجب فتنہ بھی ہوسکتا ہے، جس کی ذمہ داری سائل پر ہوتی ہے"۔

۷- اگر سوال طویل ہو یا اس میں غیر ضروری باتوں کا اختلاط ہوگیا ہو تو آپ پہلے اس سوال کا مختصر الفاظ میں خلاصہ نکالنے کے بعد یہ لکھتے تھے کہ "اگر واقعی آپ کے سوال کا حاصل یہ ہے" تو اس کا حکم اس طرح ہے۔

۸- جواب پوری یکسوئی کے ساتھ لکھتے تھے، جواب لکھنے کے دوران کسی سے گفتگو نہیں کرتے تھے اور کسی نے گفتگو کرنا چاہا یا سلام بھی کیا تو آپ کو ناراضگی ہوتی تھی۔

۹- آپ کی کوشش ہوتی تھی کہ دار الافتاء کے الگ الگ مفتیوں کے قلم سے لکھے گئے جوابات میں اختلاف نہ ہو، اس کے لئے آپ نے ایک دوسرے کے جواب کو دیکھنے دکھانے کا معمول قائم فرمایا تھا۔

۱۰- جواب جلد لکھنے اور جلد روانہ کرنے کی کوشش کرتے تھے، اس میں تاخیر اور ٹال مٹول آپ کو برداشت نہیں تھی، الا یہ کہ کوئی سوال پیچیدہ اور وقت طلب ہو، چنانچہ ایک مرتبہ اچانک آپ کا سفر طے ہوگیا تو پوری رات بیٹھ کر جواب لکھتے رہے اور صبح کو سارے سوالات کے جوابات لکھ کر سفر پر گئے۔

وفات اور تدفین

طویل علالت اور کئی مرتبہ آنکھ اور دل کے آپریشن کے بعد آپ افریقہ کے سفر پر تھے، وہیں "ناتال" کے شہر "ڈربن" میں ۱۹ ربیع الثانی ۱۴۱۷ھ (۱ر ستمبر ۱۹۹۶ء) منگل کی شب ساڑھے سات بجے (ہندوستانی وقت کے مطابق ۱۸ ربیع الثانی ساڑھے دس بجے) آپ اس دار فانی سے کوچ کرگئے، نماز جنازہ سے متعلق لوگوں کی خواہش تھی کہ مولانا ابراہیم صاحب پڑھائیں، مگر وہ شدت غم سے اتنے نڈھال تھے کہ نماز پڑھانے کے لئے تیار نہیں ہوئے؛ چنانچہ ہندوستان سے گئے ہوئے معروف عالم دین مولانا ابو القاسم بنارسی نے نماز جنازہ

پڑھائی اور ''ہیزل دین'' سے تین کلومیٹر فاصلہ پر ''ایکسبرگ'' کے قبرستان میں تدفین عمل میں آئی، جنازہ میں تقریباً دس ہزار فرزندانِ توحید نے شرکت کی۔

آپ کے اساتذہ وتلامذہ

مفتی صاحب نے اپنی تعلیمی زندگی میں جن بزرگوں سے کسب فیض کیا، ان میں شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ، حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ، حضرت مولانا اسعد اللہ صاحبؒ، شیخ الادب مولانا اعزاز علی امروہویؒ خاص کر قابل ذکر ہیں اور آپ کے تلامذہ میں محی السنہ حضرت مولانا شاہ ابرار الحقؒ (ہردوئی)، عارف باللہ حضرت مولانا قاری صدیق احمدؒ (باندہ)، مفتی منظور احمد (کانپور)، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی (حیدرآباد)، مولانا بدر الحسن (وزارت اوقاف کویت)، مولانا عبید اللہ اسعدی (باندہ)، حضرت مولانا شیخ حسین احمد (پانڈولی)، مفتی عبدالعزیز صاحب رائے پور (مفتی مظاہر علوم)، مفتی نصیر احمد، مفتی ظہیر الاسلام (ہردوئی) اور مفتی محمد فاروق صاحب میرٹھ (مرتب فتاویٰ محمودیہ) کے نام خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں، ان کے علاوہ آپ کے بہت سے شاگرد اور بہت سے مریدین ہیں جو اپنی جگہ آفتاب و ماہتاب ہیں اور ہر جگہ نمایاں طور پر علمی واصلاحی خدمت انجام دے رہے ہیں۔

علمی وقلمی سرمایہ

آپ کے علمی وقلمی سرمایہ میں سب سے اہم آپ کے قلم سے نکلے ہوئے فتاویٰ کا مجموعہ ہے، جن کو مولانا فاروق صاحب نے مرتب کیا ہے اور مولانا سلیم اللہ خاں صاحب کی سرپرستی میں دارالافتاء جامعہ فاروقیہ کراچی (پاکستان) کے اربابِ افتاء نے بڑی محنت اور قابلیت کے ساتھ اس کی نئی تبویب اور تخریج وتعلیق کا کام کیا اور ادارۂ صدیق ڈابھیل سے ۲۰ ضخیم جلدوں میں اس کی اشاعت ہوئی ہے، جن میں نو ہزار آٹھ سو پچاسی (۹۸۸۵) استفتاءات اور بارہ ہزار پانچ سو ستہتر (۱۲۵۷۷) مسائل ہیں۔

☆ ☆ ☆

مفتی نظام الدین اعظمیؒ

سن ولادت اور تعلیم

مفتی نظام الدین صاحب ذیقعدہ ۱۳۲۸ھ مطابق ۱۹۱۰ء میں اوندرا ضلع اعظم گڑھ (یوپی) میں پیدا ہوئے، دس سال کی عمر میں آپ نے اپنے گاؤں ہی میں پرائمری کی چوتھی کلاس پاس کیا؛ لیکن انگریزی تعلیم میں آپ کا جی نہیں لگا اور آپ نے گھر والوں کے سامنے دینی تعلیم حاصل کرنے کی خواہش ظاہر کی، آپ کے والد ماجد نے بڑی کوشش کی کہ آپ انگریزی تعلیم ہی حاصل کریں؛ کیوں کہ آپ کے خاندان میں تقریباً چھ پشت سے کوئی عربی داں نہیں تھا اور نہ عربی مدارس سے کسی کو واقفیت تھی۔

آپ کے ماموں حاجی عبد القیوم صاحب انجمن اسلامیہ گورکھپور میں پڑھتے تھے، جہاں کے سالانہ اجلاس میں علماء دیوبند تشریف لایا کرتے تھے، ان کے بیانات اور واقعات جب ماموں کی زبان سے سننے کو ملتے تھے تو آپ کے اندر علم دین کا شوق اور بھی بڑھ جاتا تھا؛ چنانچہ آپ کے اس شوق کو دیکھتے ہوئے آپ کے ایک خاندانی ماموں (جو بنارس میں کوتوال تھے) کے ساتھ آپ کو بنارس بھیج دیا گیا، انھوں نے کئی مدرسوں کا جائزہ لیا، کسی میں داخل کرنا سمجھ میں نہیں آیا، پھر انگریزی تعلیم کے لئے انھوں اصرار شروع کردیا اور مفتی صاحب انکار کرتے رہے، یوں ہی ایک سال ضائع ہوگیا، پھر بڑے ماموں محمد متین صاحب آپ کو انجمن اسلامیہ گورکھپور لے گئے، وہاں آپ نے چھ ماہ قیام کیا، مگر کچھ حالات کی وجہ سے والد صاحب نے چھٹی پر بلالیا، پھر ۱۳۴۲ھ میں آپ کی خالہ اپنے ہمراہ قصبہ مبارک پور (اعظم گڑھ) لے گئیں اور مدرسہ احیاء العلوم میں داخلہ کروادیا، مدرسہ احیاء العلوم میں دیوبند کے فاضل کئی

مدرسین تھے، پھر حضرت شاہ وصی اللہ صاحب بھی وہیں مدرس ہو گئے، آپ نے ان سب سے خوب استفادہ کیا۔

مدرسہ احیاء العلوم میں ابتدائی تعلیم کے بعد آپ نے تین سال بہار شریف مدرسہ عزیزیہ میں تعلیم حاصل کی، پھر مدرسہ عالیہ فتح پوری تشریف لے گئے، اس کے بعد آپ نے دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور ۱۳۵۲ھ میں آپ نے دارالعلوم دیوبند سے فراغت حاصل کی۔ (۱)

خدمت تدریس وافتاء

دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد آپ نے پانچ سال مدرسہ جامع العلوم جین پور (اعظم گڑھ) میں تدریس کی خدمت انجام دی، اس کے بعد مدرسہ جامع العلوم محلہ دھال گورکھپور تشریف لے گئے اور وہاں تین سال تک تدریس سے وابستہ رہے، پھر اپنے شیخ حضرت شاہ وصی اللہ صاحب کے حکم پر دارالعلوم مئو ناتھ بھنجن آ گئے اور تقریباً پچیس سال تک آپ نے یہاں درس وتدریس اور افتاء کی خدمات انجام دیں، پھر آپ اپنے شیخ ہی کے حکم سے رجب ۱۳۸۵ھ میں دارالعلوم دیوبند میں افتاء کی خدمت انجام دی (۲) اللہ تعالیٰ نے آپ کو اختراعی ذہن سے نوازا تھا، چنانچہ آپ فتاویٰ نویسی میں احکام کی علتوں اور اسباب پر غور وفکر کے ساتھ زمانے کے عرف ورواج کا خوب لحاظ کرتے تھے اور اُصول اسلام کو ان پر منطبق کرتے تھے، خاص کر علماء دیوبند میں حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کے بعد جدید مسائل کے شرعی حل میں آپ کی نمایاں خدمات ہیں۔

آپ کے اساتذہ وتلامذہ

آپ کے اساتذہ میں شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی اور حضرت مولانا شاہ وصی اللہ رحمہما اللہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں، آپ شاہ صاحب کے اخص الخاص خادموں میں تھے، دارالعلوم مئو ناتھ بھنجن قیام کے زمانہ میں آپ افتاء کا کام بھی شاہ صاحب ہی کی نگرانی میں

(۱) دیکھئے: تاریخ دارالعلوم دیوبند: ۲۶۰/۲ (۲) دیکھئے: دیباچہ منتخب نظام الفتاویٰ۔

کیا کرتے تھے اور شاہ صاحب ہی کے حکم سے دارالعلوم دیوبند تشریف لائے، آپ ان سے بیعت بھی تھے اور ان کے مجاز بھی اور علمی وتربیتی مسائل کے علاوہ گھریلو اُمور میں بھی آپ ان سے مشورہ کو ضروری سمجھتے تھے، شاہ صاحب بھی آپ سے بہت محبت فرماتے تھے اور وقتاً فوقتاً آپ کے گھر بھی تشریف لاتے تھے۔

آپ کی تدریس کے مختلف زمانوں میں آپ سے استفادہ کرنے والے تلامذہ کی تو ایک لمبی فہرست ہے، تاہم ان میں سب سے نمایاں نام اس وقت کے ممتاز فقیہ اور جدید مسائل کے حل میں آپ کی نیابت کے حقدار اور پورے ملک میں مرجع کی حیثیت رکھنے والے عالم حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی (بانی وناظم المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد، جنرل سکریٹری اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا وقاضی شریعت امارت ملت اسلامیہ آندھراپردیش) کا ہے، جو اس وقت حیدرآباد میں مقیم ہیں، مفتی ''نظام الدین'' صاحب سے تربیت پانے کے بعد ''نظام'' کے شہر حیدرآباد میں آپ کی اقامت پذیری اور یہاں کے لوگوں کو استفادہ کا موقع دیئے جانے پر کسی نے خوب کہا ہے:

دستِ ''نظام'' سے جو پی کر کے آیا جی بھر
شہرِ ''نظام'' میں وہ ساغر لٹا رہا ہے

علمی وقلمی سرمایہ

حضرت مفتی صاحب کے علمی اور قلمی سرمایوں میں سب سے اہم آپ کے اختراعی ذہن اور گہربار قلم سے لکھے گئے وہ فتاویٰ ہیں، جن میں سے خاص کر نئے مسائل کو منتخب کر کے قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ نے اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا سے ''منتخب نظام الفتاویٰ'' کے نام سے دو جلدوں میں شائع کیا ہے، آپ کے مزید فتاویٰ کی بھی کمپوزنگ ہوگئی ہے اور حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی (موجودہ جنرل سکریٹری اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا) کی نگرانی میں یہ کام ہورہا ہے، اُمید ہے کہ پانچ جلدوں میں انشاء اللہ یہ کام مکمل ہوگا۔

ان کے علاوہ آپ نے ''فتح الرحمٰن فی اثبات مذہب النعمان'' کی تمبیض کا کام بھی کیا ہے، یہ کتاب شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی لکھی ہوئی ہے، شیخ جب ہدایہ پڑھ رہے تھے تو ان کو خیال ہوا کہ شاید مذہب احناف کی تائید میں حدیث کا سرمایہ نہیں ہے اور جب شیخ نے مشکوٰۃ پڑھی تو ان کے اس خیال کو مزید تقویت پہنچنے لگی، چنانچہ شیخ کا رجحان شافعی مسلک کی طرف ہونے لگا، پھر شیخ نے اس رجحان کا ذکر اپنے استاذ شیخ عبدالوہاب متقی سے کیا، شیخ متقی نے ان کے خیال کی تردید کرتے ہوئے حدیث کی کچھ کتابوں کی طرف نشان دہی کی کہ ان کتابوں کا مطالعہ کرو؛ چنانچہ جب شیخ عبدالحق نے ان کتابوں کا مطالعہ کیا تو ان پر واضح ہوا کہ مذہب احناف کی تائید میں احادیث کا کتنا بڑا سرمایہ ہے، چنانچہ انھوں نے مشکوٰۃ ہی کے طرز پر ایک کتاب تصنیف کی اور اس کا نام ''انوار السنۃ لرواد الجنۃ'' رکھا، جس کو مقصد تصنیف کی وجہ سے ''فتح الرحمٰن فی إثبات مذہب النعمان'' کے نام سے شہرت ملی، یہ کتاب حکیم محمود صاحب معروفی کے کتب خانہ میں مخطوطہ کی شکل میں تھی اور کافی بوسیدہ اور کرم خوردہ ہوگئی تھی، اس لئے مفتی صاحب نے ابوالمآثر مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی کے حکم سے اس کی تمبیض اور مختصر تعلیق کا کام شروع کیا اور تقریباً ڈھائی سال میں اس کو طباعت کے قابل بنایا۔

مذکورہ کتابوں کے علاوہ حدیث وفقہ اور نحو وصرف پر درج ذیل کتابیں بھی آپ کی بقیات میں ہیں :

۱- اقسام الحدیث فی اصول التحدیث۔

۲- اُصولِ حدیث (اُردو ترجمہ)

۳- رؤیت ہلا کی شرعی حیثیت۔

۴- آسان علم صرف اول (جو ''اُردو میزان'' کے نام سے مشہور ہے)۔

۵- آسان علم صرف دوم (جو ''اُردو منشعب'' کے نام سے مشہور ہے)۔

۶- آسان علم نحو (جو ''اُردو نحو میر'' کے نام سے مشہور ہے)۔

۷- آسان علم نحو عربی (جو ''معلم سواد خوانی'' کے نام سے مشہور ہے)۔

سفر آخرت

آپ نے اخیر عمر میں سفر حج کا ارادہ فرمایا، یہ سفر سمندری راستہ سے تھا، چنانچہ بحر عرب میں پہنچ کر آپ کا انتقال ہوگیا، آپ اپنی وفات سے چند ماہ قبل قیام ممبئی کے دوران اپنی مجلسوں میں اکثر یہ اشعار پڑھا کرتے تھے :

آنے والی کس سے ٹالی جائے گی
جان ٹھہری جانے والی، جائے گی

پھول کیا ڈالوگے تربت پر مری ؟
خاک بھی تم سے نہ ڈالی جائے گی

لوگ ان اشعار سے ممبئی کے اہل بدعت پر نکیر سمجھتے تھے؛ لیکن جب بحر عرب میں پہنچ کر آپ کا انتقال ہوا اور نماز جنازہ کے بعد آپ پر مٹی ڈالنے کے بجائے آپ کو سمندر کے سپرد کیا گیا، تب لوگوں کو یہ شعر بار بار دہرانے کا مطلب سمجھ میں آیا کہ :

پھول کیا ڈالوگے تربت پر مری ؟
خاک بھی تم سے نہ ڈالی جائے گی

☆ ☆ ☆

مفتی رشید احمدؒ پاکستان

حضرت مولانا رشید احمد کی ولادت ۳ر صفر المظفر ۱۳۴۱ھ ۲۶ر ستمبر ۱۹۲۲ء منگل کو ''کوٹ اشرف'' ملتان (پاکستان) میں ہوئی، آپ کے والد ماجد حضرت مولانا محمد سلیم صاحب اصلاً لدھیانہ کے رہنے والے تھے، جو مشرقی پنجاب میں واقع ہے اور ہندوستان کا ایک حصہ ہے؛ لیکن زمینداری کے سلسلہ میں لدھیانہ سے فیصل آباد، پھر ضلع ملتان کے تحصیل ''خانیوال'' تشریف لے گئے اور وہاں پر ایک نئی بستی قائم کی، مولانا سلیم صاحب کا تعلق چوں کہ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ سے بڑا گہرا تھا اور آپ حضرت کے خاص فیض یافتہ تھے؛ اس لئے اس نئی بستی کا نام ''کوٹ اشرف'' رکھا اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کے نام پر اپنے فرزند کا نام ''رشید احمد'' رکھا، مفتی رشید احمد کا تاریخی نام ''سعود اختر'' ہے، یہ نام خود آپ نے پندرہ سال کی عمر میں تجویز فرمایا تھا۔

قرآن مجید کی تعلیم آپ نے اپنی والدہ سے پانچ برس کی عمر میں حاصل کی، پھر ۱۳۴۸ھ سے ۱۳۵۲ھ تک سرکاری پرائمری اسکول میں چوتھی جماعت تک تعلیم حاصل کی، آپ اپنی ذہانت وفطانت کی وجہ سے ہمیشہ اپنی جماعت کے ساتھیوں میں ممتاز رہے، ۱۳۵۲ھ میں آپ ملتان کے قریب ''گھوٹہ شریف'' گئے، جہاں آپ کے بڑے بھائی مولوی محمد نعیم، مولوی محمد خلیل اور مولوی محمد جمیل پہلے سے تعلیم حاصل کر رہے تھے، وہاں آپ نے اپنے بھائی مولوی خلیل احمد سے فارسی کی ابتدائی کتابیں پڑھیں، پھر شوال ۱۳۵۳ھ میں چاروں بھائی بغرض تعلیم جہانگیر آباد تحصیل خانیوال پہنچے، وہاں آپ اپنے بھائی مولوی خلیل احمد سے فارسی کی کتابیں بھی پڑھتے تھے اور ان کا ساتھی بن کر مولانا سلطان محمود سے عربی کی بھی کتابیں پڑھتے تھے، شوال

۱۳۵۴ھ میں آپ ''لکھر''، ضلع گوجرانوالہ تشریف لے گئے اور عربی دوم کی تعلیم حاصل کی، پھر ۱۳۵۵ھ میں ''جھنگ'' تشریف لے گئے اور وہاں عربی سوم اور چہارم کی تعلیم حاصل کی، ان تینوں سالوں میں آپ کے بہنوئی مولانا محمود احمد آپ کے استاذ رہے، ۱۳۵۷ھ میں آپ کے والد صاحب زمینداری کے سلسلہ میں خیر پور (سندھ) تشریف لے گئے، جس کی وجہ سے صاحبزادگان بھی سندھ چلے گئے، آپ اور آپ کے بھائی مولوی جمیل احمد مولانا محمود احمد کے ساتھ جامعہ دار الہدیٰ ٹیڑھی چلے گئے، یہاں مولانا محمود احمد کے علاوہ مولانا محمد صاحب سے بھی کچھ کتابیں پڑھیں، ۱۳۵۸ھ میں آپ کے بھائی مولوی خلیل احمد ''پیر جھنڈو'' میں مدرس ہو گئے، تو آپ بھی ان کے ساتھ رہنے لگے، پھر محرم ۱۳۵۹ھ میں مولوی خلیل احمد جب پیر جھنڈو سے ''درگاہ شریف'' منتقل ہو گئے تو آپ بھی وہیں چلے گئے، وہاں آپ نے مولانا خلیل احمد سے سلم العلوم، ملا حسن، میبذی، شرح عقائد نسفی، خیالی، سبع معلقہ اور تفسیر بیضاوی پڑھیں، نیز اساتذہ کی نگرانی میں فرق باطلہ کا مطالعہ کیا، مناظرہ کی مشق کی اور عربی کی تمرین و مشق کی، ۱۳۵۹ھ میں آپ معقولات کی مشہور درسگاہ ''انھی'' (ضلع گجرات، پنجاب) تشریف لے گئے اور معقولات کی متعدد اونچی کتابیں پڑھیں، یہاں آپ کا قیام ایک سال رہا۔

شوال ۱۳۶۰ھ میں آپ کا داخلہ دار العلوم دیوبند میں ہوا، یہاں آپ نے بخاری اور ترمذی شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ سے پڑھیں (مگر اخیر سال میں حکومت برطانیہ نے حضرت مدنیؒ کو گرفتار کر کے مراد آباد جیل بھیج دیا تو یہ کتابیں حضرت مولانا اعزاز علیؒ نے ختم کرائیں) مسلم، علامہ ابراہیم بلیاوی سے، ابوداؤد اور شمائل ترمذی مولانا اعزاز علی امروہوی سے، ابن ماجہ مفتی ریاض الدین سے، نسائی مولانا عبد الحق نافع سے، طحاوی مفتی شفیع صاحب سے، موطا امام مالک مولانا محمد ادریس کاندھلوی سے اور مؤطا امام محمد مولانا ظہور احمد سے پڑھیں، اسی سال آپ نے قاری عزیز الرحمٰن اور قاری حفظ الرحمٰن سے کتب تجوید بھی پڑھیں اور دار العلوم ہی میں بنوٹ (۱) کا فن بھی سیکھا۔

(۱) ''ب، ن، و، ٹ'' فن سپہ گری کو کہتے ہیں، یہ ہندی کا لفظ ہے، دار العلوم میں جو اس وقت لاٹھی، چاقو اور تلوار بازی سکھائی جاتی تھی، اس کو اسی نام سے موسوم کیا جاتا تھا۔

۱۳۶۲ھ میں آپ مدرسۃ العلوم بھیڈ و ضلع حیدرآباد (سندھ) میں علیا کے مدرس ہوئے اور ۱۳۶۴ھ میں وہاں کے صدر مدرس بنائے گئے اور بخاری شریف کا درس بھی آپ سے متعلق کیا گیا، ۱۳۷۰ھ میں شیخ الحدیث اور صدر مفتی کی حیثیت سے جامعہ دارالہدیٰ ٹیڑھی تشریف لے گئے، پھر شوال ۱۳۷۶ھ میں اپنے استاذ مفتی محمد شفیع صاحب کی فرمائش پر بحیثیت شیخ الحدیث دارالعلوم کراچی تشریف لے گئے اور شعبان ۱۳۸۳ھ تک دارالعلوم میں رہے، رمضان ۱۳۸۳ھ میں آپ نے اپنے شیخ حضرت مولانا شاہ عبدالغنی پھولپوری کی خواہش پر علماء کی تمرین افتاء کے لئے ''دارالافتاء والارشاد'' کی بنیاد ڈالی اور اخیر تک اسی ادارہ میں خدمت انجام دیتے رہے۔(۱)

فتاویٰ نویسی کا کام آپ نے فراغت کے بعد ۱۳۶۲ھ سے ہی شروع کر دیا تھا، جب آپ مدرسۃ العلوم بھیڈ و (ضلع حیدرآباد، سندھ) میں مدرس تھے؛ لیکن یہاں دارالافتاء کی مکمل ذمہ داری آپ پر ۱۳۶۶ھ میں ڈالی گئی اور ۱۳۶۹ھ تک آپ بیک وقت شیخ الحدیث، صدر مدرس اور صدر مفتی رہے، پھر ۱۳۷۰ھ میں جب جامعہ دارالہدیٰ ٹیڑھی گئے تو وہاں بھی شیخ الحدیث اور صدر مفتی کی حیثیت سے خدمت انجام دیتے رہے، پھر جب دارالعلوم کراچی گئے تو وہاں اگرچہ آپ شیخ الحدیث رہے اور افتاء کی ذمہ داری باضابطہ آپ سے متعلق نہیں کی گئی؛ لیکن زیادہ اہم اور پیچیدہ مسائل سے متعلق استفتاءات آپ ہی کے سپرد کئے جاتے تھے، نیز ۱۳۸۱ھ میں جب دارالعلوم نے تخصص فی الفقہ کا شعبہ شروع کیا تو اس میں مربی کی حیثیت سے آپ ہی کا نام منتخب کیا گیا، پھر آپ نے ۱۳۸۳ھ سے ایک علاحدہ فقہی اور اصلاحی ادارہ ''دارالافتاء والارشاد'' کی بنیاد ڈالی اور مستقل اس پلیٹ فارم سے آپ نے فقہ و فتاویٰ کی خدمات انجام دیں۔

مفتی صاحب کے علمی و قلمی سرمایوں میں سب سے اہم سرمایہ آپ کے فتاویٰ کا مجموعہ ''احسن الفتاویٰ'' ہے، آپ کے فتاویٰ کی بڑی تعداد محفوظ نہیں کی جا سکی، جیسا کہ آپ کے

(۱) دیکھئے: مقدمہ احسن الفتاویٰ: ۱/۱۶، ط: دارالاشاعت، کراچی۔

حالات لکھنے والوں نے لکھا ہے کہ ۱۳۶۲ھ سے ۱۳۷۰ھ تک فتاویٰ کی نقل رکھنے کا اہتمام نہیں کیا گیا اور ۱۳۷۱ھ سے ۱۳۷۶ھ تک کل دو ہزار پچیس (۲۰۲۵) فتاویٰ آپ نے تحریر فرمائے، مگر ان میں سے صرف چار سو اکیاون (۴۵۱) فتاویٰ نقل ہو سکے، آپ کے ابتدائی دور کے فتاویٰ کا مجموعہ سب سے پہلے ۱۳۷۹ھ میں شائع ہوا تھا، ۱۳۸۳ھ سے جدید سلسلہ کا آغاز ہوا اور اب یہ مجموعہ ۸ر ضخیم جلدوں میں طبع شدہ ہے۔

اس کے علاوہ آپ نے کئی فقہی اور اصلاحی رسالے بھی تصنیف فرمائے ہیں، جن کی تعداد ڈیڑھ سو کے قریب ہے، ان میں سے أحسن القضاء فی الذبح باعانة الکھرباء، الاجتناث لموحد الطلقات الثلاث، اجتماعی ذکر کے مروجہ حلقے، احکام معذور، أداء القرض من الحرام، الإرشاد إلی مخرج الضاد، اسلام کا عادلانہ نظام معیشت، ایمان وکفر کا معیار، بلاسودی بینک کاری، زبدة الکلمات فی حکم الدعاء بعد الصلوٰة، سیاست اسلامیہ، القول الأظہر فی تحقیق مسافة السفر، کاغذی نوٹ اور کرنسی کا حکم وغیرہ خاص کر قابل ذکر ہیں، آپ کے بیشتر رسائل احسن الفتاویٰ میں شامل کر دیئے گئے ہیں۔(۱)

☆ ☆ ☆

(۱) مفتی صاحب کے مفصل حالات کے لئے "انوار الرشید" کا مطالعہ کیجئے۔

قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ

سن ولادت اور وطن

قاضی مجاہد الاسلام قاسمی کی ولادت ۱۹۳۶ء میں ہوئی، آپ کا آبائی وطن ضلع دربھنگہ کی مشہور علمی بستی "جالے" ہے، آپ کے والد ماجد مولانا عبدالاحد صاحبؒ (۱) شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ کے اولین شاگردوں میں تھے۔

ابتدائی تعلیم

قاضی صاحب کی ابتدائی تعلیم گھر ہی میں ہوئی، قرآن مجید اپنی والدہ سے پڑھا اور اردو، فارسی اور عربی کی کتابیں اپنے بڑے بھائی مولانا زین العابدین (۲) سے پڑھیں، میزان الصرف اپنے والد مولانا عبدالاحد صاحب سے پڑھی، والد صاحب کے انتقال کے بعد مدرسہ محمود العلوم دملہ ضلع مدھوبنی میں داخلہ لیا، وہاں آپ کے خاص استاذ مولانا محمود احمد تھے، دو سال یہاں پڑھنے کے بعد ایک سال مدرسہ امدادیہ دربھنگہ میں زیر تعلیم رہے، پھر ایک سال دارالعلوم

---

(۱) مولانا عبدالاحد صاحبؒ ۱۸۸۰ء میں پیدا ہوئے اور ۱۹۰۱ء میں دارالعلوم دیوبند سے اول پوزیشن سے کامیابی حاصل کی، کچھ دنوں حضرت تھانوی کی خدمت میں اور ڈیڑھ سال حضرت گنگوہی کی خدمت میں رہے، دارالعلوم میں تدریس کی پیشکش کی گئی؛ مگر دوری کی وجہ سے قبول نہیں کیا، طب آپ نے مولانا محمد حکیم حسن سے پڑھی اور اسی کو ذریعۂ معاش بنا کر مدرسہ احمدیہ دربھنگہ میں فی سبیل اللہ خدمت انجام دیتے رہے، آپ وہاں کے شیخ الحدیث تھے، کچھ دنوں کلکتہ میں بھی رہے، آپ کی خطابت بہت اچھی ہوتی تھی، جس کی وجہ سے آپ کو "طوطیِ بنگال" کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔

(۲) مولانا زین العابدینؒ ملک کے مشہور فقیہ حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی کے والد ماجد ہیں، ان کے مختصر حالات مولانا رحمانی کے حالات کے ضمن میں آرہے ہیں۔

مئوناتھ بھنجن میں تعلیم حاصل کی، یہاں آپ کے خاص استاذ قاری ریاست علی تھے، جنھوں نے آپ کے اندر مطالعہ کا شوق پیدا کیا۔

دارالعلوم دیوبند میں داخلہ وفراغت

۱۹۵۱ء میں آپ کا داخلہ دارالعلوم دیوبند میں جماعت پنجم میں ہوا، آپ دارالعلوم میں چار سال رہے، ۱۹۵۵ء میں دورۂ حدیث سے فارغ ہوئے، دارالعلوم میں ہمیشہ آپ نے امتیازی نمبرات سے کامیابی حاصل کی اور امتحان میں مقررہ نمبر (۵۰) میں سے اکثر کتب میں آپ نے پورے نمبرات حاصل کئے اور بہت سی کتابوں میں خصوصی نمبرات بھی حاصل کئے، مثلاً دیوان حماسہ میں ۵۲، ہدایہ اخیرین میں ۵۱، مشکوۃ میں ۵۱، بخاری شریف میں ۵۳، مسلم شریف، طحاوی شریف اور مؤطا امام محمد میں ۵۲، ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ میں ۵۱ نمبرات حاصل کئے۔

دارالعلوم دیوبند میں آپ نے بخاری حضرت مولانا حسین احمد مدنی سے، مسلم علامہ ابراہیم بلیاوی سے اور ترمذی شیخ الادب مولانا اعزاز علی سے پڑھیں، ان کے علاوہ مولانا عبدالحفیظ بلیاوی، مولانا محمد حسین بہاری، مولانا فخر الحسن، مولانا سید حسن، مولانا بشیر احمد خان، مولانا نصیر احمد خان اور مولانا معراج الحق صاحب آپ کے اساتذہ میں تھے۔

قاضی صاحب کے زمانۂ طالب علمی کے رفقاء درس اور خاص احباب میں مولانا وحید الزماں کیرانوی، مولانا محمد نعمت اللہ اعظمی، مولانا عبدالحق اعظمی (اساتذہ دارالعلوم دیوبند)، مولانا محمد عمر پالن پوری (مرکز تبلیغ دہلی)، مولانا سعید الرحمٰن قاسمی (امارت شرعیہ بہار)، مولانا علاء الدین ندوی (سابق استاذ جامعہ رحمانی مونگیر)، مولانا حسیب الرحمٰن قاسمی (شیخ الحدیث دارالعلوم حیدرآباد) اور مولانا شفیق عالم قاسمی (سابق نائب ناظم جامعہ رحمانی مونگیر) وغیرہ کے نام خاص کر قابل ذکر ہیں۔

قاضی صاحب دارالعلوم دیوبند میں اپنی ذہانت وفطانت کی وجہ سے ہمیشہ اساتذہ

وطلبہ میں محبوب اور ساتھیوں میں ممتاز رہے؛ چنانچہ مولانا عبدالرحیم صاحب (استاذ دارالعلوم دیوبند) لکھتے ہیں :

> دارالعلوم دیوبند میں میرا اور مولانا مجاہد الاسلام قاسمی کا زمانہ طالب علمی ایک تھا، وہ مجھ سے ایک سال آگے تھے...... قاضی صاحب کی بے پناہ ذہانت وذکاوت، علمی گہرائی وگیرائی، افکار کی بلندی اور ان کی قوت استدلال کا اعتراف مجھے آج سے نہیں؛ بلکہ اس وقت سے ہے جب وہ دور طالب علمی میں تھے اور اس وقت کے تین نمایاں طالب علموں میں وہ اپنی ٹھوس صلاحیتوں کی بنا پر پہلے نمبر پر تھے؛ چنانچہ دورۂ حدیث شریف میں پہلی پوزیشن سے کامیاب ہوئے۔(۱)

اور مولانا انظر شاہ کشمیریؒ لکھتے ہیں :

> مگر واقعی طالب علم تھے، پڑھنے میں ممتاز، صلاحیتوں میں طاق، بے حد خوش خط، ہر سال امتیازی نمبر سے کامیاب، دورۂ حدیث میں اول نمبر رہے۔(۲)

دارالعلوم دیوبند سے گہری وابستگی

دوسری مادر علمی سے محبت کے ساتھ دارالعلوم دیوبند سے آپ کو عشق کی حد تک لگاؤ تھا، آپ ہمیشہ دارالعلوم دیوبند کی تعریف میں رطب اللسان رہا کرتے تھے، علماء عرب کے سامنے دیوبند کا ذکر بڑے بلند الفاظ میں کیا کرتے تھے، دیوبند کا ذکر کرتے ہوئے آپ کی آنکھوں میں چمک سی آجاتی تھی، دیوبند سے اپنی نسبت پر ایک خاص قسم کے ناز وافتخار کا اظہار ہوتا تھا،

(۱) قاضی مجاہد الاسلام قاسمی — حیات وخدمات: ۲۵۷

(۲) قاضی مجاہد الاسلام قاسمی — حیات وخدمات: ۳۹

اسی وجہ سے "قاسمی" کا لفظ آپ کے نام کا لازمی جز بن گیا تھا، فراغت کے بعد اور بے پناہ مصروفیات وعلالت کے باوجود آپ متعدد بار دیوبند تشریف لائے، دارالعلوم سے اسی گہرے تعلق کا نتیجہ تھا کہ دارالعلوم پر کوئی آزمائش آتی یا کوئی ناخوشگوار واقعہ پیش آتا تو آپ بے چین ہو جاتے تھے، خاص کر اجلاس صد سالہ کے بعد حب قصۂ نامرضیہ کی بنیاد پڑی، اس وقت آپ ایسے بے قرار تھے، جیسے کسی کے گھر میں آگ لگ گئی ہو، اس وقت آپ مختلف ارکان شوریٰ سے بات کرتے اور کوشاں رہتے کہ کوئی صورت اتحاد کی نکل آئے، اسی زمانہ کا ایک واقعہ مولانا محمد کلیم صدیقی صاحب لکھتے ہیں :

> ایک روز اچانک یہ ناکارہ دوپہر کے وقت ندوہ کے مہمان خانہ پہنچا تو دیکھا کہ مرشدی حضرت مولانا علی میاں ندوی نور اللہ مرقدہ اور حضرت مولانا مجاہد الاسلام قاسمی صاحبؒ تشریف فرما ہیں اور دونوں رو رہے ہیں، قاضی صاحب حضرت مولانا کے قدموں کی طرف بڑھتے ہیں اور سسکیاں بھرنے لگتے ہیں اور کہے جاتے ہیں: "حضرت! آپ دارالعلوم کو بچا لیجئے، اللہ کے لئے بچا لیجئے، آپ کوشش فرما سکتے ہیں اور ملت کے حال پر آپ ہی ترس کھا سکتے ہیں اور آپ ہی اس کی اہمیت کو سمجھ سکتے ہیں، اس کے بعد قاضی صاحب کی ہچکیاں بندھ گئیں۔(۱)

چنانچہ حضرت مولانا علی میاں ندوی نے آپ کے اس اضطراب و بے چینی اور پس منظر میں رہ کر مسئلہ کو حل کرنے کی بے لوث کوششوں سے متاثر ہو کر فرمایا کہ: "اس میں شبہ نہیں کہ آپ نے مادر علمی سے تعلق کا حق ادا کر دیا ہے"۔

جامعہ رحمانی مونگیر میں

دارالعلوم دیوبند میں رہتے ہوئے جامعہ ازہر مصر میں آپ کا داخلہ منظور ہو چکا تھا

(۱) قاضی مجاہد الاسلام قاسمی — حیات و خدمات: ۳۷

اور آپ وہاں جانے کے آرزومند بھی تھے، مگر آپ کی والدہ اس حق میں نہیں تھیں کہ آپ اتنا طویل سفر کریں؛ چنانچہ انھوں نے حضرت مدنی کو خط لکھا اور حضرت مدنی نے از ہر جانے سے آپ کو منع کردیا، شوال میں حضرت مولانا منت اللہ رحمانی کا ایک خط جامعہ رحمانی میں تقرر کے لئے آگیا؛ چنانچہ آپ حضرت مدنی کے حکم پر ۲۱ رشوال ۱۳۷۴ھ سے جامعہ رحمانی میں تدریس کی خدمت پر مامور ہوگئے، یہاں سے حضرت مولانا منت اللہ رحمانی کی معیت کا آغاز ہوا اور جب تک مولانا رحمانی نے قدرت کے فیصلے پر دنیا نہیں چھوڑ دی اس وقت تک مولانا کا ساتھ نہیں چھوٹا، مولانا کے تعاون واعتماد کا یہ مبارک سفر ۳۶ سال دس ماہ تک ایک ساتھ ہوا، جس نے ملت اسلامیہ کی ایک نئی تاریخ کو وجود بخشا۔

پہلے مرحلہ میں قاضی صاحب کا قیام یہاں سات سال رہا، اس دوران آپ کو درجۂ پرائمری سے عربی ہفتم تک کی کتابیں پڑھانے کا موقع ملا (دورۂ حدیث اس وقت قائم نہیں ہوا تھا) پھر درمیان میں ایک وقفہ کے بعد ۱۳۸۸ھ مطابق ۱۹۶۸ء میں دوبارہ مولانا رحمانی کی خواہش پر آپ یہاں تشریف لائے، اب دورۂ حدیث قائم ہو چکا تھا، چنانچہ بیضاوی اور مختصر المعانی کے علاوہ سنن ابی داؤد اور طحاوی شریف کے اسباق بھی آپ کے لئے متعین کئے گئے۔

قاضی صاحب کی فکر کو نیا رُخ اور قاضی صاحب کی دینی وملی خدمت کے میدانوں کی تعیین وتربیت جامعہ رحمانی ہی میں ہوئی، یہاں مولانا رحمانی کی صحبت نے آپ میں ملی مسائل کے بارے میں سوچنے کا مزاج پیدا کیا اور گروہی و جماعتی تعصب سے اوپر اُٹھ کر مثبت اور آفاقی طرز پر سوچنے کا مزاج بنا اور پھر پوری زندگی اسی طرز پر گذری، جس کی دلیل کے لئے مسلم پرسنل لا بورڈ جیسے ہمہ جماعتی متحدہ پلیٹ فارم کی خدمت اور صدارت کافی ہے۔

قاضی صاحب کی خدمت کا دوسرا رُخ ''کارِ قضاء'' ہے اور اس کی بھی تخم ریزی دراصل جامعہ رحمانی ہی میں ہوئی، جامعہ رحمانی میں آپ کی تدریس کے زمانہ میں تربیت قضاء کے دو کیمپ لگے، جس میں آپ نے بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، ان کیمپوں کے ذریعہ آپ میں نہ صرف قضاء کے کام سے دلچسپی پیدا ہوئی؛ بلکہ آپ نے اسے مسلمانوں کے مسائل کے حل کا

ایک مؤثر ذریعہ سمجھا اور پھر دنیا نے دیکھا کہ قضاء کے باب میں آپ نے اتنی خدمت انجام دی کہ "قاضی" آپ کے نام کا جز بن گیا۔

قاضی کی زندگی کا تیسرا پہلو آپ کی "مؤثر خطابت" ہے، مسلم پرسنل لا بورڈ کے مسائل کی ترجمانی ہو، کسی علمی محفل میں تقریر ہو، کسی دیہات میں بیان ہو یا کسی سیاسی اجلاس سے خطاب ہو، ہر جگہ اور ہر محفل میں آپ کا خطاب انتہائی مؤثر ہوتا تھا اور پوری محفل پر آپ چھا جاتے تھے، حالاں کہ طالب علمی کے زمانہ میں آپ تقریر و خطابت کے مقابلہ میں تحریر اور انشاء پردازی کو زیادہ اہمیت دیتے تھے اور مولانا مناظر احسن گیلانیؒ کی نگرانی میں مضامین لکھا کرتے تھے؛ مگر آپ کی خطابت کو بھی خانقاہ رحمانی مونگیر ہی میں جلا ملی، یہاں ربیع الاول وغیرہ کے خاص موقعوں سے سیرت النبی (صلی اللہ علیہ وسلم) وغیرہ کے اجلاس کئی کئی دنوں تک چلتے تھے، ان اجلاس میں مولانا رحمانی شریک ہوتے اور اصل خطاب قاضی صاحب ہی کا رکھتے تھے، یہیں سے آپ میں تقریر و خطابت کا بھی بہترین ملکہ پیدا ہوا۔

قاضی صاحب کی فقہی خدمات

قاضی صاحب کی طالب علمی ہی سے ان پر فقہی رنگ غالب تھا اور جامعہ رحمانی میں ہدایہ کے اسباق آپ سے متعلق ہوئے تو یہ رنگ اور بھی گہرا ہوگیا، پھر قضاء کی ذمہ داری آپ کے سر آئی تو آپ پر فقہی رنگ پختہ تر ہوتا گیا، چنانچہ آپ نے اپنی زندگی میں دوسرے شعبوں کے ساتھ سب سے نمایاں خدمت فقہ کے باب میں انجام دی اور سب سے زیادہ اپنی توجہ کا مرکز فقہ ہی کو بنایا، فقہ و فتاویٰ کی لائن سے آپ کی خدمات کو سات خانوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

۱- فتاویٰ نویسی: — قاضی صاحب اصلاً امارت شرعیہ کے قاضی تھے اور فقہاء کے یہاں اس بارے میں اختلاف ہے کہ قاضی فتویٰ دے سکتا ہے یا نہیں، یا عام مسائل میں دے سکتا ہے ان مسائل میں نہیں جن کا تعلق قضاء کے باب سے ہو اور جن میں فریقین کے

دارالقضاء سے رُجوع ہونے کا امکان ہو؟ اس لئے کہ اگر متعلقہ مسئلہ میں فتویٰ کے ذریعہ قاضی کی رائے معلوم ہو جائے تو ممکن ہے کہ وہ اسی کے مطابق دعویٰ کر بیٹھے اور اسی لحاظ سے گواہان تیار کرے؛ اس لئے قاضی صاحب عموماً استفتاء سے گریز کرتے تھے، تاہم جن اُمور کا تعلق قضاء سے نہیں، یا فریقین قاضی صاحب کے فتویٰ ہی پر عمل کے لئے رضامند ہوں، ان مسائل میں آپ فتویٰ بھی لکھتے تھے، بعض فتاویٰ آپ نے ایسے بھی لکھے جن کو دوسروں کے دستخط سے جاری کیا، جن کی آج شناخت مشکل ہے، اخیر زمانہ میں جب کہ صرف چند اہم مقدمات ہی کے فیصلے فرماتے تھے، اس زمانہ میں استفتاء کے جواب بھی لکھا کرتے تھے۔

قاضی صاحب کے فتاویٰ میں اپنے اکابر کی طرح احکام مدارج کی رعایت عرف اور ضرورت زمانہ کا لحاظ وغیرہ بھرپور انداز میں پایا جاتا تھا، چنانچہ بیوی کے نفقہ میں قدیم فقہاء نے علاج کو شامل نہیں کیا تھا، مگر عرف کی رعایت کرتے ہوئے قاضی صاحب اپنے فتویٰ میں لکھتے ہیں :

> آج کے بدلے ہوئے حالات میں دوا علاج ضروریاتِ زندگی میں سے ہے اور موجودہ عرف میں بھی شوہر کے ذمہ سمجھا جاتا ہے؛ اس لئے کھانا کپڑے کے ساتھ دوا علاج کا خرچ بھی شوہر کے ذمہ عائد ہوگا۔(۱)

سید کو زکوٰۃ دی جائے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں حنفیہ کا مفتی بہ قول عدم جواز کا ہے؛ لیکن امام ابوحنیفہؒ سے ابوعصمہ کی ایک روایت کے مطابق اس کا جواز معلوم ہوتا ہے، اسی کو امام طحاوی نے اختیار کیا ہے، علامہ انور شاہ کشمیریؒ کی بھی یہی رائے تھی، قاضی صاحب اس مسئلہ پر فتویٰ دیتے ہوئے لکھتے ہیں :

> بہر حال قولِ امام مختلف ہے، امام طحاوی اور بعض دیگر علماء نے اسی قول کو اختیار کیا ہے، اختلاف دلیل و براہین کا نہیں؛ بلکہ

(۱) دیکھئے: قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ — حیات و خدمات: ۱۹۲

بدلتے ہوئے حالات اور زمانہ کا ہے، اس لئے اپنے دور کے حالات کے اعتبار سے اس روایت غیر مشہورہ پر فتویٰ دیا جاسکتا ہے، موجودہ حالات یہی ہیں کہ خمس الخمس سادات کو ملنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، عطایا اور ہدایا کے ذریعہ سادات کی خدمت کا جذبہ مفقود ہوتا جارہا ہے، لہٰذا میں پوری طمانینت قلب کے ساتھ یہ رائے رکھتا ہوں اور فتویٰ دیتا ہوں کہ ضرورت مند سادات کو زکوٰۃ شرعاً دی جاسکتی ہے۔(۱)

قاضی صاحب کو فقہی جزئیات پر بھی بڑا عبور تھا، چنانچہ ایک جگہ مسجد کی توسیع کے سلسلہ میں استفتاء آیا تو امارت شرعیہ کے مفتی صاحب نے البحر الرائق، فتاویٰ ہندیہ اور فتاویٰ رشیدیہ کی عبارتوں کے پیش نظر جواب اس طرح لکھا کہ:

نمازیوں کی بڑھتی ہوئی تعداد کے پیش نظر جب کہ مسجد کی توسیع ضروری ہے اور مالک زمین قیمت پر بھی دینے کے لئے تیار نہیں تو قیمت دے کر زبردستی اس کی زمین مسجد میں لی جاسکتی ہے۔

اس فتویٰ کی وجہ سے منازعت کی صورتِ پیدا ہوگئی، فیصلہ کے لئے قاضی صاحب کو بلایا گیا، قاضی صاحب نے اول کمیٹی والوں کی خوب ڈنٹائی کی، پھر مالک زمین کو علاحدہ لے جا کر سمجھایا اور وہ زمین مسجد کے لئے مفت رجسٹری کروانے پر تیار ہوگیا، پھر قاضی صاحب نے مفتی صاحب سے پوچھا کہ آپ نے فتویٰ کہاں سے لکھا ہے؟ مفتی صاحب نے کتابوں کے نام بتائے، تو قاضی صاحب نے ردالمحتار (فتاویٰ شامی) منگوائی، اس میں ایک قید کا اضافہ تھا کہ: ”یہ حکم اس صورت میں ہے جب کہ پورے شہر اور پوری آبادی میں ایک ہی مسجد ہو“ پھر قاضی صاحب نے فرمایا کہ ایک قید اور بھی ہے کہ ”یہ حکم دارالاسلام کے لئے ہے“۔

قاضی صاحب احکام شرعیہ کے دلائل کے ساتھ احکام کی حکمتوں پر بھی اچھی نظر رکھتے

(۱) دیکھئے: فتاویٰ قاضی:۸۹

تھے؛ چنانچہ ایک بار آپ سے سوال کیا گیا کہ سائنسی اعتبار سے خرگوش بلی کے قبیل کا جانور ہے؛ کیوں کہ اسے حیض آتا ہے؛ لہٰذا اس کا گوشت بلی کی طرح حرام ہونا چاہئے، اس کے جواب میں آپ نے پہلے اُصولی بات بیان کی کہ کسی چیز کا حلال یا حرام ہونا اصل میں حکم الٰہی سے متعلق ہے، پھر نصوص نقل کرنے کے بعد لکھا کہ اس کے حلال ہونے پر اُمت کا اجماع ہے اور اخیر میں واضح کیا کہ خرگوش بلی کی طرح نہیں؛ بلکہ ہرن کی طرح ہے؛ کیوں کہ بلی درندہ ہے، خرگوش درندہ نہیں، بلی حرام چیزیں، جیسے چوہا وغیرہ کھاتی ہے، خرگوش نہیں کھاتا، بلی مردار کھاتی ہے خرگوش مردار خور نہیں۔

قاضی صاحب کے بہت سے فتاویٰ کی نقل محفوظ نہیں کی جاسکی، کچھ فتاویٰ دارالافتاء امارت شرعیہ کے ریکارڈ میں محفوظ ہیں، ان کے علاوہ کچھ فتاویٰ سہ ماہی ''بحث ونظر'' میں اور کچھ خطوط کی شکل میں تھے، جن کی مجموعی تعداد ڈیڑھ سو سے کچھ زائد ہے، اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کے ایک رفیق مولانا امتیاز احمد قاسمی نے اس کی ترتیب وتحشیہ کا کام کیا ہے، جو ''فتاویٰ قاضی'' کے نام مطبوع ہے۔

۲- قاضی شریعت دارالقضاء امارت شرعیہ — قاضی صاحب کی زندگی کی سب سے نمایاں خدمت ''خدمت قضاء'' ہے، قضاء کی ذمہ داری پہلے سے بھی آپ کے خاندان سے متعلق رہی ہے، چنانچہ دربھنگہ ضلع میں جب ''جالے'' نام کی بستی بسائی گئی اور مسلمان یہاں آباد ہونے لگے تو ایک خاندان لکھمنیا (ضلع مونگیر) سے یہاں لایا گیا اور اس وقت کے مسلم حکمران نے اسی خاندان سے قاضی مقرر کیا اور بڑے بڑے علماء اس خاندان میں پیدا ہوئے اور اسی خاندان سے قاضی مقرر کئے جاتے رہے، یہ خاندان جس محلہ میں بستا تھا، اس کا نام بھی ''قاضی محلہ'' رکھا گیا، قاضی مجاہد الاسلام کا تعلق اسی خاندان سے تھا، گویا کار قضاء آپ کے خاندان کی بہترین میراث تھی، پھر مونگیر کے زمانۂ قیام میں جب تربیت قضاء کیمپ منعقد ہوئے تو آپ میں قضاء کا اور بھی شوق اُبھرا، بالآخر یکم شوال ۱۳۸۴ھ مطابق ۱۹۶۲ء کو قضاء کے حوالہ سے ہندوستان میں سب سے معروف ادارہ امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ میں آپ کو

ناظم اور چیف قاضی مقرر کیا گیا، ۱۹۶۵ء تک آپ امارت کے ناظم رہے، پھر نظامت کی ذمہ داری حضرت مولانا نظام الدین (موجودہ امیر شریعت) کے سپرد کی گئی، تاہم ۱۹۶۲ء سے اپنی وفات (۲۰۰۲ء) تک چالیس سال آپ یہاں کے چیف قاضی رہے اور ۱۲؍ربیع الاول ۱۴۲۰ھ مطابق ۲۴؍جون ۱۹۹۰ء سے اپنی وفات (۲۰۰۲ء) تک بارہ سال نائب امیر شریعت بھی رہے، ان کے علاوہ مولانا سجاد ہاسپٹل کے سکریٹری، مولانا منت اللہ رحمانی ٹیکنیکل انسٹی ٹیوٹ کے صدر، وفاق المدارس الاسلامیہ کے صدر اور المعہد العالی للتدریب فی القضاء والافتاء کے بانی وصدر تھے۔

امارت شرعیہ کے پلیٹ فارم سے آپ نے بے شمار علمی وفقہی خدمات انجام دیں، امارت ان دنوں انتہائی عسرت اور شدید مالی بحران سے دوچار تھی، آپ نے دوسرے ذمہ داروں کے ہمراہ مسلسل سعی وکوشش سے امارت کو مالی استحکام عطا کیا اور ۱۹۸۴ء میں اسے خستہ عمارت سے پختہ عمارت میں تبدیل کیا، ۱۹۸۸ء میں سجاد ہاسپٹل کا کام مکمل کرایا، ۱۹۹۴ء میں مولانا منت اللہ رحمانی ٹیکنکل انسٹی ٹیوٹ قائم کیا، بعض حلقوں سے امارت کی عدم تائید؛ بلکہ مخالفت شروع ہوئی اور اسے غیر مستحکم کرنے کی کوشش کی گئی تو بڑی حکمت کے ساتھ خاموش طریقہ پر اس کا مقابلہ کیا، مسلمانوں کے ساتھ ملک یا بیرون ملک کہیں بھی حالات پیش آئے تو اسے قانونی اور مالی امداد فراہم کرنے میں آپ نے اہم رول ادا کیا، ملک کے مختلف علاقوں میں آپ نے تربیت قضاء کیمپ کا انعقاد کیا، پہلے امارت شرعیہ میں تربیت قضاء کا باضابطہ نظم نہیں تھا، آپ نے اس کا ایک سالہ کورس تیار کیا اور تربیت پانے والے فضلاء کے لئے قیام وطعام کے علاوہ وظیفہ کی بھی سہولت مہیا کی، پہلے مرکزی دار القضاء کے علاوہ صرف نو (۹) ذیلی دار القضاء قائم تھے اور دو تین کو چھوڑ کر سب اضمحلال کی حالت میں تھے، آپ نے اس نظام کو بھی استحکام بخشا اور اس میں توسیع فرمائی، چنانچہ آپ کی کوششوں سے بہار، اُڑیسہ، جھارکھنڈ میں ذیلی دار القضاء کی تعداد ۳۶ ہوگئی، ان کے علاوہ آسام، کرناٹک، تمل ناڈو، آندھرا پردیش، مہاراشٹر، دہلی اور یوپی وغیرہ میں بھی نظام قضاء قائم ہوا۔

۱۹ر اکتوبر ۱۹۹۳ء کو جے پور میں آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے گیارہویں اجلاس میں جو دار القضاء کی تجویز منظور ہوئی تھی، یہ تجویز بھی قاضی صاحب نے ہی نہایت مؤثر طریقہ پر پیش کی تھی، جس سے پورے مجمع نے اتفاق کیا اور آپ ہی کو اس نظام قضاء کا کنوینر بنایا گیا؛ چنانچہ آپ کی کوششوں سے دہلی، ممبئی، تھانہ، دھولیا، اکولا، میسور اور اندور وغیرہ میں دار القضاء قائم ہوئے اور ملک گیر سطح پر دار القضاء کے سلسلہ میں بیداری پیدا ہوگئی۔

قاضی صاحب کو اللہ تعالیٰ نے بلا کی ذہانت وفطانت اور بے پناہ قضاء کی صلاحیتوں سے نوازا تھا، آپ کے فیصلوں میں قاضی ابو یوسف، وکیع بن الجراح اور قاضی شریح کے فیصلوں کی جھلک نظر آتی تھی اور عجیب اتفاق ہے کہ تاریخ اسلام کے مشہور قاضی، قاضی شریح کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ ''اطلس'' یعنی بے ریش تھے اور قاضی مجاہد الاسلام قاسمی بھی بے ریش ہی تھے، اسی لئے آپ کو بجا طور پر ''شریح ثانی'' کہا جاسکتا ہے، آپ کے فیصلوں کی صحت وپختگی کا یہ عالم تھا کہ سرکاری عدالت بھی آپ کے فیصلوں کو بے چون وچرا قبول کرتی تھی، یہاں تک کہ حقیت وغیرہ کے بعض مقدمات سرکاری عدالت سے امارت شرعیہ کے دار القضاء بھیج دیئے جاتے تھے، اسی لئے آپ کی وفات کے بعد مولانا سعید الرحمن اعظمی (مہتمم دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ) نے ایک تعزیتی اجلاس میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ:

دنیا کے کسی بھی گوشہ میں اگر اسلامی نظام قائم ہوتا تو بلا تامل
قاضی صاحبؒ ہی کو ''قاضی القضاۃ'' کا منصب عطا کیا جاتا۔

قاضی صاحبؒ چالیس سال دار القضاء امارت شرعیہ کے قاضی القضاۃ رہے، اخیر کے چار سال سخت علالت کی وجہ سے علاج کے سلسلہ میں دہلی میں مقیم رہے، گویا ۳۶ سال آپ نے چیف جسٹس کی حیثیت سے خدمت انجام دی اور اس مدت میں کل بارہ ہزار چار سو ستر (۱۲۴۷۰) مقدمات کے فیصلے فرمائے، جن میں کا ہر فیصلہ بعد والوں کے لئے سند کا درجہ رکھتا ہے، کسی شاعر نے آپ کے بارے میں بجا کہا ہے:

آپ کا ہوتا تھا جامع، مستند ہر فیصلہ
آپ اپنی ذات میں تھے مستقل دار القضاء

۴- مسلم پرسنل لا بورڈ:ــــ مسلم پرسنل لا بورڈ بھی بنیادی طور پر ایک فقہی ادارہ ہی ہے اور بعض لوگوں کے خیال کے مطابق ایک فقہی مسئلہ "لے پالک" (کسی بچے کو گود لینے) کے سلسلہ میں حکومت نے متبنّیٰ بل پاس کیا تھا، جس میں لے پالک کو اپنی اولاد کا درجہ دیا گیا اور مسلمانوں کو اس قانون سے مستثنیٰ نہیں کیا گیا تھا، اسی پس منظر میں ۱۹۸۶ء میں سب سے پہلے امارت شرعیہ پٹنہ میں "مسلم پرسنل لا کانفرنس" بلائی گئی، قاضی صاحب بھی اس وقت امارت شرعیہ ہی میں تھے، یقیناً اس کانفرنس میں آپ کا بھی حصہ رہا ہوگا، پھر مولانا منت اللہ رحمانی کی تحریک پر مارچ ۱۹۷۲ء میں دارالعلوم دیوبند میں اجتماع رکھا گیا تو اجتماع کی تیاری کے لئے قاضی صاحب ایک ماہ قبل ہی سے دارالعلوم میں مقیم ہوگئے اور مسئلہ کے قانونی اور شرعی پہلوؤں کا مطالعہ کیا اور معاندین کے اعتراضات کو جمع فرما کر بنیادی سوال نامہ مرتب کیا، پھر جب نومبر ۱۹۷۲ء میں ممبئی کنونشن منعقد ہوا تو اس میں بھی قاضی صاحب کا مؤثر خطاب ہوا، پھر جب حیدرآباد میں عہدہ داران کے انتخاب کا اجلاس ہوا تو آپ کا ایسا مؤثر خطاب ہوا کہ قاری طیب صاحبؒ نے فرمایا: "قاضی صاحب کے اس خطاب کے بعد کسی خطاب کی ضرورت نہیں" ــــ غرض مسلم پرسنل لا بورڈ کی تاسیس اور تشکیل کے ہر مرحلہ میں قاضی صاحب پیش پیش رہے اور بورڈ کی تشکیل کے بعد ہر اجلاس میں قانون شریعت کی ترجمانی کے لئے قاضی صاحب ہی کو آگے بڑھایا جاتا تھا، تجاویز وغیرہ بھی آپ ہی مرتب کرتے تھے، کسی اعتراض کا جواب دینا ہوتو آپ ہی کو کھڑا کیا جاتا تھا، ایمرجنسی اور جبری نس بندی کے مسئلہ پر، شاہ بانو کیس کے معاملہ میں اور بابری مسجد کے مسئلہ پر آپ نے حکومت کے سامنے جو شریعت کی ترجمانی اور بورڈ کے موقف کی وضاحت کی وہ ناقابل فراموش ہے، تاہم مولانا منت اللہ رحمانیؒ کی زندگی میں آپ نے اپنی شخصیت کو ان ہی میں گم کر رکھا تھا، مولانا رحمانی کی وفات کے بعد آپ باضابطہ سامنے آئے، آپ بورڈ کی دارالقضاء کمیٹی کے کنوینر تھے، بورڈ کے رکن تاسیسی اور رکن عاملہ تھے، نیز جب وکلاء پر مشتمل قانونی جائزہ کمیٹی بنائی گئی تو اس میں بھی علماء کی نمائندگی کے لئے بحیثیت رکن آپ ہی کا انتخاب عمل میں آیا اور بالآخر جب بورڈ کے دوسرے صدر مولانا علی میاں ندویؒ

کا انتقال ہوا تو ۲۳؍ اپریل ۲۰۰۰ء کو آپ کو بورڈ کا صدر منتخب کیا گیا اور اپنی وفات (۴؍ اپریل ۲۰۰۲ء) تک تقریباً دو سال آپ نے اس عہدے پر رہ کر گرانقدر خدمات انجام دیں، آپ نے اپنے زمانہ صدارت میں بورڈ کے دفتر کی توسیع کی، اس کو منظم اور فعال بنایا اور جدید سہولتوں سے آراستہ کیا، نوجوان خون کو بھی بورڈ میں شامل کیا، پرنٹ میڈیا کے ساتھ الکٹرانک میڈیا کو بورڈ کی طرف متوجہ کیا اور ''مجموعہ قوانین اسلامی'' کی شاندار انداز میں طباعت کا کام کروایا۔

۴- مرکز البحث العلمی کا قیام:— ۱۹۷۹ء میں قاضی صاحبؒ نے ساؤتھ افریقہ کا سفر کیا تو وہاں بہت سے ایسے نئے مسائل سامنے آئے جن کے حل کے لئے ایک گونہ اجتہاد اور غور و فکر کی ضرورت تھی؛ لیکن اس ہوی پرستی اور علمی انحطاط کے زمانہ میں انفرادی اجتہاد کے بجائے اجتماعی غور و فکر کا راستہ زیادہ محفوظ تھا، جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فقہاء صحابہ کے اجتماعی مشورہ کی مجلس قائم کی تھی اور جیسا کہ امام ابوحنیفہؒ نے فقہاء کے اجتماعی غور و فکر کا نظام بنایا تھا؛ چنانچہ قاضی صاحب مسلم پرسنل لا بورڈ کے اجلاس میں جب حیدرآباد آئے تو یہیں اس مقصد کے لئے ''مرکز البحث العلمی'' کے ابتدائی خاکہ پر مشورہ کیا اور اس کے لئے مفتی محمد ظفیر الدین مفتاحی (مفتی دیوبند)، مفتی اشرف علی (بنگلور)، مولانا محمد حنیف ملی (مالیگاؤں)، قاضی عبدالاحد ازہری (مالیگاؤں)، مولانا برہان الدین سنبھلی (لکھنؤ)، مولانا محمد رضوان القاسمی (حیدرآباد)، مولانا بدر الحسن (جو اس وقت دیوبند میں تھے)، مولانا محمد مصطفیٰ مفتاحیؒ (جو اس وقت راجستھان میں تھے) اور مولانا خالد سیف اللہ رحمانی (حیدرآباد) کو نامزد فرمایا، پھر ان نئے مسائل کا سوال نامہ مرتب فرمایا، جس میں اعضاء کی پیوند کاری، فیملی پلاننگ، قتل بہ جذبۂ رحم اور جادو و جنات وغیرہ سے متعلق سوالات تھے، یہ سوالات علماء کے پاس بھیجے گئے اور جواب پر غور کرنے کے لئے مولانا محمد زبیر قاسمی اور مولانا انیس الرحمن قاسمی وغیرہ علماء کو جمع کیا گیا، اس وقت یہ کام امارت شرعیہ ہی کے دفتر میں ہو رہا تھا، اس کا پہلا سیمینار یکم تا ۳؍ اپریل ۱۹۸۹ء میں ہمدرد یونیورسٹی میں منعقد ہوا، جس میں ضبط ولادت، اعضاء کی پیوند

کاری اور مکانات و دوکانات کی پگڑی کے موضوعات زیر بحث آئے، اس سیمینار میں ایک سو بیس اداروں اور دارالافتاء کی نمائندگی ہوئی، مولانا ابوالحسن علی ندویؒ نے اس کی صدارت فرمائی تھی اور مولانا منت اللہ رحمانیؒ نے افتتاحی کلمات فرمائے تھے۔

۵- سہ ماہی بحث ونظر:ـــ امارت شرعیہ کے ترجمان ہفت روز ''نقیب'' میں چوں کہ دقیق فقہی مباحث درج نہیں کئے جاسکتے تھے، اس لئے ایک خالص علمی اور فقہی پرچہ نکالنے کی تجویز سامنے آئی اور قاضی صاحب نے ۱۹۸۸ء میں ذاتی طور پر ''بحث ونظر'' کے نام سے سہ ماہی رسالہ نکالنا شروع کیا، جس مقصد کے لئے یہ رسالہ نکالا جارہا تھا، اس کے لئے چند خصوصی کالمز رکھے گئے؛ چنانچہ نئے مسائل کے حل میں سب سے زیادہ اُصول کی ضرورت پڑتی ہے، اس لئے ایک عنوان ''اُصولی مباحث'' کا رکھا گیا، اصل مقصد نئے مسائل کی تحقیق تھی، اس لئے ایک عنوان ''تحقیقات فقہیہ'' کا رکھا گیا، جس میں جدید مسائل پر علماء کی آراء نقل کر کے بحث وتمحیص اور اُصول کی کسوٹی پر جانچنے اور ایک رائے کو دوسری رائے پر ترجیح کیسے دی جائے؟ اسے تفصیل سے درج کیا جاتا تھا، مذکورہ دونوں عناوین پر عموماً قاضی صاحب خود ہی لکھتے تھے، ان کے علاوہ ایک عنوان ''القضایا'' کا تھا، جس کے ذریعہ علماء کو کسی مسئلہ پر فیصلہ کا طریقہ معلوم ہوتا تھا، ایک عنوان ''فقہی شخصیات'' کا رکھا گیا، تاکہ فقہ کے حوالہ سے اپنے اسلاف کی محنت وجاں فشانی علماء کے سامنے آئے۔

اس رسالہ کی رسم اجراء ۱۰/اپریل ۱۹۸۸ء کو مولانا ابوالحسن علی ندوی علیہ الرحمہ کے ہاتھوں پھلواری شریف پٹنہ میں ہوئی، اس رسالہ کی اشاعت نے علمی دنیا میں ایک انقلاب پیدا کردیا، بہت سے لوگوں کو حیرت تھی کہ علمی انحطاط کے اس دور میں اس قسم کا رسالہ کون پڑھے گا؟ لیکن چند ہی دنوں میں اس کی مقبولیت نے لوگوں کو حیران کردیا اور علماء میں بحث وتحقیق کی ایک لہر پیدا ہوگئی۔

۶- اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کا قیام:ـــ مرکز البحث العلمی کے سیمینار کی کامیابی، اُمت کے مسائل سے علماء کی دلچسپی اور مختلف الفکر علماء کی وسیع الظرفی دیکھ کر قاضی صاحب کا

حوصلہ بڑھا اور قاضی صاحب نے مرکز کے دائرہ کو اور بھی وسیع فرمایا اور اس میں مولانا سید نظام الدین، ڈاکٹر منظور عالم، جناب امین عثمانی، مولانا عتیق احمد بستوی اور مولانا عبید اللہ اسعدی کو بھی شامل فرمایا، اس طرح ۱۹۸۹ء کو اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کی تشکیل عمل میں آئی، قاضی صاحب کی زندگی میں اکیڈمی کے تحت تیرہ فقہی سیمینار ہوئے، جن میں بہ حیثیت مجموعی ۴۱ مسائل پر بحث کی گئی، ان کے علاوہ دینی مدارس کے طلبہ میں اپنے عہد کے مسائل پر شعور پیدا کرنے کے لئے توسیعی خطبات اور تربیتی کیمپس کا انتظام کیا گیا، ۱۷ ر مدارس میں آپ نے توسیعی خطبات رکھے اور تین کیمپس منعقد کیے گئے، جن میں معاشیات، علم شہریت، نفسیات، مخالف اسلام تحریکات اور دستور ہند وغیرہ پر محاضرات دیئے گئے، نیز اکیڈمی کے تحت آپ کی زندگی میں فقہی سیمینار میں پیش کیے گئے مقالات کے ۱۷ مجموعے اشاعت پذیر ہوئے اور ۵۴ کتابیں طبع ہوئیں، الموسوعۃ الفقہیہ (۴۰ جلدیں) کا ترجمہ آپ نے ہی شروع کرایا تھا، جو آپ کی زندگی میں نہیں چھپ سکا اور انشاء اللہ عنقریب چھپ کر سامنے آجائے گا۔ (۱)

۷- المعہد العالی للتدریب فی القضاء والافتاء: — نظامِ قضاء کی اہمیت کا تقاضا تھا کہ محض چند روزہ تربیتی کیمپ پر اکتفاء نہ کیا جائے؛ بلکہ افتاء اور قضاء کے اُصول کو پوری وسعت کے ساتھ پڑھایا جائے، چنانچہ اس کام کے لئے قاضی صاحب نے ایک مستقل ادارہ کے قیام کا فیصلہ کیا اور ۱۴۱۸ھ مطابق ۱۹۹۸ء کو امارت شرعیہ کے قریب معہد کی بنیاد ڈالی، قاضی صاحب نے اس ادارہ کو ملک گیر پیمانہ پر مفید بنانے کے لئے جہاں پرکشش اور مفید نصاب رکھا، وہیں مختلف علاقے کے علماء کو بھی اعتماد میں لیا اور انھیں ادارہ کا رکن بنایا، چنانچہ عام طور پر بہار اور مشرق کی طرف دوسرے علاقوں کے علماء اور طلبہ کا رُخ کم ہونے کے باوجود اس ادارہ سے ہر علاقہ کے علماء اور طلبہ کا رُجوع ہوتا ہے۔

۸- تصنیفات و تالیفات: — قاضی صاحبؒ نے بنیادی طور پر کتابوں کی تصنیف سے زیادہ افراد و اشخاص کی تصنیف پر توجہ دی، اس لئے آپ کی تصنیفات تعداد کے اعتبار سے کم

(۱) اکیڈمی کا تعارف اس مقالہ میں مستقل بھی کیا گیا ہے، [illegible]

ہیں؛ لیکن آپ کی جتنی بھی کتابیں ہیں، وہ اپنی کیفیت کے اعتبار سے انتہائی اہم اور علماء تحقیق کے لئے سرمۂ چشم کا درجہ رکھتی ہیں، آپ کی بیش قیمت تصانیف میں اسلامی عدالت (۴۳۳ صفحات)، مباحث فقہیہ (آپ کے مقالات کا مجموعہ، صفحات: ۴۶۹) مسلم پرسنل لا کا مسئلہ — تعارف و تجزیہ (صفحات: ۵۶)، خطبات بنگلور، فتاویٰ امارت شرعیہ (۲؍جلدیں، مولانا ابوالمحاسن سجاد علیہ الرحمٰن ودیگر مفتیان امارت شرعیہ کے فتاویٰ کی ترتیب)، اسلام انسانی مسائل کا حل (تین خطبات کا مجموعہ)، اسلام اور اجتماعیت (یہ بھی آپ کے خطبات کا مجموعہ ہے)، صنوان القضاء وعنوان الافتاء (قاضی عماد الدین اشفورقانی کی تصنیف پر تحقیق تعلیق ۴؍جلدیں، مجموعی صفحات: ۱۶۸۱)، فقہ المشکلات (منتخب فقہی مضامین کا مجموعہ، صفحات: ۲۴۸)، کتاب الفسخ والتفریق (مولانا عبدالصمد رحمانی کی کتاب پر تحقیق و تعلیق)، آدابِ قضاء (مولانا رحمانی کی کتاب پر تحقیق و تعلیق) وغیرہ خاص کر قابل ذکر ہیں۔

دوسرے میدانوں میں خدمت

قاضی صاحب ہر جہت سے ملت اسلامیہ کی عظمت رفتہ کو بحال کرنے میں کوشاں تھے؛ چنانچہ وہ اُمت کے زوال کے سب سے بنیادی سبب انتشار وافتراق کے پیش نظر ''اتحادِ اُمت'' کے بہترین داعی تھی اور مسلمانوں کی ہمہ جہت خدمات کو اپنا فریضہ سمجھتے تھے، چنانچہ مسلمانوں کے دینی، سیاسی اور معاشی ہر طرح کے زوال کو دیکھ کر قاضی صاحب نے ۱-۲؍جون ۱۹۹۱ء کو ''سورج کنڈ ہریانہ'' میں ملت کے کچھ باشعور افراد کو جمع فرمایا ۱۳؍اپریل ۱۹۹۲ء کو اس سلسلہ کی دوسری میٹنگ دہلی میں کی، جس میں ۲۳-۲۴؍مئی کو ممبئی میں ''اتحادِ ملت کانفرنس'' کی تجویز طے ہوئی، اسی کانفرنس میں ''آل انڈیا ملی کونسل'' کا قیام عمل میں آیا، ملی کونسل کے پلیٹ فارم سے بابری مسجد کی شہادت کے موقع سے پورے ملک کا دورہ اور متاثرین کے لئے ریلیف کا کام کیا گیا، بابری مسجد کی شہادت کے بعد ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان جو فاصلہ بڑھ گیا تھا اور مسلمان دہشت کے ماحول میں جی رہے تھے، اسے کم کرنے کے لئے ملک کے گوشے گوشے میں پروگرام رکھ کر دونوں فرقے کے لوگوں کو ایک اسٹیج پر جمع کیا گیا، ۱۹۹۷ء میں جب

آزادی کی گولڈن جوبلی منائی جارہی تھی، آپ نے ''کاروانِ آزادی'' نکالنے کا اہتمام کیا، جس میں جنگ آزادی میں مسلمانوں کے کردار پر بیانات کا سلسلہ میسور سے شروع کرکے پورے ملک میں پھیلایا گیا، مدارس کو حکومت کے نشانے سے بچانے کے لئے ''رابطہ مدارس کانفرنس'' بلائی، ٹاڈا اور پوٹوں کے خلاف بہت ہی مؤثر آواز اُٹھائی، ان کے علاوہ ۱۹۸۸ء میں غریبوں کے علاج کے لئے پٹنہ میں ''سجاد ہاسپٹل'' قائم کیا، مسلمانوں کو روزگار سے جوڑنے کے لئے پٹنہ میں ''مولانا منت اللہ رحمانی ٹیکنکل انسٹی ٹیوٹ'' قائم کیا اور اس کے ذیلی ادارہ کے طور پر پورنیہ، دربھنگہ، مدھوبنی، چترا، راور کیلا وغیرہ میں بھی ٹیکنیکل انسٹی ٹیوٹ قائم کیے، مدارس اسلامیہ کا معیار تعلیم بلند کرنے کے لئے ۱۹۹۶ء میں ''وفاق المدارس الاسلامیہ'' بنائی، جس سے ۱۷۵ آزاد مدارس ملحق تھے، ۱۹۷۸ء میں نصابِ تعلیم اور نظامِ تعلیم کی ضروری اصلاح کے لئے ''مدارس اسلامیہ کنونشن'' منعقد کی، جس میں ''مدارس اسلامیہ کونسل'' کا قیام عمل میں آیا، ۱۹۷۰ء میں جب مسلم مجلس مشاورت قائم ہوئی اس کی تشکیل میں بھی آپ کا حصہ رہا ہے۔

عہدے اور ایوارڈ

قاضی مجاہد صاحبؒ واقعی اسم بامسمیٰ تھے، ان کی پوری زندگی ''جہد مسلسل'' سے عبارت تھی اور اقبال کا یہ شعر :

شرع محبت میں ہے عشرت منزل حرام
شورش طوفاں حلال ، لذت ساحل حرام

آپ کی زندگی پر پوری طرح فٹ تھا، چنانچہ بیک وقت کئی کئی اداروں سے آپ کی وابستگی تھی اور ہر ادارہ کا کام بحسن وخوبی انجام دیتے تھے، آپ چند سالوں امارت شرعیہ کے ناظم رہے، تاحیات (۴۰ سال) دارالقضاء امارت شرعیہ کے چیف قاضی رہے اور اخیر عمر میں نائب امیر شریعت بھی رہے، اس کے علاوہ آپ سجاد ہاسپٹل کے سکریٹری، مولانا منت اللہ رحمانی ٹیکنیکل انسٹی ٹیوٹ کے صدر، وفاق المدارس الاسلامیہ کے بانی وچیرمین، سہ ماہی ''بحث ونظر''

کے مدیر، المعہد العالی للتدریب فی القضاء والافتاء کے بانی وصدر، اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کے بانی و جنرل سکریٹری، مسلم پرسنل لا بورڈ کے رکن تاسیسی، رکن عاملہ، محکمہ دار القضاء کے کنوینر اور اخیر میں صدر بھی رہے، آل انڈیا ملی کونسل کے بانی وصدر، انسٹی ٹیوٹ آف آبجکٹیو اسٹڈیز دہلی کی گورننگ باڈی کے ممبر، الامین اسلامک فائنانشل فاؤنڈیشن کے شریعہ بورڈ کے رکن، اسلامک فقہ اکیڈمی (مکہ مکرمہ) کے رکن، انٹرنیشنل اسلامک فقہ اکیڈمی جدہ کے اکسپرٹ ممبر، المجمع العلمی العالی دمشق کے رکن اور الھیئۃ الخیریۃ الإسلامیہ العالمیۃ کویت کے رکن اعزازی تھے۔

آپ کی اس ہمہ جہت خدمت اور مقبولیت کی وجہ سے مختلف اداروں سے آپ کو جتنے ایوارڈس ملے ہیں، ہندوستان میں بہت کم ہی لوگوں کو اتنے ایوارڈس حاصل ہوئے ہیں، آپ کی مختلف خدمتوں کے اعتراف میں ملنے والے ایوارڈس اس طرح ہیں:

- ''کمیونٹی لیڈرشپ ایوارڈ'': الامین ایجوکیشنل ٹرسٹ کی طرف سے۔
- ''شاہ ولی اللہ ایوارڈ'': انسٹی ٹیوٹ آف آبجکٹیو اسٹڈیز دہلی کی طرف سے۔
- ''مولانا سید ابوالحسن علی ندوی ایوارڈ'': افمی، یعنی امریکن فیڈریشن آف مسلمس کی طرف سے۔
- ''بہترین اسلامی شخصیت ایوارڈ'': میسی، یعنی مسلم ایجوکیشنل ایسوسی ایشن آف ساؤتھ انڈیا کی طرف سے۔
- ''فقہی ایوارڈ'': حکومت کویت کی اعلیٰ مشاورتی کمیٹی کی طرف سے۔
- ''گولڈ میڈل'': حکومت مراقش کی طرف سے بہترین اسلامی وعلمی خدمات پر، جو آپ کی وفات کے دن موصول ہوا۔

ان کے علاوہ حکومت ہند بھی اعزاز دینا چاہتی تھی، مگر آپ بلاجہ حکومت کا اعزاز قبول کرنا نہیں چاہتے تھے، اس لئے اس سے بے التفاتی برتی اور زبان حال سے معذرت کردی۔

تلامذہ و مستفیدین

اگر شاگردی کو مطبوعہ کتابوں کے اسباق میں محدود نہ مان کر اس کا وسیع معنی مراد لیا جائے تو کہا جاسکتا ہے کہ آپ کے سب سے پہلے، سب سے بڑے، سب سے قریبی سب سے با اعتماد، سب سے زیادہ مستفید ہونے والے اور آپ کے بعد آپ کی جانشینی کا صحیح حق رکھنے والے شاگرد فقیہ العصر حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی ہیں، مولانا رحمانی نے غیر رسمی طور پر ہدایت النحو وغیرہ کے بعض اسباق کے علاوہ قاضی صاحب سے صفحۂ قرطاس پر لکھے ہوئے حروف ونقوش کو تو باضابطہ نہیں پڑھا؛ لیکن قاضی صاحب کے صفحۂ ہستی پر بنے نقوش کو سب سے زیادہ مولانا رحمانی نے ہی پڑھا اور قاضی صاحب کی کتاب زندگی کا سب سے زیادہ مطالعہ آپ ہی کے حصہ میں آیا۔

قاضی صاحبؒ کے قیام مونگیر کے زمانہ میں جن لوگوں نے باضابطہ آپ سے استفادہ کیا ان میں مولانا محمد ولی رحمانی (خلف رشید مولانا منت اللہ رحمانی)، مولانا صغیر احمد رحمانی، مولانا فضل الرحمان (شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ بھٹکل)، مولانا محمد رضوان القاسمی (ناظم دارالعلوم سبیل السلام حیدرآباد)، مولانا جسیم الدین رحمانی (قاضی شریعت بہار، اڑیسہ، جھارکھنڈ)، مولانا شعیب احمد رحمانی، مولانا نیاز احمد رحمانی اور مولانا غیاث الاسلام رحمانی وغیرہ خصوصیت سے قابل ذکر ہیں اور جن لوگوں نے آپ کے قیام امارت شرعیہ کے زمانہ آپ سے قضاء کی تربیت حاصل کی ان میں مولانا محمد قاسم مظفرپوری (سابق شیخ الحدیث وقاضی شریعت مدرسہ رحمانیہ سوپول، بہار)، مولانا جسیم الدین رحمانی (قاضی شریعت مرکزی دارالقضاء پٹنہ)، قاضی عبدالاحد ازہری (قاضی شریعت مالیگاؤں)، قاضی عبدالجلیل قاسمی (قاضی شریعت مرکزی دارالقضاء پٹنہ) اور مولانا عتیق احمد قاسمی بستوی (قاضی شریعت لکھنؤ) کے نام خاص کر قابل ذکر ہیں۔

وفات وتدفین

۲۰ر محرم الحرام ۱۴۳۰ھ مطابق ۴ر اپریل ۲۰۰۲ء، جمعرات کا دن رخصت ہو رہا تھا، اسی وقت شام سات بجکر پانچ منٹ میں اپنی طویل علالت؛ بلکہ تھکاوٹ کے بعد یہ مسافر جوارِ رحمت میں سو گیا (إنا لله وإنا إليه راجعون) آپ نے آخری سانس دہلی کے اپولو ہسپتال میں لی، صبح آپ کی پہلی نماز جنازہ جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی میں پڑھی گئی، حضرت مولانا محمد سالم صاحب سے نماز جنازہ پڑھانے کی درخواست کی گئی، مگر ان کے اشارہ پر مولانا عبداللہ مغیثی نے نماز پڑھائی، دوسری نماز دہلی ایئر پورٹ پر مولانا یعقوب صاحب (استاذ مظاہر علوم وقف) نے پڑھائی، جمعہ کے بعد تیسری نماز امارت شرعیہ میں مولانا نظام الدین (امیر شریعت) نے پڑھائی، عشاء کے بعد آخری نماز جنازہ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی نے مہدولی (دربھنگہ) میں پڑھائی اور وہیں آپ کی تدفین عمل میں آئی۔

☆ ☆ ☆

نواں باب

موجودہ فقہی شخصیات

مفتی ظفیر الدین مفتاحی

تاریخ پیدائش اور وطن

مفتی ظفیر الدین صاحب کی پیدائش ۲۱ رشعبان ۱۳۴۴ھ مطابق ۷ رمارچ ۱۹۲۶ء "پورا نوڈیہا" نامی گاؤں میں ہوئی، یہ گاؤں شہر دربھنگہ سے مشرق کی جانب تقریباً پانچ کلومیٹر کی دوری پر "کملاندی" کے کنارے واقع ہے، آپ کے والد کا نام منشی شمس الدین ہے، جو ریلوے ملازم تھے۔

تعلیم وتدریس

مفتی صاحب کی تعلیم کا آغاز اپنے گاؤں کے مکتب میں میاں جی محمد یوسف کے پاس ہوا، اس وقت آپ کی عمر چار یا پانچ برس کی تھی، پھر اپنے چچازاد بھائی مولانا عبدالرحمن صاحب (جو آپ کے بہنوئی بھی تھے اور حضرت مولانا منت اللہ رحمانیؒ کے بعد امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ کے پانچویں امیر شریعت بھی بنے) کے ساتھ مدرسہ محمودیہ، راج پور، نیپال چلے گئے، وہاں آپ نے قرآن پاک کا حفظ شروع کردیا؛ لیکن آپ کم عمر بھی تھے اور جسمانی اعتبار سے کمزور بھی؛ اس لئے آپ کو حفظ سے درجہ عربی وفارسی میں داخل کردیا گیا، پھر مولانا عبدالرحمن صاحب جب مدرسہ محمودیہ (نیپال) سے چھپرہ شہر کے مدرسہ وارث العلوم منتقل ہوئے تو آپ کو بھی اپنے ساتھ چھپرہ (بہار) لے گئے، یہ ۱۹۳۴ء کا ابتدائی مہینہ تھا، درمیان سال میں آپ مدرسہ بورڈ کے امتحان کے لئے گھر واپس آگئے، پھر جب چھپرہ پڑھنے کے لئے گئے تو شرح وقایہ وغیرہ پڑھتے ہوئے نیچے درجہ کے طلبہ کو پڑھانے کے لئے بلا معاوضہ آپ کا تقرر بھی ہوگیا۔

چھپرہ میں تعلیم کے زمانہ میں یہ طے ہوا کہ اب شوال میں کسی آزاد مدرسہ میں داخلہ لیا جائے اور اس کے لئے مدرسہ مفتاح العلوم مئو کا انتخاب ہوا؛ چنانچہ ۱۳۵۹ھ مطابق ۱۹۴۰ء کو اپنے ایک ساتھی کے ساتھ مفتاح العلوم پہنچے، وہاں آپ کی ذہانت کو دیکھتے ہوئے ممتحن صاحب نے خوش ہوکر فرمایا: ''تم اپنے لئے کتابیں خود تجویز کرلو، بڑے صاحب (جو آپ کے ساتھ داخلہ کے لئے گئے تھے) کے لئے میں خود تجویز کردوں گا'' — آپ نے شرح وقایہ ہی کی جماعت اپنے لئے پسند کی، مگر ناظم مدرسہ نے فرمایا کہ شرح وقایہ تو تم پڑھ چکے ہو، ہدایہ کی جماعت میں داخلہ لے لو؛ چنانچہ آپ نے ہدایہ کی جماعت میں داخلہ لے لیا۔

۱۹۴۲ء میں جب ''ہندوستان چھوڑو'' تحریک شروع ہوئی تو آپ نے بھی اس علاقہ میں قائدانہ رول ادا کیا اور آپ کو اس طرح چھپ چھپا کر رہنا پڑا کہ خود آپ کے بقول: ''کس نمی پرسد کہ بھیا کون ہو؟'' کے آپ مصداق بن گئے، مجبوراً چند دنوں کی روپوشگی کے بعد آپ گھر واپس آگئے اور آئندہ سال مدرسہ سے اطلاع آئی کہ آپ ابھی مدرسہ نہ آئیں، اس طرح پورا ایک سال آپ کو روپوشی کی حالت میں گذارنا پڑا؛ البتہ اس دوران آپ مدرسہ حمیدیہ چھپرہ (بہار) اپنے سابق استاذ مولانا عبدالرحمٰن کے پاس چلے گئے اور وہاں عالم اکزامینیشن بورڈ کی تیاری کی اور امتحان میں شریک ہوکر کامیاب بھی ہوئے، پھر مولانا حبیب الرحمٰن اعظمیؒ کا خط آیا کہ ''وارنٹ منسوخ ہوگیا ہے، اب تم مدرسہ آسکتے ہو'' — آپ نے اپنے گھر والوں اور اساتذہ سے مشورہ کیا تو چوں کہ حضرت مولانا حسین احمد مدنی علیہ الرحمہ اس وقت نینی تال جیل میں تھے؛ اس لئے اساتذہ نے دورۂ حدیث کے لئے دیوبند کے بجائے مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی کے پاس جانے کا مشورہ دیا اور آپ مفتاح العلوم مئو چلے گئے اور ۱۱ر شعبان ۱۳۶۳ھ مطابق یکم اگست ۱۹۴۴ء کو سالانہ امتحان دے کر فراغت پائی۔

فراغت کے بعد تدریس میں لگنے کے بجائے آپ کو مزید علمی پختگی اور قلمی تربیت کا خیال ہوا اور اس کے لئے شعبان ہی میں مولانا سید سلیمان ندوی سے رابطہ کیا؛ لیکن آپ کا یہ خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہوسکا اور آپ مدرسہ مفتاح العلوم ہی میں مدرس بنا لئے گئے، ایک سال

آپ نے یہاں تدریس کی خدمت انجام دی، پھر سید صاحب کے مشورہ سے ندوہ میں داخلہ لیا، اس وقت ندوہ میں کل سو طلبہ تھے اور آپ کی جماعت میں آٹھ نو طلبہ، وہاں چوں کہ آپ کو پڑھی ہوئی کتابیں پڑھنی ہوتی تھیں؛ اس لئے آپ کی طبیعت بھی نہیں لگ رہی تھی اور وہاں کے ایک استاذ مولانا محمد اویس ندوی نگرامی نے بھی فرمایا: ''آپ کیوں پڑھنے آگئے؟ حالاں کہ آپ فارغ ہو چکے ہیں، ہمارے یہاں صدر مدرس کی ضرورت ہے، مشکوٰۃ وغیرہ پڑھانی ہوگی، آپ تیار ہوں تو وہاں بھیج دوں'' — اس لئے آپ نے سید صاحب اور مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی کی اجازت سے دو مہینے میں ندوہ چھوڑ دیا اور ۳۰/ اکتوبر ۱۹۴۵ء کو تدریسی خدمات کے لئے نگرام چلے گئے۔

نگرام میں آپ نے دو سال قیام کیا، درمیان میں آپ کے والد صاحب کا بھی انتقال ہو گیا اور اگست ۱۹۴۷ء کی آزادی میں دہلی، پنجاب اور پٹنہ میں مسلمانوں کے خون سے جس طرح ہولی کھیلی گئے، اس کو بیان کرنے کے لئے لوہے کا کلیجہ اور پتھر کا دل چاہئے، ان حالات کی وجہ سے مسلمانوں میں سراسیمگی سی پھیل گئی اور عام طور پر لوگ عدم تحفظ کے احساس کی وجہ سے سفر سے کترانے لگے، چنانچہ آپ بھی جب دسمبر ۱۹۴۷ء میں گھر گئے تو گھر والوں نے نگرام واپس نہیں ہونے دیا اور بہار ہی میں رہنے کا مشورہ دیا، چنانچہ ۳/ ربیع الاول ۱۳۶۷ھ مطابق ۱۶/ جنوری ۱۹۴۸ء کو ضلع مونگیر (بہار) کے ''سانحہ'' گاؤں میں مدرسہ معینیہ میں آپ کا تقرر ہوا، اس وقت وہاں صرف حفظ تک کے بچے تھے، آپ کے جانے کے بعد ہدایۃ النحو اور ہدایہ وغیرہ کے طلبہ آئے اور آپ نے ان طلبہ کو تعلیم دی۔

سانحہ میں لوگ آپ سے بہت مانوس ہو گئے تھے، مگر ایک گروہ کو آپ کی تنخواہ پچاس روپے ہونے پر اعتراض تھا کہ یہ زیادہ ہے، جس کی وجہ سے آپ کے ساتھ کچھ حالات بھی پیش آئے، بالآخر آپ نے اپنے استاذ حضرت اعظمی کے حکم پر سانحہ چھوڑ کر ڈابھیل جانے کا فیصلہ کیا، جہاں آپ کو ایک سو پچاس روپے تنخواہ پر جلالین، مشکوٰۃ، ہدایہ، ابن ماجہ وغیرہ پڑھانے کے لئے بلایا گیا تھا، سانحہ مدرسہ کے سکریٹری آپ کو بہت چاہتے تھے، انھوں نے کہا کہ آپ کو دو ماہ

کی چھٹی دی جاتی ہے، آپ ضرور جائیں؛ تاکہ جن لوگوں کو آپ کے پچاس روپے مشاہرہ ہونے پر اعتراض ہے، ان کو معلوم ہو جائے کہ آپ صرف پچاس نہیں؛ بلکہ ایک سو پچاس روپے کے قابل ہیں؛ چنانچہ آپ یکم محرم ۱۳۶۸ھ کو مدرسہ تعلیم الدین ڈابھیل چلے گئے؛ تاہم وہاں کی آب و ہوا بالکل راس نہیں آئی، یہاں تک کہ ڈاکٹروں نے کہا کہ اگر آپ یہاں رہیں تو ٹی بی ہونے خطرہ ہے؛ چنانچہ آپ چند دنوں قیام کے بعد گھر چلے آئے، گھر آنے کے بعد کچھ دنوں میں آپ کی طبیعت بھی ٹھیک ہوگئی اور سانحہ مدرسہ کی چھٹی کے دو ماہ بھی پورے ہو رہے تھے، اس لئے مدرسہ کے سکریٹری اور مجلس عاملہ کی طرف سے پھر آپ کو سانحہ بلایا گیا اور آپ اپنی صحت کا خیال رکھتے ہوئے سانحہ چلے گئے، وہاں ۵/ ستمبر ۱۹۵۶ء تک رہے اور مدرسہ کی تعمیر و ترقی میں بڑی محنت کی۔

دار العلوم دیوبند میں تقرری کا سبب

۱۳۷۵ھ میں جامعہ رحمانی خانقاہ مونگیر کے نئے کتب خانہ کا افتتاح تھا، سانحہ مدرسہ، جامعہ رحمانی سے قریب تھا؛ اس لئے وہاں کثرت سے آپ کی آمد و رفت رہتی تھی، خاص کر وہاں کی لائبریری سے استفادہ کے لئے آپ برابر جایا کرتے تھے؛ چنانچہ مولانا منت اللہ رحمانیؒ نے اس افتتاحی اجلاس میں آپ کو بھی شریک ہونے کو کہا، آپ نے اس میں کتب خانہ کی ضرورت و اہمیت پر مقالہ پیش کرنے کی خواہش ظاہر کی، مولانا منت اللہ رحمانی تیار ہو گئے؛ چنانچہ آپ نے اس جلسہ میں "کتب خانہ کی ضرورت و اہمیت" کے عنوان سے مقالہ پیش کیا، اجلاس میں حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ اور حضرت قاری محمد طیب صاحبؒ (مہتمم دار العلوم دیوبند) بھی شریک تھے، یہ مقالہ ان بزرگوں کو بہت پسند آیا اور یکم ستمبر ۱۹۵۶ء کو قاری محمد طیب صاحبؒ کی طرف سے دار العلوم دیوبند میں آپ کی تقرری کا خط آیا:

دلِ طیب نے بھی مونگیر کے اجلاس میں پایا
صحافت کا حسین پیکر ظفیر الدین مفتاحی

۵/ ستمبر کو آپ سانحہ سے چلے اور ۹/ ستمبر ۱۹۵۶ء کو دار العلوم دیوبند پہنچ گئے، وہاں مختلف

علمی وفقہی کاموں میں آپ لگے رہے اور مفوضہ کام کو بڑی خوبی کے ساتھ انجام دیا۔

ادھر سانحہ (مدرسہ معینیہ، مونگیر) والے آپ کے لئے بے چین ہوگئے اور کئی بار ذمہ داران دارالعلوم سے درخواست کی کہ مفتی صاحب کو ہمارے یہاں واپس کردیا جائے، حضرت قاری طیب صاحبؒ اس کے لئے تیار نہیں ہوئے، تو ان لوگوں کا اصرار ہوا کہ کچھ دنوں کے لئے ہی آکر صرف مدرسہ سنبھال دیں، پھر دارالعلوم واپس ہوجائیں گے، اس پر قاری طیب صاحبؒ نے رضامندی ظاہری کردی، چنانچہ ۲۲ رشوال ۱۳۷۸ھ تا ۲۱ رمحرم ۱۳۷۹ھ کی چھٹی لے کر آپ سانحہ پہنچ گئے اور وہاں کے نظم ونسق کو درست فرمایا، پھر ۲۲ رمحرم کو دارالعلوم حاضر ہوگئے۔

دارالعلوم کی آغوش میں علمی وفقہی خدمات

دارالعلوم کی آغوش میں آپ نے باضابطہ جو خدمات انجام دیں، ان کو درج ذیل خانوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

۱- شعبۂ تبلیغ وتصنیف:— دارالعلوم دیوبند پہنچنے کے بعد سب سے پہلے آپ کی قلمی صلاحیت سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے جماعت اسلامی کے بعض نظریات کی تردید میں آپ کو لکھنے کا حکم دیا گیا؛ کیوں کہ حضرت مولانا حسین احمد مدنی علیہ الرحمہ کو اس جماعت سے ذہنی بعد تھا، آپ نے تقریباً دو ماہ میں اس کام کو پورا کیا اور "جماعت اسلامی کے دینی رجحانات" کے نام سے ایک کتاب تیار کردی، جس میں جماعتِ اسلامی کے بعض نظریات کی تردید کی گئی تھی۔

۲- ترتیب فتاویٰ:— آپ کا مزاج چوں کہ فقہی اور مثبت انداز میں لکھنے کا تھا، جس کا مہتمم صاحب کے ذہن رسا نے اندازہ کرلیا تھا، اس لئے ۶ رذی قعدہ ۱۳۷۶ھ کو آپ کا تبادلہ دارالافتاء میں مرتب کی حیثیت سے کردیا گیا اور پھر ۲۹ رمحرم ۱۳۷۷ھ سے فتاویٰ نویسی کا کام بھی آپ کے سپرد کیا گیا، آپ استفتاء کے جواب بھی لکھتے تھے اور ترتیب فتاویٰ کا کام بھی انجام دیتے تھے، شروع کے ایک سال میں تو ترتیب کا کام بہت سست رفتاری سے ہوا؛ لیکن

ایک سال بعد جب آپ کو محنتی محرر ملا تو کام میں بڑی تیزی آئی، آپ نے مفتی عزیز الرحمٰن عثمانیؒ کے تمام فتاویٰ کو غور سے پڑھ کر ان پر باب وار، پھر فصل وار عنوانات لگائے، مسائل کے حوالے عبارتوں کے ساتھ نقل کئے اور جو کام گذشتہ پانچ سالوں سے ہو رہا تھا، مگر ایک ورق نہیں چھپ سکا تھا، اس کو آپ نے چار سالوں میں مکمل کر دیا، یہ فتاویٰ اس وقت ۱۲ ضخیم جلدوں میں مکتبہ دار العلوم دیوبند سے چھپا ہے، جس میں پہلی جلد پر ۶۴ صفحات پر مشتمل آپ کا مقدمہ اور ۲۸؍ صفحات کا قاری محمد طیب صاحب کا پیش لفظ ہے۔

۳- کتب خانہ کی ترتیب:— ۱۳۸۲ھ میں جب دفاتر کے جائزہ کے سلسلہ میں شوریٰ میں رپورٹ پیش کی گئی تو اس میں کتب خانہ کی بدحالی کی شکایت سب سے زیادہ تھی؛ چنانچہ شوریٰ کے اکابر نے چاہا کہ کتب خانہ کی ترتیب جدید کی ذمہ داری کسی اچھے، ذی علم، ذی استعداد، مطالعہ سے دلچسپی رکھنے والے اور سلیقہ مند شخص کو دی جائے اور ترتیب فتاویٰ کا کام چوں کہ مفتی صاحب نے بڑے سلیقہ اور تیز رفتاری سے کیا تھا، اس لئے ترتیب کتب خانہ کے لئے بھی سبھوں کی نظر انتخاب آپ ہی پر پڑی اور آپ کا تبادلہ کتب خانہ میں ہو گیا، گو آپ کو یہ تبادلہ بہت شاق گذرا؛ لیکن آپ نے ہمت جٹا کر اس کام کو شروع کیا، آپ کو کتب خانہ کی ترتیب جدید کے لئے مختلف اسفار کی بھی اجازت دی گئی؛ چنانچہ اس سلسلہ میں آپ سب سے پہلے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی گئے اور ایک ہفتہ وہاں قیام کر کے کتب خانہ کا تفصیلی جائزہ لیا اور مختلف لوگوں سے اس سلسلہ میں تبادلۂ خیال بھی کیا، پھر رضا لائبریری رام پور تشریف لے گئے، وہاں کی ترتیب آپ کو بہت پسند آئی، وہاں بھی آپ نے ایک ہفتہ قیام کیا اور ضروری چیزیں نوٹ کیں، پھر خدا بخش لائبریری، پٹنہ کا بھی جائزہ لیا اور واپس آ کر کتب خانہ کی ترتیب کا کام شروع کر دیا، آپ نے پہلے مطبوعہ کتابوں کو زبان وار اور فن وار الگ الگ کیا اور کارڈ سسٹم جاری کیا، پھر مخطوطات کا حصہ الگ کیا اور ان کا دو جلدوں میں تعارف بھی لکھا، جسے بہت پسند کیا گیا، پھر آپ نے اکابر دیوبند کی کتابیں ایک الگ کمرہ میں رکھوائیں، تا کہ تحقیق و ریسرچ کرنے والوں کو آسانی ہو اور ان کتابوں کا تعارف بھی لکھا؛ لیکن وہ تعارف چھپنے سے

پہلے ایک حادثہ میں ضائع ہوگیا، نیز پہلے وہاں بیٹھ کر طلبہ کے پڑھنے اور مطالعہ کرنے کا انتظام نہیں تھا، آپ کی کوششوں سے یہ انتظام ہوا —— اس طرح ترتیب فتاویٰ کے بعد کتب خانہ کی ترتیب کا کام بھی آپ کے ہاتھوں مکمل ہوا، جس سے باذوق اہل علم کی شکایات دور ہوئیں اور لائبریری زیادہ سے زیادہ استفادہ کے لائق بنی، آج بھی یہ کتب خانہ اسی ترتیب پر ہے اور اس کا سارا نظام اسی نہج پر چل رہا ہے۔

کتب خانہ کی ترتیب کا یہ کام اتنا پسند کیا گیا اور اس پہلو سے بھی آپ کی قابلیت کو اتنی شہرت ملی کہ ۱۳۹۵ھ مطابق ۱۹۷۵ء میں جب دارالعلوم ندوۃ العلماء (لکھنؤ) نے پچاسی سالہ جشن کا اعلان کیا تو اجلاس سے قبل وہاں کے مخطوطات کی ترتیب کے لئے آپ ہی کو مدعو کیا گیا؛ چنانچہ حضرت مہتمم صاحب کی اجازت سے آپ وہاں تشریف لے گئے، وہاں مخطوطات کا حال بہت برا تھا، آپ نے بڑی قابلیت سے تین ماہ میں پوری ترتیب کا کام مکمل کردیا اور اوراق پر ایک تعارف بھی لکھ کر مولانا ابوالحسن علی میاں ندویؒ کے حوالہ کیا، جسے بڑی پسندیدگی کی نگاہوں سے دیکھا گیا۔(۱)

۴- خدمت افتاء:—— جس وقت آپ کو دارالافتاء میں ترتیب فتاویٰ کے لئے رکھا گیا تھا، اس کے دو ماہ بعد ہی افتاء کا کام بھی آپ کے سپرد کردیا گیا تھا اور حقیقت میں آپ اسی کام کے لائق بھی تھے؛ کیوں کہ آپ کا مزاج شروع سے فقہی رہا ہے، جس کا اظہار امیر شریعت رابع مولانا منت اللہ رحمانی، مولانا سید سلمان ندوی، مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی، مولانا مناظر احسن گیلانی وغیرہ نے اپنے مختلف خطوط میں کیا ہے؛ لیکن درمیان میں آپ کی متنوع صلاحیتوں سے فائدہ اٹھاتے ہوئے آپ سے مختلف کام لئے گئے، آپ نے افتاء کا کام فراغت کے بعد ہی سے شروع کردیا تھا اور کتب خانہ کی ترتیب کے زمانہ میں بھی افتاء اور ترتیب فتاویٰ کا کام انجام دیتے تھے، جس میں تمام مسائل کے حوالہ کے لئے مختلف کتابوں سے مراجعت کی ضرورت پڑتی تھی اور آپ یہ کام بصد شوق کرتے تھے؛ کیوں کہ یہ کام آپ کے ذوق کے

(۱) دیکھئے: زندگی کا علمی سفر (خود نوشت سوانح حیات)

مطابق بھی تھا اور اس میں مفتی عزیز الرحمٰن جیسی وسیع العلم شخصیت کے فتاویٰ کا مطالعہ کرنے سے خود اپنے علم میں وسعت بھی پیدا ہو رہی تھی اور ہر مسئلہ کا حوالہ درج کرنے کی وجہ سے مطالعہ کا ذوق بھی پورا ہو رہا تھا۔

دار العلوم دیوبند جب نئی انتظامیہ کے ہاتھوں میں آیا تو ۲۸ر صفر ۱۴۰۲ھ میں پھر آپ کا تبادلہ دار الافتاء میں مفتی کی حیثیت سے کر دیا گیا اور آپ اخیر تک اسی عہدے پر باقی رہے، آپ کے فتاویٰ پر لوگ بڑے مطمئن تھے اور بہت اعتماد کرتے تھے۔

دار العلوم دیوبند میں آپ اپنی علمی وفقہی لیاقت کی وجہ سے "آفتابِ فقہ" کہلاتے تھے؛ چنانچہ دار العلوم دیوبند میں جب آپ کی تدریس وافتاء کی خدمت کو پچاس سال مکمل ہوئے تو ۲۰۰۵ء میں دار العلوم میں طلبۂ بہار، اڑیسہ، نیپال وجھارکھنڈ کے متحدہ پلیٹ فارم "بزمِ سجاد" کی ذمہ داری (صدارت) راقم الحروف سے متعلق تھی، اس وقت "بزمِ سجاد" نے مفتی صاحب کی پچاس سالہ خدمت پر ایک "جشن" منانے کا اعلان کیا اور پہلی بار بزمِ سجاد سے وابستہ تمام انجمنوں کے دیواری پرچوں نے اتفاق رائے سے ایک ہی دن ایک ہی وقت اور ایک ہی انداز سے "آفتابِ فقہ نمبر" شائع کیا اور بزمِ سجاد کے صحافتی ترجمان ماہنامہ "البیان" نے آپ کے لئے منظوم خراجِ عقیدت کا نمبر شائع کیا، پھر بڑے پیمانہ پر ایک سیمینار کا پروگرام مرتب کیا گیا؛ لیکن بعض رکاوٹوں کی وجہ سے یہ پروگرام سوچے ہوئے طریقہ پر نہیں کیا جاسکا اور بزمِ سجاد (سجاد لائبریری) کے ہی سالانہ اجلاس میں اس کو ضم کر دیا گیا، اس موقع سے آپ کی پچاس سالہ فقہی خدمات پر مقالے پڑھے گئے اور فریم کی شکل میں راقم الحروف سمیت کئی طلبہ کی طرف سے منظوم خراجِ عقیدت بھی پیش کیا گیا، جس سے طلبہ میں آپ کی محبوبیت اور مقبولیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے — اس پروگرام میں اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) کے کئی نمائندوں نے اور دہلی کے مختلف اداروں سے تعلق رکھنے والے افراد واشخاص نے شرکت کی، آل انڈیا تعلیمی وملی فاؤنڈیشن کے صدر مولانا اسرار الحق قاسمی اور اسلامک فقہ اکیڈمی کے جنرل سکریٹری مولانا خالد سیف اللہ رحمانی نے اپنا تحریری پیغام بھیجا اور مولانا محمد ولی رحمانی نے پروگرام کی صدارت فرمائی۔

دیگر عہدے اور ذمہ داریاں

دارالعلوم میں افتاء کے ساتھ مختلف اوقات میں دوسری ذمہ داریاں بھی آپ سے متعلق رہیں اور مختلف جہات سے آپ نے خدمات انجام دیں، چنانچہ دارالعلوم کا ترجمان ماہنامہ دارالعلوم پہلے اداریہ کے بغیر چھپ رہا تھا، اس لئے ۱۳۸۵ھ میں آپ کو رکن ادارت مقرر کیا گیا اور کافی دنوں (فروری ۱۹۸۲ء) تک آپ نے اداریہ لکھا، جس کو بڑی مقبولیت حاصل ہوئی، ۱۹۹۴ مطابق ۱۹۸۴ء میں ایک نیا شعبہ ''مطالعہ علوم القرآن'' کھلا تو اس کا نگراں آپ ہی کو بنایا گیا، ۱۳۹۶ھ میں بعض فضلاء کو حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی تصنیفات کے مطالعہ پر رکھا گیا، تو اس کی نگرانی بھی آپ ہی کے ذمہ تھی، ان کے علاوہ ۱۳۹۴ھ میں محکمۂ دارالقضاء اور ''الداعی'' کی نگراں کمیٹی میں بھی آپ رکن رہے، نیز ۱۴۰۳ھ میں آپ کو شعبۂ افتاء میں رسم المفتی اور درمختار کا سبق بھی ملا، تین چار سال تک دونوں کتابیں آپ نے پڑھائیں، پھر مشورہ اور آپ کی رضامندی سے رسم المفتی دوسرے صاحب کو دے دی گئی اور درمختار آپ نے اخیر تک پڑھائی، ۲۰۰۸ء میں آپ نے اپنے فرزندوں کے اصرار پر اپنی پیرانہ سالی اور علالت کی وجہ سے دارالعلوم سے علاحدگی اختیار کر لی اور اس وقت اپنے وطن (دربھنگہ) ہی میں رہ رہے ہیں، امارت شرعیہ سمیت کئی اداروں نے آپ کو پیشکش کی، مگر آپ نے گھر میں رہنے کو ہی ترجیح دی۔

دارالعلوم دیوبند کے علاوہ آپ اپنی صلاحیت واستعداد اور علمی حلقوں میں مقبولیت محبوبیت کی وجہ سے کئی اور بھی عہدوں پر فائز رہے؛ چنانچہ ہندوستان کی سب سے بڑی اور تمام مسلمانوں کی متحدہ تنظیم آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی مجلس تاسیسی اور مجلس عاملہ کے رکن ہیں، اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کے صدر عالی قدر ہیں، امارت شرعیہ بہار، اُڑیسہ، جھارکھنڈ کے معزز رکن شوریٰ ہیں اور مختلف دینی درسگاہوں اور ملی اداروں کے سرپرست ہیں، آپ کی سرپرستی میں یہ ادارے بڑی تیز گامی سے اپنا ترقیاتی سفر طے کر رہے ہیں اور آپ کا سایہ ان کے لئے ''سایۂ رحمت'' سے کم نہیں:

گھنے درخت کے سائے کی عمر لمبی ہو
کہ اس کے نیچے مسافر قیام کرتے ہیں

اساتذہ اور تلامذہ

مفتی صاحب کے اساتذہ میں مولانا عبدالرحمٰن (امیر شریعت خامس امارت شرعیہ پٹنہ) محدث جلیل مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی، مجاہد ملت مولانا عبداللطیف نعمانی، مولانا عطا شاہ، مولانا محمد ناظم ندوی، مولانا حمید الدین اور مولانا محمد اسحاق سندیلوی خاص کر قابل ذکر ہیں اور آپ کے تلامذہ میں مولانا سعید الرحمٰن اعظمی (مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ) مولانا محمد ولی رحمانی (سجادہ نشیں خانقاہ رحمانی مونگیر و نائب امیر شریعت امارت شرعیہ پھلواری شریف، پٹنہ) مولانا ریاست علی شیرکوٹی، مولانا محمد رضوان القاسمی (ناظم دارالعلوم سبیل السلام، حیدرآباد)، مولانا شاہین جمالی (میرٹھ) مولانا ابراہیم گجراتی اور مولانا سمیع اللہ وغیرہ کے نام خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔

علمی اور قلمی سرمایہ

آفتاب فقہ حضرت مولانا مفتی محمد ظفیر الدین ایک اچھے مفتی، اچھے مدرس اور اچھے خطیب بھی ہیں؛ لیکن آپ کا اصل مزاج علم و تحقیق اور تصنیف و تالیف کا ہے، آپ نے مختلف موضوعات پر متعدد کتابیں تصنیف فرمائیں، آسان زبان، دلنشیں اُسلوب اور خوبصورت اندازِ تحریر میں آپ مثالی حیثیت رکھتے ہیں، آپ کی تمام تصنیفات بے حد مقبول ہیں اور بعض کتابوں کا ایران وغیرہ میں فارسی ترجمہ بھی ہوا ہے اور بعض کا انگریزی ترجمہ بھی — ذیل میں آپ کی تصنیفات کا مختصر ذکر کیا جاتا ہے :

۱- اسلام کا نظامِ مساجد: — یہ آپ کی پہلی باضابطہ تصنیف ہے، جسے آپ نے مدرسہ معینیہ سانحہ ضلع مونگیر میں مرتب کیا تھا، کتاب کی ترتیب سے قبل مولانا سید سلیمان ندوی، مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی، مفتی اعظم مفتی کفایت اللہ دہلوی اور مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰن

سیوہاروی وغیرہ سے مراسلت بھی کی گئی تھی اور حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ کی نظر ثانی کے بعد اس کی اشاعت ہوئی۔

۲- اسلام کا نظامِ امن۔

۳- اسلام کا نظام عفت و عصمت:— اس کا انگریزی ترجمہ بھی کویت اور دہلی سے شائع ہوا ہے۔

۴- اسلامی نظامِ معیشت۔

۵- اسلام کا نظامِ جرم وسزا۔

۶- دارالعلوم دیوبند — قیام اور پس منظر۔

۷- دارالعلوم ایک عظیم مکتبِ فکر۔

۸- مشاہیر علماء دیوبند:— مذکورہ تینوں رسالے دارالعلوم دیوبند کے اجلاس صد سالہ کے موقع سے مرتب کے گئے تھے۔

۹- امارت شرعیہ — کتاب وسنت کی روشنی میں۔

۱۰- امارت شرعیہ — دینی جدو جہد کا روشن باب۔

۱۱- مصائب سرورِ کونین — اسوۂ حسنہ۔

۱۲- تاریخی حقائق:— یہ کتاب صحابہ اور سلف کے واقعات پر لکھی گئی ہے۔

۱۳- تاریخ مساجد:— یہ کتاب اسلامی تاریخ کی یادگار مسجدوں سے متعلق تصنیف کی گئی ہے۔

۱۴- حیاتِ گیلانی:— معروف اہل قلم مولانا مناظر احسن گیلانی کی مفصل سوانح حیات۔

۱۵- دینی عقائد:— یہ کتاب حضرت قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند کی خواہش پر لکھی گئی تھی، اس میں اہل سنت والجماعت اور علماء دیوبند کے صحیح عقیدے کی ترجمانی کی گئی ہے۔

۱۶- جماعت اسلامی کے دینی رجحانات:— یہ کتاب بھی قاری طیب صاحب کے حکم پر جماعت اسلامی کے بعض نظریات کی تردید میں لکھی گئی۔

۱۷- نظام تربیت۔

۱۸- اسلام کا نظام تعمیر سیرت۔

۱۹- اسلامی حکومت کے نقش ونگار۔

۲۰- تعارف مخطوطات دارالعلوم دیوبند (۲/جلدیں):— یہ کتاب دارالعلوم دیوبند کے کتب خانہ کی ترتیب کے موقع سے وہاں کے مخطوطات کے تعارف پر لکھی گئی تھی۔

۲۱- مسائل حج وعمرہ۔

۲۲- حکیم الاسلام اوران کی مجالس۔

۲۳- تذکرہ مولانا عبداللطیف نعمانی۔

۲۴- تذکرہ مولانا عبدالرشید رانی ساگر۔

۲۵- درسِ قرآن۔

۲۶- اسلام کا نظام حیات۔

۲۷- حضرت نانوتوی — ایک مثالی شخصیت۔

۲۸- ترجمہ درمختار:— ازابتداء تا کتاب الطلاق۔

۲۹- مشاہیر علماء ہند کے مراسلے:— اکابر علماء اور مشہور اصحابِ قلم حضرات سے جو آپ کی مراسلت ہوئی اور وہ علمی مضامین، اپنے عہد کے حالات اور کتابوں سے متعلق تبصروں پر مشتمل تھی، عمومی افادہ کے لئے آپ نے انھیں جمع فرمادیا ہے، جن میں علامہ سید سلیمان ندوی، مولانا مناظر احسن گیلانی، مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی، مولانا عبداللطیف نعمانی، حکیم الاسلام حضرت قاری محمد طیب، مولانا عتیق الرحمٰن عثمانی، مولانا سعید احمد اکبر آبادی، مفتی کفایت اللہ دہلوی، مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی، مولانا یوسف بنوری، مولانا محمد اویس نگرامی، مولانا عبدالماجد دریابادی، مولانا عبدالصمد رحمانی اور امیر شریعت رابع مولانا محمد منت اللہ رحمانی رحمہم اللہ کے خطوط شامل ہیں۔

۳۰-زندگی کا علمی سفر: — یہ آپ کی خودنوشت سوانح حیات ہے، جس کو حضرت الاستاذ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی مدظلہ العالی نے اپنے تفصیلی مقدمہ کے ساتھ المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد سے شائع کیا ہے اور اس مضمون میں سب سے زیادہ اسی کتاب سے استفادہ کیا گیا ہے۔

۳۱-مجموعہ قوانین اسلامی: — امیر شریعت رابع مولانا سید محمد منت اللہ رحمانی کی خواہش پر آپ نے دفعہ وار اسلامی قوانین کی ترتیب کا کام شروع فرمایا اور گو کئی علماء نے اس کام میں حصہ لیا، مگر اس کے ابتدائی مسودہ کی ترتیب کی سعادت آپ ہی کے حصہ میں آئی۔

۳۲-فتاویٰ دارالعلوم دیوبند (۱۲ر جلدیں): — یہ مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی (مفتی اول دارالعلوم دیوبند) کے فتاویٰ کا مجموعہ ہے، جن کو آپ نے بڑی محنت سے ۱۲ر ضخیم جلدوں میں مرتب فرمایا ہے، جن کی آخری جلد کتاب اللقطہ پر ختم ہوتی ہے۔

☆ ☆ ☆

مفتی حبیب الرحمٰن خیرآبادی

مفتی حبیب الرحمٰن ۱۸؍ربیع الثانی ۱۳۵۲ھ مطابق ۱۱؍اگست ۱۹۳۳ء کو خیرآباد ضلع مئوناتھ بھنجن میں پیدا ہوئے، آپ کے والد ماجد کا نام (مولانا) نذیر احمد ہے اور آپ کے وطن کا پورا پتہ اس طرح ہے: مقام خیرآباد، ڈاک خانہ محمد آباد، تحصیل محمد آباد، ضلع مئوناتھ بھنجن (اترپردیش)۔

آپ نے مختلف دینی اداروں اور عصری دانش گاہوں میں تعلیم حاصل کی؛ چنانچہ مدرسہ منبع العلوم خیرآباد، مدرسہ احیاء العلوم مبارک پور (اعظم گڑھ)، دارالعلوم مئو، مظاہر علوم سہارنپور اور دارالمبلغین لکھنؤ میں دینی علوم اور درس نظامی کی تعلیم حاصل کی، پھر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں آپ نے بی اے، ایم اے، وغیرہ کیا۔

دارالعلوم دیوبند میں آپ نے ضابطہ کے ساتھ داخلہ لئے بغیر قیام کیا اور حضرت مولانا حسین احمد مدنی علیہ الرحمہ سے بخاری شریف اور سنن ترمذی پڑھی اور حضرت مولانا معراج الحق صاحب سے دیوان متنبی کے اسباق پڑھے، پھر تدریسی خدمت کے لئے مالیگاؤں (مہاراشٹر) کے مشہور ادارہ ''معہد ملت'' تشریف لے گئے اور وہاں پانچ سال قیام کیا، اس کے بعد ادارہ محمودیہ (قصبہ محمدی ضلع لکھیم پور، یوپی) میں آپ نے دو سال تعلیم دی، پھر جامعہ عربیہ حیات العلوم (مرادآباد) میں ۲۳ رسال تک درس وتدریس کی خدمت انجام دیتے رہے، اس کے بعد دارالعلوم دیوبند میں آپ کی تقرری ہوئی اور یہاں مختلف کتابیں آپ کے زیر درس رہیں۔

مختلف دینی وعصری علوم کے ساتھ آپ کا اصل میدان فقہ وفتاویٰ ہے؛ چنانچہ آپ نے

مدرسہ حیات العلوم مرادآباد میں درس وتدریس کے ساتھ ۲۳ر سال مسلسل افتاء کی بھی خدمت انجام دی اور وہاں کی شرعی پنچایت کے ممبر بھی رہے، وہاں آپ نے بڑی قابلیت کے ساتھ فقہی اور دینی معاملات میں اُمت کی رہنمائی اور طلبہ کی تربیت کا فریضہ انجام دیا، چنانچہ آپ کی اسی لیاقت کو دیکھتے ہوئے دارالعلوم دیوبند جیسے موقر ادارہ میں آپ کا تقرر ہو گیا اور پچیس چھبیس سال سے مسلسل آپ دارالعلوم دیوبند کے دارالافتاء سے وابستہ ہیں، گویا فقہ وفتاویٰ میں آپ کی خدمات کی نصف صدی مکمل ہونے والی ہے، اس وقت آپ دارالعلوم دیوبند ہی میں مقیم ہیں اور وہاں کے دارالافتاء کے ناظم ہیں، نیز افتاء کے طلبہ کی سراجی، رسم المفتی اور درمختار کا درس بھی آپ سے متعلق ہے۔

تعلیم وتدریس اور فقہ وفتاویٰ کی باضابطہ مشغولیت کے باوجود مختلف موضوعات پر آپ کی تالیفات بھی لوگوں سے داد تحسین وصول کر چکی ہیں، چنانچہ آپ نے فقہ کے موضوع پر رمضان اور اس کے روزے، مسائل سجدہ سہو، مسائل امامت، مسائل اذان، مسائل سود، مسائل قربانی وغیرہ کتابیں تصنیف فرمائی ہیں اور سیرت، سوانح اور مواعظ میں مثالی سیرت، سیرت حمزہ، تذکرۃ المصنفین، علم، محبت الٰہی، محبت رسول، ایمان ویقین، نماز کی اہمیت، زکوٰۃ کی اہمیت، شب براءت اور قرآن اور اس کے حقوق جیسی کتابیں تالیف فرمائی ہیں، ان کے علاوہ شرح مفید الطالبین (اُردو) اور حدیث المسک الشذی علی جامع الترمذی کے نام سے حاشیہ بھی آپ نے لکھا ہے، نیز دو کتابیں حاشیہ فتاویٰ رشیدیہ (مع حوالہ جات عربی عبارات) اور الفتاویٰ الجدیدہ غیر مطبوعہ ہیں، ان کے علاوہ آپ کے ہزاروں فتاویٰ ہیں جن کی ترتیب ابھی باقی ہے۔

آپ نے جن بزرگوں سے کسب فیض کیا ہے ان میں حضرت مولانا حسین احمد مدنی اور مولانا معراج الحق کے علاوہ مولانا شبیر احمد مبارکپوری، مولانا حیات صاحب سنبھلی، مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی، مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی اور مولانا اسعد اللہ صاحب ناظم مظاہر علوم سہارنپور کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

آپ کے تلامذہ کی ایک لمبی فہرست ہے، تاہم ان میں سے ممتاز اور قابل ذکر تلامذہ میں قاضی عبد الاحد ازہری (مالیگاؤں) مولانا محمد حنیف ملی مرحوم، مولانا ابو اللیث (استاذ حدیث ملیشیاء یونیورسٹی) مولانا خورشید انور گیاوی و مفتی راشد صاحب اعظمی (استاذ دار العلوم دیوبند) مفتی شبیر احمد و مفتی محمد سلمان صاحب (مفتی مدرسہ شاہی مراد آباد) مفتی ارشد صاحب مظفر نگری، مفتی جنید عالم و مفتی نسیم احمد مرحوم (امارت شرعیہ، بہار) قاری عبد الستار صاحب (دربھنگہ) اور قاری غلام رسول اورنگ آبادی کے نام خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔

☆ ☆ ☆

مولانا خورشید عالم قاسمی

مولانا خورشید عالم ذی قعدہ ۱۳۵۳ھ، ۹/اپریل ۱۹۳۶ء میں ضلع سہارنپور کے مشہور قصبہ دیوبند میں پیدا ہوئے اور اس وقت دیوبند ہی کے محلہ "بڑے بھائیان" میں مقیم ہیں، آپ کے والد محترم مولانا ظہور احمد صاحب دارالعلوم دیوبند کے استاذ حدیث رہ چکے ہیں۔

ابتدائی تعلیم آپ نے اپنے رشتہ کی دادی امۃ الحنان صاحبہ سے حاصل کی، اس وقت آپ کی عمر پانچ سال کی تھی، حفظ آپ نے قاری محمد کامل صاحب کے پاس مکمل کیا اور دور اپنے نانا حافظ ناظم علی صاحب کے پاس کیا، پھر فارسی، ریاضی وغیرہ کی تعلیم دارالعلوم دیوبند میں حاصل کی، ۱۳۷۰ھ میں آپ نے عربی تعلیم کا آغاز کیا اور ۱۳۷۶ھ مطابق ۱۹۵۶ء میں آپ دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہوئے۔

۱۳۸۳ھ کے اواخر میں تدریس کے لئے دارالعلوم دیوبند میں آپ کا عارضی تقرر ہوا، پھر اگلے تعلیمی سال میں آپ کا استقلال ہوگیا، دارالعلوم کے قضیۂ نامرضیہ کے بعد آپ قدیم انتظامیہ کے ساتھ رہے اور ۱۴۰۲ھ سے ۱۴۱۲ھ تک آپ نے دارالعلوم وقف کی نظامت بھی سنبھالی، اس کے علاوہ آپ مختلف اوقات میں دارالافتاء کے ناظم اعلیٰ، شعبۂ تعلیمات کے نائب ناظم، اہتمام کمیٹی کے رکن، دارالقضاء کمیٹی کے رکن اور کئی شعبہ جات کے نگراں بھی رہے۔

دارالعلوم کی طویل تدریسی زندگی میں جملہ فنون کی اہم کتابوں کے اسباق آپ سے متعلق رہے، نیز ۱۳۷۷ھ سے تاہنوز احادیث کی مختلف کتابیں پڑھانے کا شرف ملا اور تقریباً پندرہ بیس سال سے صحیح بخاری کا سبق بھی آپ سے متعلق ہے۔

آپ کے اساتذہ میں مولانا ظہور احمد کے علاوہ شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی،

حضرت مولانا اعزاز علی امروہوی اور علامہ ابراہیم بلیاوی رحمہم اللہ خاص کر قابل ذکر ہیں اور آپ کی تدریس سے جن لوگوں نے استفادہ کیا ان میں مولانا فضیل احمد (سابق ناظم مرکزی جمعیۃ علماء ہند)، مولانا عتیق احمد بستوی (استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ)، مفتی ابوالقاسم بناری (رکن مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند)، مولانا عبدالخالق سنبھلی (نائب مہتمم دارالعلوم دیوبند)، مولانا مجیب اللہ گونڈوی (ناظم مجلس تعلیمی دارالعلوم دیوبند) اور مولانا شکیل احمد سیتاپوری (سابق استاذ دارالعلوم دیوبند) خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں۔

درسِ نظامی کے جملہ فنون سے لگاؤ کے ساتھ حدیث اور فقہ سے آپ کا خاص تعلق رہا ہے؛ چنانچہ آپ دارالعلوم وقف کے شیخ الحدیث ہونے کے ساتھ ساتھ وہاں کے صدر مفتی بھی ہیں اور آپ نے ہدایہ سمیت مختلف فقہی کتابوں کی تدریس کے علاوہ متعدد اہم فتاویٰ بھی لکھے ہیں، نیز ''فتاویٰ عبدالحیٔ'' کا آپ نے اُردو ترجمہ بھی کیا ہے۔

☆ ☆ ☆

مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی

آپ کا نام فضیل الرحمٰن اور عرفیت ''ہلال'' ہے، آپ کا تعلق دیوبند کے عثمانی خاندان سے ہے اور آپ کے والد ماجد کا نام قاری جلیل الرحمٰن (۱۹۰۷ء-۱۹۹۵ء) ہے، ہندوستان کے مفتی اعظم اور دارالعلوم دیوبند کے مفتی اول مفتی عزیز الرحمٰن آپ کے دادا اور مولانا فضل الرحمٰن آپ کے پردادا تھے، جن کا شمار دارالعلوم دیوبند کے بانیوں میں ہوتا ہے، آپ کا نام اپنے پرداد کے نام کی تصغیر کے ساتھ ''فضیل'' رکھا گیا، آپ کی ولادت ۱۹ر شعبان ۱۳۵۶ھ مطابق ۲۵ر اکتوبر ۱۹۳۷ء پیر کے دن دیوبند میں ہوئی۔

آپ نے ابتدا ہی سے دارالعلوم دیوبند میں تعلیم حاصل کی اور ۱۳۷۶ھ مطابق ۱۹۵۶ء میں آپ دورۂ حدیث سے فارغ ہوئے، اس کے بعد ۱۳۷۷ھ میں دارالعلوم ہی کے شعبۂ عربی ادب میں رہے اور ۱۳۷۸ھ میں آپ نے وہیں سے افتاء کیا، ۱۹۶۲ء میں آپ نے الجامعۃ الاسلامیہ، مدینہ منورہ (مدینہ اسلامی یونیورسٹی) میں داخلہ لیا، پھر ۱۹۶۵ء میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے انگریزی زبان میں ہائی اسکول کی تعلیم حاصل کی۔

افتاء سے فراغت کے بعد آپ نے ایک سال دارالعلوم دیوبند ہی کے دارالافتاء میں خدمت انجام دی، اس دوران آپ نے ''مسح علی الرقبۃ'' (گردن پر مسح) پر تحقیقی مقالہ مرتب فرمایا اور فتاویٰ دارالعلوم دیوبند کی ترتیب میں بھی کام کیا، ۱۳۸۰ھ میں دارالعلوم میں مدرس کی حیثیت سے آپ کا تقرر ہوا، ۱۳۹۲ھ تک آپ دارالعلوم میں مدرس رہے، پھر ۶ر ذی الحجہ ۱۳۹۲ھ مطابق ۱۲ر جنوری ۱۹۷۳ء کو آپ نے دارالافتاء مالیر کوٹلہ پنجاب میں مفتی کی حیثیت سے کام شروع کیا اور یہ سلسلہ ۱۴ر جمادی الاخریٰ ۱۴۲۵ھ مطابق ۳۱ر جولائی ۲۰۰۴ء تک چلا،

اس وقت آپ "دارالسلام اسلامی مرکز" مالیر کوٹلہ کے سرپرست کی حیثیت سے خدمت انجام دے رہے ہیں، جس کو آپ نے ۱۹۸۶ء میں قائم فرمایا تھا۔

آپ نے تفسیر، حدیث، فقہ، عقائد، تاریخ، سیرت، سوانح، مواعظ، تصوف، صرف، نحو اور ادب وغیرہ پر درجنوں کتابیں لکھی ہیں اور مختلف زبانوں میں ان کے ترجمے بھی ہوئے ہیں، آپ کی تصنیفات کی مجموعی تعداد ساٹھ سے ستر کے درمیان ہے اور مختلف مقالات و مضامین ان کے علاوہ ہیں، آپ کی تصنیفات میں تفسیر روح القرآن، تفہیم المسلم (شرح مسلم ۳؍جلدیں) ترجمہ مشکوٰۃ (۳؍جلدیں) اسلامی قانون، قوانین الارث فی الاسلام، رمضان کے روزے، معمار انسانیت، تاریخی حقائق، درس اسلام، تذکرہ امام مسلم، فقیہ اعظم مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی، اسلامی عقیدے، اسلام اسلامی فکر اور مسلک دیوبند، تحریک قادیانیت — ایک فتنہ ایک سازش، نماز جمعہ نظام دین میں، تعلیل الصرف، معلم النحو، المطالعۃ العزیزہ اور النشاط الأدبی، وغیرہ کتابیں خاص کر قابل ذکر ہیں۔

آپ کی شخصیت ہمہ جہت ہے اور علماء اور عوام میں آپ کو بڑی مقبولیت ہے، آپ کی اسی قابلیت اور مقبولیت کی وجہ سے کئی اداروں نے آپ سے استفادہ کیا اور کر رہے ہیں؛ چنانچہ جن اداروں کی ذمہ داریاں اور عہدے آپ سے متعلق رہے، یا ہیں وہ درج ذیل ہیں:

- بانی و ڈائریکٹر دارالسلام اسلامی مرکز مالیر کوٹلہ پنجاب (از ۱۹۸۶ء تا حال)۔
- شیخ الجامعہ دارالسلام مالیر کوٹلہ (از ۱۹۸۸ء تا حال)۔
- بانی مدرسہ تعمیر سیرت، مالیر کوٹلہ (سن قیام: ۱۹۷۳ء)۔
- بانی رکن و رکن مجلس عاملہ آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ و کنوینر اصلاح معاشرہ کمیٹی پنجاب۔
- بانی رکن و رکن مجلس عاملہ آل انڈیا ملی کونسل۔
- ممبر لوک عدالت، مالیر کوٹلہ۔
- ممبر کورٹ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی۔
- رکن مجلس عاملہ آل انڈیا مسلم مجلس مشاورت۔

- رکن عاملہ تنظیم ابنائے قدیم دار العلوم دیوبند (نئی دہلی)۔
- سابق ممبر سینٹ پنجابی یونیورسٹی، پٹیالہ۔
- سابق ممبر آل انڈیا دینی تعلیمی کونسل۔
- سابق ممبر شکایتی وترقیاتی کمیٹی۔
- سابق ممبر ایڈوائزری بورڈ پنجاب اسٹیٹ بھاشاوبھاگ (شعبۂ لسانیات)
- سرپرست آل انڈیا ملی کونسل پنجاب۔
- سابق ایڈیٹر ہفت روزہ عقائد دیوبند۔
- سابق ایڈیٹر ماہنامہ مشرب دیوبند۔
- سابق سرپرست ماہنامہ تعمیر سیرت مالیرکوٹلہ۔
- سرپرست ماہنامہ دار السلام مالیرکوٹلہ۔

آپ نے جن اکابر سے تعلیم وتربیت حاصل کی ان میں شیخ الادب مولانا اعزاز علی، علامہ ابراہیم بلیاوی، مولانا فخر الحسن مرادآبادی، مولانا سید حسن، مفتی مہدی حسن شاہجہاں پوری (اساتذہ دار العلوم دیوبند) شیخ عبد المنعم النمر وشیخ عبد العال العقباوی (اساتذہ ازہر یونیورسٹی مصر)، شیخ عبد العزیز بن عبد اللہ بن باز (مفتی اعظم سعودی عربیہ)، شیخ امین الشنقیطی، شیخ ناصر الدین البانی اور شیخ محمد سالم العطیہ (اساتذہ مدینہ یونیورسٹی) کے نام نامی خاص طور سے قابل ذکر ہیں، اسی طرح آپ کی تربیت میں مولانا بدر عالم میرٹھی، علامہ انور شاہ کشمیری، حضرت قاری محمد طیب، مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی اور آپ کے والد گرامی قاری جلیل الرحمٰن عثمانی کا خاص حصہ رہا ہے اور جن لوگوں نے آپ سے کسب فیض کیا ان میں مولانا فضیل احمد قاسمی مرحوم (سابق ناظم مرکزی جمعیۃ علماء ہند) اور مولانا عدنان قاسمی کے نام خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔

☆ ☆ ☆

مولانا محمد برہان الدین سنبھلی

مولانا محمد برہان الدین کی ولادت ۴ر ذی الحجہ ۱۳۵۶ھ مطابق ۵ر فروری ۱۹۳۸ء کو ہوئی، آپ کے والد ماجد مولانا قاری حمید الدین، علامہ انور شاہ کشمیری کے تلامذہ میں تھے، فن تجوید وقراءت کے ماہر تھے اور دار العلوم دیوبند کے ممتاز فضلاء میں ان کا شمار ہوتا تھا، آپ ہندوستان کے مشہور اور مردم خیز قصبہ سنبھل ضلع مراد آباد کے رہنے والے ہیں۔

حفظ قرآن اور عربی کی ابتدائی تعلیم سے متوسطات تک کی تعلیم اپنے والد ماجد اور سنبھل کے بعض مدارس میں حاصل کی، ۱۹۵۷ء میں دار العلوم دیوبند سے امتیاز کے ساتھ فارغ ہوئے، دار العلوم دیوبند میں حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ، مولانا فخر الدین احمد، علامہ ابراہیم بلیاوی، قاری محمد طیب صاحب، مولانا سید فخر الدین، مولانا معراج الحق وغیرہ سے آپ کو شرف تلمذ حاصل ہوا۔

تعلیم سے فارغ ہوکر آپ نے دہلی کے مشہور اور قدیم مدرسہ عالیہ عربیہ فتح پوری میں تدریسی خدمت انجام دی اور بارہ تیرہ سال وہاں رہ کر درس نظامی کی تقریباً تمام چھوٹی بڑی کتابوں کا آپ نے درس دیا، پھر ۱۳۹۰ھ مطابق ۱۹۷۰ء میں مولانا سید ابو الحسن علی ندویؒ کی جو ہر شناس نظروں نے دار العلوم ندوۃ العلماء جیسی مؤقر درسگاہ کے لئے آپ کا انتخاب کیا اور آپ حضرت کی دعوت پر ندوہ تشریف لے گئے، وہاں تفسیر وحدیث اور فقہ کی اونچی کتابوں کے اسباق آپ سے متعلق کیے گئے۔

مختلف علوم وفنون میں مہارت کے ساتھ "فقہ" آپ کا خاص موضوع اور خصوصی توجہ کا مرکز رہا ہے؛ چنانچہ آپ کے دہلی قیام کے زمانہ میں "مسلم پرسنل لا" کے عنوان سے مشہور دانشور اور فاضل، علی اصغر فیضی نے انگریزی زبان میں ایک مضمون لکھا تھا، جس کا اردو ترجمہ

''اسلام اور عصر جدید'' کے نام سے دہلی میں شائع ہوا، تو مولانا محمد برہان الدین نے اس کا بھرپور علمی محاسبہ کیا اور اسے ماہنامہ ''الفرقان'' لکھنؤ میں شائع کیا، اس مقالہ سے آپ کے علمی جوہر کھلے اور لوگوں کو آپ کی علمی پختگی، قلم کی متانت وسنجیدگی، استدلال کی طاقت وقوت اور فقہ میں آپ کی لیاقت وبصیرت کا اندازہ ہوا۔(۱)

فقہ میں آپ کے اسی امتیاز کی بناپر دارالعلوم ندوۃ العلماء سے آپ کی تدریسی وابستگی کے بعد ''مجلس تحقیقات شرعیہ'' کی ذمہ داری بھی آپ ہی کے سپرد کردی گئی، جس کا مقصد عصر حاضر کے مسائل کو حل کرنا ہے، نیز ماضی قریب میں فقہ اسلامی کی ممتاز شخصیت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ نے جب نئے مسائل کے اجتماعی حل کے لئے ایک ادارہ تشکیل دینے کا ارادہ کیا اور ''مرکز البحث العلمی'' کے ابتدائی خاکہ پر مشورہ کیا تو اس مرکز کے لئے جن فقہی شخصیات کو نامزد کیا گیا ان میں آپ کا نام نامی بھی شامل تھا، پھر جب اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کی بنیاد پڑی تو اس کے بھی آپ ہمیشہ سے فعال وسرگرم رکن رہے، اس وقت آپ اس اکیڈمی کے صدور میں شامل ہیں۔

آپ کی فقہی آراء میں غایت درجہ حزم واحتیاط اور صلابت واستقامت رہتی ہے، جس کی وجہ سے آپ کی آراء کو اعتماد واعتبار کی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے؛ چنانچہ حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی مدظلہ العالی آپ کے بارے میں لکھتے ہیں :

> موجودہ دور میں برصغیر کے جن علماء کو اس باب میں امتیازی حیثیت حاصل ہے اور جن کی آراء پر ان کے تفقہ، علمی دیانت، حزم و احتیاط اور جس بات کو درست سمجھتے ہوں ، اس پر استقامت کی وجہ سے اعتماد کیا جاتا ہے، ان میں ایک نہایت اہم اور ممتاز شخصیت مخدومی حضرت مولانا محمد برہان الدین سنبھلی دامت برکاتہم کی ہے۔(۲)

(۱) دیکھئے: معاشرتی مسائل — دین فطرت کی روشنی میں: ۲۸، مقدمہ از: مولانا ابوالحسن علی ندوی۔

(۲) پیش لفظ ''چند اہم کتب تفسیر اور قرآن مجید کے ترجمے'': ۸، مصنفہ: مولانا برہان الدین سنبھلی۔

مجلس تحقیقات شرعیہ (لکھنؤ) اور اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) کے علاوہ اور بھی کئی فقہی وغیر فقہی اداروں کی مختلف ذمہ داریاں آپ سے متعلق ہیں، چنانچہ مرکزی دارالقضاء اتر پردیش کی قاضی کونسل کے آپ صدر ہیں، ادارۃ المباحث الفقہیہ (جمعیۃ علماء ہند) کے اہم رکن ہیں، دارالعلوم دیوبند کی نصاب کمیٹی کے رکن، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے شعبۂ دینیات کے رکن، مسلم پرسنل لا بورڈ کی ورکنگ کمیٹی اور تاسیسی رکن، دینی تعلیمی کونسل اتر پردیش، جامعہ قاسمیہ شاہی مراد آباد، دارالعلوم تاج المساجد بھوپال، اسلامی کیلنڈر ملیشیا بورڈ اور اسلامی انسائیکلو پیڈیا، ملیالم کے معزز رکن ہیں۔

فقہ کے موضوع پر مولانا کی قلمی خدمات بھی نہایت قابل قدر ہیں، چنانچہ آپ نے سینکڑوں علمی اور تحقیقی مقالات لکھے اور ایک درجن سے زیادہ کتابیں تصنیف فرمائیں، جن میں سے بیشتر مقالات اور کتابیں فقہی اور مسائل حاضرہ کے شرعی حل کے موضوع پر ہیں، آپ کی تصنیفات درج ذیل ہیں:

۱- قضایا فقہیۃ معاصرۃ: — یہ کتاب عربی زبان میں ہے اور مصر کی مشہور یونیورسٹی جامعہ ازہر (فرع شام) میں دراسات علیا (اعلیٰ درجات) کے نصاب میں داخل ہے، نیز ترکی کے مدارس میں بھی یہ کتاب شامل نصاب ہے۔

۲- یونیفارم سول کوڈ اور عورت کے حقوق۔

۳- معاشرتی مسائل — دین فطرت کی روشنی میں: — شریعت کے عائلی مسائل سے متعلق جو غلط فہمیاں اپنوں اور غیروں میں پائی جاتی ہیں، ان کے ازالہ کے لئے یہ کتاب لکھی گئی ہے اور اسے اپنی نوعیت کے اعتبار سے شرف تقدم بھی حاصل ہے، اس میں نکاح کی اہمیت وحکمت، تعدد ازدواج، شریعت کا قانون طلاق اور اسلام کا نظام وراثت جیسے اہم عناوین پر قرآن وسنت اور عقل وحکمت کے پہلو سے مفصل گفتگو کی گئی ہے۔

۴- رویت ہلال کا مسئلہ۔

۵- چند اہم دینی مباحث۔

۶- گلدستۂ علم ونظر۔

۷- جدید طبی مسائل۔

۸- موجودہ زمانہ کے مسائل کا شرعی حل۔

۹- جہیز۔

ان کے علاوہ آپ کے متعدد رسائل بھی ہیں، جن کو عوام وخواص میں بڑی مقبولیت حاصل ہوئی، مثلاً :

۱۰- اصلاح معاشرہ۔

۱۱- نفقۂ مطلقہ۔

۱۲- موجودہ دور میں کار نبوت انجام دینے والے۔

۱۳- مسلمانوں کی پریشانیوں کے حقیقی اسباب اور علاج۔

۱۴- بینک انشورنس اور سرکاری قرضے۔

۱۵- دو آب دار موتی۔

۱۶- چند اہم کتب تفسیر اور قرآن مجید کے ترجمے :— یہ رسالہ دراصل ان خطبات کا مجموعہ ہے، جو المعہد العالی الاسلامی حیدر آباد کی دعوت پر علماء اور اصحابِ دانش کے سامنے دیئے گئے، اس میں تفسیر ابن کثیر، تفسیر مفاتیح الغیب، الجامع لاحکام القرآن اور تفسیر الکشاف کا اور حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی، شاہ رفیع الدین، شاہ عبدالقادر اور مولانا اشرف علی تھانوی کے اُردو ترجمہ کا، نیز مولانا ابوالکلام آزاد کی تفسیر سورۂ یوسف کا تعارف کرایا گیا ہے، یہ رسالہ (۱۰۴) صفحات پر مشتمل ہے۔

☆ ☆ ☆

مولانا زبیر احمد قاسمی

سن ولادت اور ابتدائی تعلیم

مولانا زبیر احمد قاسمی ۱۳۵۹ھ میں موضع چندرسین پور، مدھوبنی (بہار) میں پیدا ہوئے، آپ کے والد ماجد کا نام عبد الشکور ہے اور آپ کے وطن کا پورا پتہ اس طرح ہے: موضع چندرسین پور، پوسٹ حسین پور، وایہ رہیکا، ضلع مدھوبنی، بہار۔

آپ نے قرآن شریف ناظرہ اور اُردو وغیرہ کی تعلیم اپنے گاؤں ہی کے مکتب میں حاصل کی، اس کے بعد اپنے پڑوسی ضلع دربھنگہ کے مشہور ادارہ مدرسہ بشارت العلوم (کھرایاں پتھرا) میں داخلہ لیا اور فارسی اور عربی کی تعلیم ہدایہ اولین تک وہیں رہ کر مولانا سعید احمد صاحب سے حاصل کی، مولانا سعید احمد آپ ہی کے گاؤں ''چندرسین پور'' کے رہنے والے اور آپ کے رشتہ کے چچا تھے، درس نظامی میں داخل تمام فنون میں انھیں یکساں مہارت تھی اور انداز درس بھی بہت نرالا اور مخاطب کو مطمئن اور سیر کردینے والا تھا، چنانچہ آپ نے مدرسہ بشارت العلوم کی زندگی میں تمام کتابیں انھیں سے پڑھیں اور اس طویل مدت میں آپ کی لوحِ ہستی پر اپنے استاذ محترم کے اوصاف کے ایسے گہرے اور انمٹ نقوش ثبت ہوگئے، جو آج بھی آپ کی زندگی میں نمایاں اور محسوس و مشاہد ہیں۔

دارالعلوم دیوبند میں داخلہ اور فراغت

مدرسہ بشارت العلوم کے بعد آپ نے ۱۳۷۷ھ میں دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور دو سال بعد ۱۳۷۹ھ میں آپ کی فراغت ہوئی، آپ کو وہاں مولانا فخر الدین، علامہ ابراہیم، مولانا فخر الحسن، مولانا بشیر احمد خاں، مولانا ظہور احمد، مولانا سید حسن، مولانا عبد الجلیل اور قاری

محمد طیب صاحب (مہتمم دار العلوم دیوبند) رحمہم اللہ جیسے جبال العلم اور خاص کر علوم حدیث میں قبلہ وکعبہ سمجھے جانے والے حضرات سے دورۂ حدیث کی کتابیں پڑھنے کا شرف ملا۔

تدریس وافتاء کی خدمت

آپ کی تعلیمی اور تدریسی زندگی میں بڑا فرق ہے، آپ کی تعلیمی زندگی جتنی ''ساکن'' ہے تدریسی زندگی اتنی ہی ''متحرک'' اور اس کی وجہ '' آپ کا خاص مزاج'' ہے، عموماً لوگ حق کو ''حق'' اور غلط کو ''غلط'' کہنے سے کتراتے ہیں اور اپنی معمولی مصلحت کی وجہ سے ''دستور زباں بندی'' کے پابند ہوتے ہیں اور دل ''داغ دار'' کئے گھٹن کی زندگی گذارتے رہتے ہیں، یا پھر ''بے جا دخل اندازی'' کی روش اپناتے ہیں اور ''بدمزگی'' کی صورت پیدا کر کے ہمیشہ ''آگ اور پانی'' کی صورت اختیار کر لیتے ہیں؛ لیکن مولانا کا مزاج اس سے الگ ہے، حق بات کو سلیقہ سے پیش کر دینا، بدمزگی سے پہلے علاحدگی اختیار کر لینا اور وسعت ظرفی کے ساتھ تعلقات کو برقرار رکھنا آپ کا ''خاص مزاج'' ہے، جو مداہنت ''بنام مصلحت'' سے ہزار درجہ بہتر اور اس منافقت وناقدری کے زمانہ میں بسا غنیمت ہے۔

آپ کے اسی مزاج کا کرشمہ ہے کہ آپ نے مختلف اوقات میں مختلف اداروں میں تدریسی خدمت انجام دی، پھر علاحدہ ہوئے اور پھر سابقہ اداروں میں لوٹ آئے اور آپ کے تعلقات میں کوئی کمی نہیں آئی، چنانچہ فراغت کے بعد شوال ۱۳۷۹ھ میں سب سے پہلے آپ اپنی مادر علمی مدرسہ بشارت العلوم میں تدریس سے وابستہ ہوئے؛ لیکن ناخوشگوار حالات پیدا ہونے لگے تو ۱۵ ربیع الاول ۱۳۸۰ھ کو یہاں سے مستعفی ہو گئے، پھر مدرسہ اسلامیہ مغلا کھار (نوادہ، گیا) آپ کو بلا لیا گیا اور آپ وہاں چلے گئے، مگر یہ مدرسہ بالکل ابتدائی تھا، اس لئے آپ جب رمضان کی چھٹی میں گھر آئے تو وہاں واپس نہیں گئے، پھر اپنے استاذ مولانا سعید احمد کے اصرار پر دوبارہ مدرسہ بشارت العلوم تشریف لائے اور مسلسل چھ سال تک یہاں تدریس کی خدمت انجام دیتے رہے، پھر جمادی الاخریٰ ۱۳۸۷ھ میں آپ نے بشارت العلوم سے علاحدگی اختیار کر لی، اسی موقع سے حضرت مولانا طیب صاحب (بہار) کا دعوت نامہ آپ کے

پاس پہنچا، جس میں مدرسہ اشرف العلوم کہواں (سیتا مڑھی بہار) کی صدارت تدریس کی پیشکش کی گئی تھی، چنانچہ ۱۳؍شعبان ۱۳۸۷ھ کو آپ اولاً ناظم امتحان بن کر تشریف لئے گئے، پھر وہاں کی صدارت تدریس کے عہدے پر فائز ہوئے اور دس سال تک آپ نے وہاں خدمت انجام دی، آپ کے زمانہ میں مدرسہ میں ہر طرح کی ترقی ہوئی اور آپ کی شایانِ شان وہاں آپ کی قدر بھی ہوئی، چنانچہ خود آپ کے الفاظ ہیں :

> بحمد اللہ مدرسہ ہر اعتبار سے مناسب رہا، لوگ قدرداں ثابت ہوئے اور اس طرح مسلسل دس سال تک اشرف العلوم کی صدارت تدریس کے عہدے پر فائز رہا، اللہ کے فضل سے اس دس سالہ دور میں میری حقیر خدمت اور محنتوں کے طفیل مدرسہ میں تقریباً ہمہ جہتی ترقی ہوئی۔

مدرسہ اشرف العلوم میں دس سال خدمت انجام دینے کے بعد بعض حالات کی وجہ سے عید الاضحیٰ کی تعطیل میں آپ گھر تشریف لائے تو پھر مدرسہ واپس نہیں گئے اور کہہ دیا کہ "اب میں اشرف العلوم کی خدمت سے اپنے کو مجبور پاتا ہوں" اس کے بعد امیر شریعت رابع مولانا سید محمد منت اللہ رحمانی کی دعوت پر آپ یکم محرم الحرام ۱۳۹۸ھ کو جامعہ رحمانی مونگیر تشریف لے گئے اور نو سال جامعہ کی تعلیمی و روحانی ماحول میں آپ کا وقت بہت اچھی طرح گذرا، پھر وہاں بھی کچھ ایسے حالات پیش آئے جن کی وجہ سے وہاں رہنے میں آپ کو دشواری ہونے لگی اور خود آپ کے الفاظ میں: "نہ چاہتے ہوئے بھی جامعہ رحمانی سے غائب ہونا پڑا" چنانچہ ۱۰؍شوال ۱۴۰۶ھ کو آپ غیر معینہ مدت تک کی رخصت کی درخواست دے کر ۱۶؍شوال کو جامعہ عربیہ مفتاح العلوم مئو ناتھ بھنجن چلے گئے، جہاں آپ کو شیخ الحدیث کی حیثیت سے بلایا گیا تھا، وہاں آپ کا پرتپاک استقبال ہوا، تاہم صحیح بخاری کا سبق آپ کی رائے سے ایک سال کے لئے سابق شیخ الحدیث صاحب ہی سے متعلق رہا، آپ نے وہاں چند ماہ قیام فرمایا؛ لیکن وہاں کی آب و ہوا آپ کو راس نہیں آئی؛ اس لئے گھر تشریف لے گئے اور ۵؍شوال ۱۴۰۷ھ کو وہاں

کے ذمہ داروں کے نام استعفیٰ نامہ روانہ کردیا۔

ادھر کئی سالوں سے دارالعلوم سبیل السلام (حیدرآباد) کے ناظم مولانا محمد رضوان القاسمی اور صدر مدرس مولانا خالد سیف اللہ رحمانی کے برابر خطوط آرہے تھے اور یہ حضرات تقاضا فرما رہے تھے کہ آپ سبیل السلام میں شیخ الحدیث کی حیثیت سے تشریف لائیں اور جامعہ رحمانی مونگیر سے بھی وہاں آنے کا تقاضا ہو رہا تھا، آپ نے اس وقت حیدرآباد کو ترجیح دی اور ۱۵؍شوال ۱۴۰۷ھ کو آپ حیدرآباد پہنچ گئے؛ لیکن سبیل السلام میں اس وقت مشکوٰۃ (عربی ہفتم) تک ہی تعلیم تھی اور حالات سے آپ کو اندازہ ہوا کہ سال دو سال میں دورۂ حدیث کا آغاز مشکل ہے، اس لئے آپ عیدالاضحیٰ کی تعطیل تک ہی یہاں رہ سکے، عیدالاضحیٰ میں جب آپ وطن لوٹ رہے تھے تو مونگیر بھی جانا ہوا، اور امیر شریعت مولانا محمد منت اللہ رحمانیؒ کی خدمت میں حاضری ہوئی، حضرت امیر شریعت نے پھر آپ کو مونگیر آنے کی دعوت دی، مگر آپ نے اثبات یا نفی میں جواب دینے کے بجائے خاموشی اختیار کی اور آپ جب گھر پہنچے تو امیر شریعت کا قاصد خط لے کر پہنچا جس میں لکھا تھا: ''جواب کے بجائے میں آپ کو مونگیر دیکھنا چاہتا ہوں'' چنانچہ آپ نے اپنے گھر کے افراد اور رفقاء کے مشورہ واصرار پر جامعہ رحمانی جانا طے فرمالیا اور ۱۷؍محرم ۱۴۰۸ھ کو دوبارہ جامعہ رحمانی میں تدریسی خدمت سے وابستہ ہوگئے؛ لیکن جن حالات کی وجہ سے آپ نے پہلی بار وہاں سے استعفیٰ دیا تھا اور جن کے متعلق حضرت امیر شریعت سے تازہ گفتگو کے بعد اصلاح کی توقع تھی، ان میں خاطر خواہ اصلاح نظر نہیں آئی، اس لئے اس بار وہاں زیادہ دنوں نہیں رہ سکے اور ناظم سبیل السلام (حیدرآباد) کے بار بار تقاضوں کی وجہ سے ۲۱؍شوال ۱۴۰۸ھ کو دوبارہ حیدرآباد تشریف لائے، اسی سال یہاں دورۂ حدیث کا آغاز ہوا تھا؛ چنانچہ آپ کو یہاں کا شیخ الحدیث بنایا گیا اور چار سال آپ شیخ الحدیث کے منصب پر فائز رہے، اس دوران مدرسہ اشرف العلوم (سیتامڑھی) کے ذمہ داروں کا بار بار اصرار ہوا کہ آپ کی علاحدگی کی وجہ سے مدرسہ کافی تنزلی کا شکار ہوگیا ہے، اس لئے آپ ضرور یہاں تشریف لائیں اور ناظم کی حیثیت سے یہاں کے اختیارات سنبھالیں؛ چنانچہ آپ ۱۴؍شعبان ۱۴۲۱ھ کو سبیل السلام سے رخصت لے کر دوبارہ

مدرسہ اشرف العلوم پہنچے اور دس سال تک مسلسل نظامت سنبھال کر مدرسہ کے زوال کو عروج سے بدلا اور تعلیمی، تعمیری اور تربیتی ہر پہلو سے اسے بام عروج پر پہنچایا۔

ادھر دار العلوم سبیل السلام (حیدرآباد) کے ذمہ دار پھر مسلسل آپ سے یہاں آنے کی گزارش کر رہے تھے اور ۱۴۲۲ھ میں یہ گذارش اصرار میں بدل گئی، ذمہ داروں نے کہا کہ ”آپ تو رخصت پر گئے تھے اور دس سال کی مدت طویلہ گذر چکی، اب تو پھر واپس حیدرآباد لوٹ آئیں“ چنانچہ استخارہ اور احباب کے مشورہ سے یہ سوچ کر آپ نے حیدرآباد آنے کا فیصلہ کیا کہ ہر دو تین ماہ پر اشرف العلوم کی دیکھ ریکھ کرلیا کریں گے، اس طرح یکم ذیقعدہ ۱۴۲۲ھ مطابق ۱۶؍ جنوری ۲۰۰۲ء کو آپ نے تیسری بار سبیل السلام حیدرآباد کے لئے رخت سفر باندھا اور شیخ الحدیث کی حیثیت سے یہاں رہنے لگے؛ لیکن یہاں کی مشغولیات اور یہاں سے کھہواں کی دوری کی وجہ سے اشرف العلوم کی دیکھ ریکھ ممکن نہیں ہو سکی اور آپ کو اشرف العلوم سے عشق کی حد تک لگاؤ ہو گیا تھا، اس لئے اس تعلیمی سال کو گزار کر ۱۱؍ شعبان ۱۴۲۳ھ مطابق ۱۸؍ اکتوبر ۲۰۰۲ء کو پھر اشرف العلوم پہنچ گئے اور شوال میں وہاں کے ارکان شوریٰ کے سفارشی خط کے ساتھ حیدرآباد استعفیٰ نامہ بھیج دیا اور تیسری بار اشرف العلوم میں خدمت انجام دینے لگے اور تاہنوز آپ اپنے اسی محبوب ادارہ میں ناظم کی حیثیت سے خدمت انجام دے رہے ہیں۔

غرض آپ کی تعلیمی زندگی میں صرف دو مدرسے بشارت العلوم (دربھنگہ) اور دار العلوم دیوبند ہیں، جب کہ تدریسی زندگی میں کل چھ مدرسے اور بارہ مرتبہ ان کے درمیان آپ کی گردش ہے؛ اس لئے یہ کہنا بالکل بجا ہے کہ ”آپ کی تعلیمی زندگی جتنی ساکن ہے، تدریسی زندگی اتنی ہی متحرک“ اور اس میں جہاں آپ کے مزاجِ خاص کا دخل ہے، وہیں آپ کی علمی لیاقت اور انتظامی صلاحیت کو دیکھتے ہوئے ہر ادارہ آپ کو اپنی طرف کھینچنا چاہتا ہے اور آپ احباب کی رعایت اور خردوں کے اصرار کی وجہ سے بسا اوقات مجبور سے ہو جاتے ہیں:

گو پاؤں میں پڑ جائیں چھالے، پر دل نہ کسی کا ٹوٹنے پائے
اس نے جو کہا تو اُدھر پہنچے، تم نے جو کہا تو اِدھر آئے

یوں تو آپ بہت سے دینی علوم کے جامع ہیں اور علم میں گہرائی، گیرائی اور صلاحیت وپختگی کے ساتھ الفاظ میں حلاوت اور لہجہ میں چاشنی بھی رکھتے ہیں، تاہم ''فقہ'' سے آپ کو خاص لگاؤ ہے اور اس جہت میں نمایاں خدمات کی وجہ سے بجا طور پر ''فقیہ ملت'' کہلاتے ہیں، فقہی مسائل کی باریکیوں میں جانا اور شریعت کے اُصول کے مطابق درست رائے قائم کرنا آپ کا خاص وصف ہے، جس کے اس میدان کے بڑے بڑے لوگ بھی معترف ہیں اور آپ کی رائے کا حد درجہ احترام کرتے ہیں، فقہی سیمیناروں کے موقع پر خاص کر یہ چیز دیکھنے کو ملتی ہے۔

آپ نے فتویٰ نویسی کا کام جامعہ رحمانی مونگیر سے شروع کر دیا تھا اور اس وقت بھی مدرسہ اشرف العلوم میں یہ خدمت انجام دے رہے ہیں، جامعہ رحمانی میں بعض اپیلوں کی سماعت اور فیصلوں میں حذف وترمیم یا سابقہ فیصلہ کی برقراری کی حد تک آپ قضاء سے بھی وابستہ رہے، ان کے علاوہ آپ نے ''وراثت میں پوتے کا حق'' اور ''معاشرتی مسائل کا حل دارالقضاء'' کے عنوان سے دو بیش قیمت رسالے بھی تحریر فرمائے ہیں۔

خصوصیات وامتیازات

آپ کی زندگی کے بعض پہلو انتہائی دلچسپ اور قابل تقلید ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کو کامل اعتماد اور بھرپور خودداری کی دولت سے نوازا ہے، آنکھ موند کر چلتی ہواؤں میں چل پڑنا اور بہتے دریا کی رو میں بہ جانا، یا کسی بات سے بے جا متاثر ومرعوب ہو جانا آپ نے نہیں سیکھا؛ بلکہ آپ اپنی بات، الفاظ میں کسی طرح کی شیخی کے بغیر پوری قوت کے ساتھ پیش کر دیتے ہیں، جو آپ کا امتیازی وصف اور قابل تقلید پہلو ہے، آپ کا دوسرا وصف ''دل صاف رکھنا'' ہے اور یہ حق ہے کہ ''صاف بولنے والے کا دل صاف ہوتا ہے'' چنانچہ آپ کو اپنی پچاس سالہ تدریس میں کئی مدرسوں سے علاحدہ ہونا پڑا، مگر یہ علاحدگی نفرت ودوری اور عداوت ودشمنی کا ذریعہ نہیں بنی؛ بلکہ سبھوں کے دل میں آپ کی محبت اور آپ کے دل میں سبھوں کی محبت اسی

طرح قائم رہی اور ہے، جس طرح علاحدگی سے پہلے تھی، تیسرا وصف آپ کا "اپنے چھوٹوں سے مشفقانہ برتاؤ" کا ہے، ایک طرف بڑے بڑے لوگوں سے عدم مرعوبیت دوسری طرف اپنے خردوں سے انتہائی مشفقانہ برتاؤ، ان دونوں اوصاف کو بیک وقت قائم رکھنا بڑا مشکل ہوتا ہے؛ لیکن یہ حقیقت ہے کہ ہلکی ڈانٹ ڈپٹ کے ساتھ آپ کی اپنے چھوٹوں سے شفقت محض شفقت نہیں رہتی؛ بلکہ بسا اوقات "بے تکلفی" کی سرحدوں سے جاملتی ہے، یہ ایسا وصف ہے جو کم لوگوں میں دیکھنے کو ملتی ہے، چوتھی قابل تقلید بات آپ کے اندر یہ ہے کہ دین کی خدمت کے بہت سے پہلو ہیں، بعض پہلو ضروری ہیں؛ مگر ان میں شہرت و ناموری نہیں ملتی اور بعض پہلو اتنے اہم نہیں ہیں، مگر ان میں شہرت و ناموری خوب ہوتی ہے، مثلاً کتابوں کی تصنیف سے زیادہ افراد سازی اور سیمیناروں میں تقریر سے زیادہ کتابوں کی تدریس اہم ہے؛ لیکن جو شہرت کتاب لکھنے اور سیمیناروں میں تقریر کرنے سے حاصل ہوتی ہے وہ خاموشی سے افراد سازی اور تدریسی خدمت میں نہیں ملتی، نیز اچھی استعداد و صلاحیت کے حاملین تدریس میں اپنی کوئی زیادہ وقعت نہیں سمجھتے اور عموماً اس سے کنارہ کش ہوجاتے یا برائے نام تعلق رکھتے ہیں؛ مگر آپ نے اعلیٰ صلاحیت اور ٹھوس علمی استعداد کے باوجود تدریسی خدمت ہی کو ترجیح دی اور آپ کو ایک مفتی، مقرر اور مصنف سے زیادہ "مدرس" ہونے پر فخر ہے، پانچویں قابل تقلید بات آپ کے اندر یہ ہے کہ آپ نے تعلیم سے فراغت کے بعد "لینذروا قومهم إذا رجعوا إليهم" (التوبۃ:۱۲۲) کو ہمیشہ اپنے پیش نظر رکھا، چنانچہ آپ کو اگرچہ بسا اوقات کسی وجہ سے کنہواں (سیتا مڑھی) سے دور رہنا پڑا؛ لیکن آپ جہاں بھی رہے اشرف العلوم کنہواں (سیتامڑھی) کو ہمیشہ دھیان میں رکھا اور تدریسی زندگی کا بیشتر حصہ شہری آسائشوں سے محروم اور شہرتوں کے مواقع سے دور علاقہ (کنہواں) میں گذارا اور آج بھی وہیں مقیم ہیں، اللہ تعالیٰ آپ کے سائے کو دراز فرمائے اور آپ کے علمی فیضان کو عام و تام فرمائے۔

گھنے درخت کے سائے کی عمر لمبی ہو
کہ اس کے نیچے مسافر قیام کرتے ہیں

آپ کے تلامذہ

جن لوگوں نے آپ سے علم حاصل کیا ہے، ان میں مولانا ذاکر حسین قاسمی (صدر المدرسین مدرسہ محبوبیہ، مظفر پور)، مفتی سہیل احمد (مفتی امارت شرعیہ، پھلواری شریف پٹنہ)، مولانا مطلوب عالم (ناظم مدرسہ مصباح العلوم، مکیہ، مدھوبنی)، مولانا محمد مرتضیٰ (ناظم جامعہ اسلامیہ قاسمیہ بالاساتھ، سیتامڑھی)، مفتی اعجاز احمد (صدر المدرسین و قاضی شریعت دار القضاء برانچ مدرسہ محمود العلوم دملہ، مدھوبنی) اور مفتی تنویر عالم قاسمی (ناظم مدرسہ اشاعت القرآن بارہ ٹولہ، مدھوبنی) کے نام خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔

☆ ☆ ☆

قاضی عبدالاحد ازہری

آپ کا نام عبدالاحد اور آپ کے والد کا نام ماسٹر عبدالعزیز ایاز ہے، ۶؍ رجون ۱۹۴۱ء کو آپ کی پیدائش ہوئی، آپ کا پیدائشی وطن شہر مالیگاؤں، محلہ چونا بھٹی، ضلع ناسک (مہاراشٹر) ہے۔

ابتدائی تعلیم آپ نے اپنے ہی شہر مالیگاؤں کے اُردو پرائمری اسکول میں حاصل کی، قرآن کی تعلیم آپ نے مالیگاؤں کی نئی مسجد بیل باغ میں قائم مدرسہ شمس العلوم میں حاصل کی، ۱۹۵۳ء میں جب "معہد ملت" (مالیگاؤں) کا قیام عمل میں آیا تو آپ کے والد ماجد نے وہاں آپ کو داخل کر دیا اور اسی ادارہ سے ۱۹۵۸ء میں آپ نے دورۂ حدیث کی بھی تکمیل کی۔

یوں تو آپ کی رسمی فراغت اور دورۂ حدیث وعربی زبان وادب کی تکمیل معہد ملت (مالیگاؤں) میں ہی ہوگئی تھی، مگر آپ نے مزید علمی تشنگی بجھانے اور اکابر و اساتذۂ دارالعلوم دیوبند سے کسبِ فیض کے لئے ۱۹۵۸ء میں دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور دو سال دارالعلوم میں زیر تعلیم رہ کر یہاں سے بھی سند فراغت حاصل کی، دارالعلوم سے فارغ ہو کر آپ ۱۹۶۳ء میں جامعہ الازہر (مصر) تشریف لے گئے اور وہاں بھی دو سال قیام کر کے بی، اے کے مساوی فضیلت کی سند حاصل کی۔

آپ نے تعلیم سے فراغت کے بعد ہی سے معہد ملت (مالیگاؤں) میں تدریسی خدمت شروع کر دی اور گو آپ کی علمی لیاقت، فقہی بصیرت اور مربیانہ شخصیت کی وجہ سے بہت سے اداروں نے آپ کی خدمت چاہی؛ مگر آپ نے اپنے وطن سے قلبی لگاؤ کی وجہ سے "معہد ملت" کو چھوڑنا پسند نہیں کیا اور پوری تدریسی زندگی یہیں بسر کرتے ہوئے جہاں آپ

"لینذروا قومھم إذا رجعوا إلیھم" (التوبۃ:۱۲۲) کی تفسیر بنے رہے، وہیں اس تصور کا کہ :

سر پھول وہ چڑھا جو چمن سے نکل گیا
عزت اسے ملی جو وطن سے نکل گیا

کا بھی عملی جواب دیا کہ :

ہم اپنے چمن میں ہی رہے زینتِ چمن
عزت ہمیں خود اپنے وطن میں ہی مل گئی

معہد ملت میں اس وقت آپ شیخ الحدیث بھی ہیں اور وہاں کے ناظم بھی، نیز شہر کی مختلف دینی وملی خدمات سے آپ کی وابستگی اہل شہر کے لئے قابل فخر اور باعث غنیمت ہے۔

معہد ملت میں تدریسی خدمت کے ساتھ مسلسل آپ نے افتاء کی بھی خدمت کی، تاہم آپ کے افتاء کی خدمت پر قضاء کا کام غالب ہے، چنانچہ ۳ رجون ۱۹۷۳ء میں آپ کے استاذ ومربی اور "معہد ملت" کے بانی وناظم مولانا عبد الحمید نعمانی نے "دار القضاء، مالیگاؤں" قائم فرمایا، اس وقت اپنے ہونہار شاگرد قاضی عبد الاحد ازہری کو خدمت قضاء کے حوالہ سے مثالی؛ بلکہ بے مثال ادارہ امارت شرعیہ پھلواری شریف (پٹنہ، بہار) میں قضاء کی تربیت حاصل کرنے کے لئے بھیجا، آپ وہاں تربیت پاکر واپس آئے تو اس وقت سے تاہنوز "دار القضاء مالیگاؤں" کی ذمہ داری آپ ہی کے سر ہے، اور آپ بحسن وخوبی اس ذمہ داری کو انجام دے رہے ہیں، اکابر علماء کو آپ پر بڑا اعتماد حاصل ہے اور عوام بھی آپ کے فیصلہ پر پورا بھروسہ رکھتے ہیں، حضرت امیر شریعت رابع مولانا سید محمد منت اللہ رحمانیؒ آپ سے بہت محبت فرماتے تھے اور فقہ میں آپ کے لگاؤ اور اعلیٰ مہارت کی وجہ سے جب قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ نے اسلامک فقہ اکیڈمی کی تمہید کے طور پر "مرکز البحث" قائم فرمایا تو اس میں جن چند ارباب افتاء وقضاء کے نام شامل کئے گئے، ان میں آپ کا نام نامی بھی تھا اور اس وقت آپ اسلامک فقہ اکیڈمی کے نائب صدر ہیں، اس کے علاوہ آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے رکن تاسیسی، آل انڈیا اصلاحِ معاشرہ کمیٹی شاخ مالیگاؤں کے صدر، پندرہ روزہ رسالہ "گلشن" کے مدیر، ادارہ امتحان دینیات کے

صدر اور مجلس علماء (مالیگاؤں) کے سکریٹری ہیں اور مختلف جہات سے فقہی واصلاحی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

مختلف دینی وملی سرگرمیوں اور مستقل دارالقضاء اور معہد ملت کی ذمہ داریوں کی وجہ سے آپ کی تصنیف کا ذخیرہ کچھ زیادہ نہیں ہے، تاہم آپ کے قلم سے صادر فتاویٰ اور آپ کے لکھے گئے فیصلوں کو جمع کیا جائے تو فقہ پر ضخیم کتاب تیار ہوسکتی ہے — البتہ سیرت وتصوف اور اصلاح وتذکیر کے موضوع پر آپ کی نصف درجن کتابیں طبع ہو چکی ہیں، جو حسب ذیل ہیں :

(۱) غزوۂ بنو قریظہ :—(عرب مصنف محمد احمد ہاشمی کی کتاب کا ترجمہ)۔
(۲) محبت نبوی کی کسوٹی۔
(۳) اصلاحی نگارشات۔
(۴) مدارسِ اسلامیہ — انسان سازی کے کارخانے۔
(۵) قاضی مجاہد الاسلام قاسمی — اتحاد ملت کے داعی، تنفیذ شریعت کے نقیب۔
(٦) خطبات قاضی شریعت :—(آپ کی مختلف تقریروں کا مجموعہ)۔

☆ ☆ ☆

مفتی اشرف علی باقی

آپ اصلاً شہر ویلور، شمالی آرکاٹ صوبہ تملناڈو کے رہنے والے ہیں اور اس وقت شہر گلستان بنگلور میں مقیم ہیں، مختلف مدارس میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد آپ نے دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا، ۱۳۸۱ھ میں آپ نے دورۂ حدیث سے فراغت حاصل کی اور ۱۳۸۲ھ میں دارالعلوم دیوبند ہی میں آپ نے افتاء بھی کیا، آپ کے اساتذہ میں مولانا فخر الدین، مولانا مہدی حسن، مولانا ظہور احمد اور مولانا بشیر احمد وغیرہ خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔

دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد آپ نے دارالعلوم سبیل الرشاد بنگلور (کرناٹک) میں تدریسی خدمت شروع کی، جس کو آپ کے والد ماجد مولانا ابوالسعود صاحب نے قائم فرمایا تھا اور تاہنوز آپ اسی ادارہ سے منسلک ہیں، اس ادارہ میں مختلف فنون کی کتابوں کے ساتھ احادیث کے اسباق خاص کر آپ سے متعلق رہے، اس وقت آپ اس ادارہ کے شیخ الحدیث اور مہتمم ہیں، آپ کے دور اہتمام میں ادارہ نے بڑی ترقی اور شہرت حاصل کی ہے۔

دوران تدریس آپ نے طویل عرصہ تک ہدایہ کے اسباق بھی پڑھائے، آپ کی فقہی بصیرت، معاملہ فہمی اور عوام وخواص میں مقبولیت کی بنا پر آپ کو صوبۂ کرناٹک کا امیر شریعت بھی بنایا گیا، اس کے علاوہ ملک کے دو مؤقر ملی وفقہی ادارے ''مسلم پرسنل لا بورڈ اور اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا'' سے بھی آپ کی گہری وابستگی رہی، آپ مسلم پرسنل بورڈ کے رکن عاملہ اور اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کے نائب صدر ہیں، نفاست پسندی، ذوق کی پاکیزگی، فکر کا اعتدال اور زبان کی چاشنی آپ کے امتیازی اوصاف ہیں۔

☆ ☆ ☆

مفتی سعید احمد پالن پوری

استاذ محترم مفتی سعید احمد پالن پوری کی ولادت ۱۳۶۲ھ مطابق ۱۹۴۲ء میں ہوئی، آپ جناب یوسف صاحب کے فرزند اور موضع ''کالیڑہ'' ضلع ''بناس کانٹھا'' (شمالی گجرات) کے رہنے والے ہیں آپ کے والدین نے آپ کا نام ''احمد'' رکھا تھا؛ لیکن جب آپ نے مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور میں داخلہ لیا تو اپنے نام کے شروع میں ''سعید'' کا اضافہ کردیا، اس طرح آپ کا پورا نام ''سعید احمد'' ہوگیا، اس وقت دیوبند میں اپنے ذاتی مکان میں اقامت پذیر ہیں۔

آپ کی ابتدائی تعلیم اپنے وطن گجرات ہی میں ہوئی، آپ کی ''بسم اللہ'' آپ کے والد ماجد نے کرائی اور ناظرہ اور دینیات وغیرہ کی تعلیم آپ نے وطن کے مکتب میں حاصل کی، پھر آپ دارالعلوم ''چھاپی'' تشریف لے گئے اور وہاں فارسی کی ابتدائی کتابیں پڑھیں، دارالعلوم چھاپی میں آپ کا قیام چھ ماہ رہا، پھر آپ مولانا نذیر احمد پالن پوری کے مدرسہ میں داخل ہوئے اور وہاں عربی درجہ کی شرح جامی تک تعلیم حاصل کی، وہاں محمد اکبر میاں پالن پوری اور مولانا ہاشم بخاری آپ کے خاص استاذ تھے۔

۱۳۷۷ھ میں آپ نے مظاہر علوم سہارنپور میں داخلہ لیا، نحو اور منطق و فلسفہ کی بیشتر کتابیں آپ نے وہیں پڑھیں، ۱۳۸۰ھ مطابق ۱۹۶۰ء میں آپ نے دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور حدیث و تفسیر اور فقہ کے علاوہ دیگر کئی فنون کی کتابیں آپ نے یہیں پڑھیں، ۱۳۸۲ھ مطابق ۱۹۶۲ء میں دورۂ حدیث شریف سے فارغ ہوئے اور سالانہ امتحان میں امتیازی نمبرات حاصل کیے، پھر اگلے تعلیمی سال (یکم ذیقعدہ ۱۳۸۲ھ) میں شعبۂ افتاء میں آپ کا داخلہ ہوا اور آپ نے فتاویٰ نویسی کی تربیت حاصل کی۔

تکمیل افتاء کے بعد ۱۳۸۴ھ میں دارالعلوم اشرفیہ راندیر (سورت) میں علیا کے مدرس

مقرر ہوئے، یہاں تقریباً دس سال آپ نے تدریسی خدمت انجام دی، پھر دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے معزز رکن مولانا محمد منظور نعمانی کی تجویز پر ۱۳۹۳ھ میں دارالعلوم دیوبند کے مسند تدریس کے لئے آپ کا انتخاب عمل میں آیا اور تاہنوز آپ دارالعلوم ہی میں خدمت انجام دے رہے ہیں، دارالعلوم میں مختلف فنون کی کتابیں پڑھانے کے ساتھ سالہا سال سے ترمذی شریف جلد اول اور طحاوی شریف کے اسباق آپ سے متعلق ہیں، آپ کے اسباق بے حد مقبول، مرتب اور معلومات سے بھرپور ہوتے ہیں، طلبہ میں عموماً آپ کی تقریر نوٹ کر لینے کا رجحان پایا جاتا ہے اور آپ کی تقریر میں اتنا ٹھہراؤ اور اتنی شفافیت ہوتی ہے کہ لفظ بہ لفظ اسے نوٹ کر لینے میں کسی طرح کی دشواری پیش نہیں آتی، دارالعلوم کے شیخ الحدیث اور صدر المدرسین حضرت مولانا نصیر احمد خاں صاحبؒ کی علالت کے بعد (۱۴۲۹ھ مطابق ۲۰۰۸ء) سے بخاری شریف جلد اول کا درس بھی آپ سے متعلق کر دیا گیا، (۱) اس وقت آپ دارالعلوم کے شیخ الحدیث اور صدر المدرسین ہیں، اوقات کی پابندی اور کاموں میں انہماک آپ کے اہم قابل تقلید اوصاف ہیں۔

آپ کا مزاج شروع ہی سے فقہی رہا ہے اور فقہ و فتاویٰ میں امامت کا درجہ رکھنے والے دارالعلوم دیوبند جیسے ادارہ سے تکمیل افتاء کے بعد آپ کے فقہی ذوق میں اور بھی چار چاند لگ گئے، ترمذی شریف کے درس کے دوران بڑی خوبی اور اعتماد کے ساتھ آپ فقہی باریکیوں کی طرف اشارہ کرتے ہیں، فقہی سیمیناروں میں آپ کی رائے کو بڑی اہمیت دی جاتی اور آپ کے مقالات کو بڑی قدر کی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے، حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے مجموعۂ فتاویٰ ''امداد الفتاویٰ'' پر آپ نے گرانقدر حاشیہ بھی لکھا ہے، نیز آپ کی فقہی مہارت اور رائے قائم کرنے میں حد درجہ حزم و احتیاط ہی کی وجہ سے دارالافتاء دارالعلوم کے خصوصی بنچ میں آپ کا نام نمایاں طور پر شامل ہے۔

آپ نے درس و تدریس کے ساتھ تصنیف و تالیف میں بھی گرانقدر خدمات انجام دی ہیں، آپ کی بہت سی کتابیں دارالعلوم سمیت مختلف دینی مدارس میں شامل نصاب ہیں، ذیل میں آپ کی چند کتابوں کا تعارف پیش کیا جاتا ہے۔

(۱) دیکھئے: طلبہ دورۂ حدیث کی سالانہ ڈائری ''تعمیر کارواں'' (۱۴۲۹ھ مطابق ۲۰۰۸ء)، ص: ۵۷

فقہ اور متعلقاتِ فقہ پر آپ کی چند تصانیف یہ ہیں :

۱- مبادیاتِ فقہ:— کسی بھی فن سے پہلے اس کی مبادیات کا علم بڑی اہمیت رکھتا ہے؛ چنانچہ فقہ کی کسی بھی کتاب کو پڑھنے سے پہلے جن چیزوں کا علم ضروری ہے، اس کتاب میں انھیں چیزوں کا تفصیلی ذکر ہے۔

۲- آپ فتویٰ کیسے دیں؟:— یہ کتاب اُصولِ افتاء پر علامہ ابن عابدین شامی کی مشہور کتاب ''رسم المفتی'' کا اُردو ترجمہ اور شرح ہے، جس کے آخر میں فقہاءِ احناف اور ان کی مشہور کتابوں کا تعارف بھی کرایا گیا ہے۔

۳- حرمتِ مصاہرت۔

۴- ڈاڑھی اور انبیاء کی سنت:— اس کتاب میں ڈاڑھی، مونچھ، بال، ختنہ وغیرہ سے متعلق مسائل کو دلائل کے ساتھ جمع کیا گیا ہے اور ڈاڑھی پر ہونے والے اعتراضات کے جوابات بھی دیئے گئے ہیں۔

۵- تحشیہ امداد الفتاویٰ:— حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کی ''امداد الفتاویٰ'' (۶ رجلدیں) پر یہ نہایت مفید حاشیہ ہے۔

۶- کیا مقتدی پر فاتحہ واجب ہے؟:— اس کتاب میں حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی ''توثیق الکلام'' کی تشریح و تنقیح کی گئی ہے۔

۷- تسہیل ادلۂ کاملہ:— اس کتاب میں غیر مقلدین کی طرف سے چھیڑے گئے دس مشہور مسئلوں پر تفصیلی اور تحقیقی بحث کی گئی ہے، یہ بھی اصلاً حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ کی کتاب ''ادلۂ کاملہ'' کی شرح کے طور پر لکھی گئی ہے۔

۸- مشاہیر محدثین و فقہاء کرام اور تذکرہ راویانِ کتب حدیث:— اس کتاب میں خلفاء راشدین، عشرۂ مبشرہ، ازواجِ مطہرات اور بناتِ طیبات، نیز صحاح ستہ، طحاوی، مؤطین اور مشکوٰۃ المصابیح کے رواۃ کے احوال کے علاوہ مدینہ کے فقہاء سبعہ کے حالات لکھے گئے ہیں۔(۱)

(۱) دیکھئے: رحمۃ اللہ الواسعۃ شرح حجۃ اللہ البالغۃ: ۱/۴۲۲-۸، مکتبہ حجاز دیوبند۔

۹- تفسیر شرعیہ کے موضوع پر آپ کی گرانقدر اور مفید ترین کتاب "تفسیر ہدایت القرآن" ہے، تفسیر ہدایت القرآن مولانا محمد کاشف الہاشمی نے شروع فرمایا تھا، موصوف نے شروع کے نو پارے اور عم پارہ کی تفسیر فرمائی، تفسیر میں ہر ہر کلمہ کے الگ الگ معنی دیئے گئے ہیں اور حاشیہ میں حل لغات اور ضروری ترکیب بھی دی گئی ہے، قرآن کے طالب علموں کے لئے یہ انداز چوں کہ بہت عمدہ اور مفید تھا، اس لئے مفتی صاحب نے اس تفسیر کی تکمیل کی طرف توجہ فرمائی اور اب تک آپ کے قلم سے مزید چھ پاروں (۱۰ تا ۱۵) کی تفسیر چھپ چکی ہے اور ہنوز یہ سلسلہ جاری ہے۔

۱۰- رحمۃ اللہ الواسعہ :— حکمت شرعیہ کے موضوع پر یہ حجۃ الاسلام حضرت مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی گرانقدر تالیف "حجۃ اللہ البالغۃ" کی اُردو شرح ہے، اس میں ہر عنوان کے تحت پہلے اپنے الفاظ میں امثلہ اور شواہد کے ذریعہ مسئلہ کی توضیح کی گئی ہے، پھر متعلقہ عربی عبارت نقل کر کے ضروری اعراب لگایا گیا ہے، پھر طلبہ کی سہولت کے لئے درسی انداز کا ترجمہ کیا گیا ہے، پھر "لغات" کا عنوان لگا کر مشکل الفاظ کے معانی اور ضروری ترکیبیں دی گئی ہیں، نیز شاہ صاحب کی مخصوص اصطلاحات کی تشریح اور احادیث کی تخریج بھی کی گئی ہے، یہ کتاب پانچ ضخیم جلدوں میں ہے، جن کے مجموعی صفحات ساڑھے تین ہزار سے زائد (۳۶۰۲) ہیں، یہ کتاب مفتی صاحب کا ایک "بڑا علمی کارنامہ" ہے۔

ان کے علاوہ آسان نحو (دو حصے)، آسان صرف (دو حصے)، آسان منطق، مبادی الفلسفۃ (عربی) معین الفلسفہ، العون الکبیر (حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی کتاب "الفوز الکبیر" کی مفصل عربی شرح) فیض المنعم (شرح مقدمہ صحیح مسلم)، مفتاح التہذیب (شرح تہذیب المنطق)، تحفۃ الدرر (شرح نخبۃ الفکر)، حیات امام ابوداؤد، حیات امام طحاوی، اسلام تغیر پذیر دنیا میں، وغیرہ آپ کی گرانقدر تالیفات ہیں۔

☆ ☆ ☆

قاضی عبدالجلیل قاسمی

قاضی عبدالجلیل صاحب ۱۹۴۲ء میں دھوبنی، ضلع چمپارن میں پیدا ہوئے، آپ کے والد کا نام حافظ محمد سعید مرحوم ہے، آپ کے پیدائشی وطن کا پورا پتہ اس طرح ہے: مقام دھوبنی، ڈاک خانہ دانیال پرسونا، وایا چنپٹیا، ضلع مغربی چمپارن، بہار۔

قاضی صاحب نے ابتدائی تعلیم اپنے گھر میں ہی اپنے چچا مولانا محمد یعقوب مرحوم سے حاصل کی، جو مولانا محمد حسین (علامہ بہاری) اور مولانا فخر الحسن مرادآبادی کے ساتھیوں میں تھے، آپ نے ان سے فارسی اور عربی کی ابتدائی کتابیں پڑھیں، پھر آپ نے اپنے علاقہ ہی کے ایک ادارہ مدرسہ ریاض العلوم ساٹھی (ضلع مغربی چمپارن) میں داخلہ لیا اور وہاں تین سال مقیم رہے، اس وقت وہاں صدر المدرسین کے عہدے پر حضرت امیر شریعت مولانا سید نظام الدین صاحب (موجودہ جنرل سکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ) تھے۔

۱۹۵۹ء میں آپ نے دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور ۱۹۶۳ء میں آپ نے دورۂ حدیث شریف سے فراغت حاصل کی، پھر آپ نے فن ہیئت اور عربی ادب کی تکمیل کے لئے مزید ایک سال وہاں قیام کیا، اس طرح پانچ سال کا عرصہ آپ نے دارالعلوم دیوبند کے علمی وتربیتی ماحول میں گزارا اور وہاں کے اکابر سے خوب خوب فیضیاب ہوئے۔

دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد ۲۴ر دسمبر ۱۹۶۴ء کو مدرسہ اسلامیہ، آداپور، ضلع مشرقی چمپارن میں صدر مدرس کی حیثیت سے آپ کا تقرر ہوا اور آپ نے تقریباً ڈیڑھ سال وہاں تدریس کی خدمت انجام دی، پھر یکم ستمبر ۱۹۶۸ء میں آپ مدرسہ اسلامیہ، بتیا (مغربی چمپارن) تشریف لے گئے اور وہاں مسلسل چودہ پندرہ سال خدمت کرنے کے بعد اکتوبر

۱۹۸۳ء میں وہاں سے علاحدہ ہوگئے اور خدمت قرآن کے لئے مثال کے طور پر پیش کئے جانے والے ادارہ جامعہ اسلامیہ قرآنیہ، سمرا (مغربی چمپارن) تشریف لے گئے اور وہاں آپ نے دسمبر ۱۹۸۳ء سے نومبر ۱۹۹۴ء تک تدریسی خدمت انجام دی۔

آپ کا مزاج چوں کہ فقہی تھا، اس لئے تدریس کے ساتھ قضاء کی خدمت بھی آپ انجام دیتے رہے، چنانچہ ۲۵/مارچ ۱۹۷۵ء میں جب بتیا (مغربی چمپارن) میں امارت شرعیہ کے تحت دارالقضاء کا قیام عمل میں آیا تو قضاء کی ذمہ داری آپ ہی کے ذمہ کی گئی اور آپ مدرسہ اسلامیہ بتیا میں تدریس کے ساتھ قضاء کا فریضہ بھی انجام دیتے رہے، اس کے بعد آپ جب ''سمرا'' میں تدریسی خدمت انجام دینے لگے تو وہاں سے بھی ہر پندرہ دن پر ''بتیا'' جاکر مقدمات کی سماعت فرماتے اور قضاء کی ذمہ داری نبھاتے تھے — اس طرح تقریباً بیس سال قضاء کے کام میں مصروف رہنے کی وجہ سے آپ کے اندر قضاء کی ایسی صلاحیت پیدا ہوگئی کہ ۲۰/نومبر ۱۹۹۴ء کو مرکزی دارالقضاء امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ میں آپ کا تقرر ہوگیا اور آپ کو ہندوستان کے سینئر قاضی، قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ کی طویل رفاقت حاصل رہی، مرکزی دارالقضاء تشریف لانے کے بعد بھی آپ چند سالوں تک ''بتیا'' دارالقضاء تشریف لے جاتے تھے اور تقریباً چھ ماہ ڈھاکہ (مشرقی چمپارن) میں بھی آپ نے قضاء کی خدمت انجام دی، اس وقت مرکزی دارالقضاء امارت شرعیہ میں مقیم ہیں اور کار قضاء میں آپ کی مہارت اور طویل تجربہ کی بنا پر لفظ ''قاضی'' آپ کے نام کا جزء ہے، آپ یہاں مقدمات کی سماعت بھی فرماتے ہیں، شریعت کی روشنی میں فیصلہ بھی کرتے ہیں اور اپنے طویل تجربات سے ہندوستان کے کونے کونے سے آنے والے علماء و فضلاء کو قضاء کی تربیت بھی دیتے ہیں اور آپ اپنے ہم عصروں اور خوردوں میں قضاء کی بے پناہ صلاحیتوں کے ساتھ اپنی تواضع، سادگی، للّٰہیت اور ہر ایک کے مقام اور عزت نفس کی رعایت کے حوالہ سے ضرب المثل ہیں۔

دارالقضاء امارت شرعیہ میں قاضی کی حیثیت سے کام کرنے اور فضلاء کی تربیت کرنے کے علاوہ بعض دوسری ذمہ داریاں بھی آپ سے متعلق ہیں، چنانچہ آپ اپنی مادر علمی مدرسہ

ریاض العلوم ساٹھی کے نائب صدر، مدرسہ اسلامیہ بتیا کے صدر اور جامعہ اسلامیہ قرآنیہ، سمرا کی مجلس شوریٰ کے رکن ہیں۔

آپ کے اساتذہ میں امیر شریعت مولانا سید نظام الدین صاحب (چمپارن) مولانا وحید الزماں کیرانوی، مولانا شریف الحسن، مولانا معراج الحق اور مولانا نصیر احمد خاں صاحب (دیوبند) خاص کر قابل ذکر ہیں اور جن لوگوں نے آپ سے کسب فیض کیا ہے ان میں مولوی کبیر الدین (مغربی چمپارن)، مولوی سہیل احمد ندوی (نائب ناظم امارت شرعیہ، پٹنہ)، مولانا انظار عالم (معاون قاضی شریعت امارت شرعیہ)، مولانا سہیل اختر گڈاوی (دار القضاء امارت شرعیہ)، مولوی وصی احمد (معاون قاضی شریعت، پٹنہ)، مولانا اسلم ناخداو مفتی عبداللہ (کناڈا)، مفتی حامد ظفر بن مولانا قاضی عبد الاحد ازہری (مالیگاؤں)، مفتی نثار احمد (گجرات)، مفتی مجتبیٰ بن مولانا احمد لولات (گجرات)، مفتی ارشد بن مفتی احمد دیولوی (جمبوسر)، مفتی احکام الحق (مدھوبنی) اور مولوی حفظ الرحمٰن بن مفتی موسیٰ سملکی (گجرات) کے نام خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں۔

☆ ☆ ☆

مفتی عزیز الرحمٰن فتح پوری

آپ کا پورا نام عزیز الرحمٰن اور آپ کے والد کا نام غلام جیلانی خان اور دادا کا نام عبدالقادر خان ہے، آپ ۱۹۴۹ء میں موضع عالم گنج ضلع فتح پور (یوپی) میں پیدا ہوئے۔

آپ کی ابتدائی تعلیم سب سے پہلے اپنے گاؤں ہی کے مدرسہ صلاح العلوم میں ہوئی، پھر بعد آپ نے اپنے پڑوسی ضلع باندہ کے مدرسہ عربیہ ہتھورا میں داخلہ لیا، مدرسہ عربیہ سے مشکوٰۃ تک تعلیم حاصل کرنے کے بعد آپ نے ۱۹۶۹ء میں دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور وہاں دورۂ حدیث سے ۱۹۷۰ء میں آپ نے فراغت حاصل کی۔

تعلیم سے فراغت کے بعد آپ کی مادر علمی جامعہ عربیہ ہتھورا (باندہ) میں آپ کا عارضی تقرر ہوا اور آپ نے ایک سال وہاں تدریس کی خدمت انجام دی، پھر آپ کو تدریس کی غرض سے ۱۹۷۴ء میں دارالعلوم امدادیہ چونا بھٹی مسجد ممبئی بلایا گیا، وہاں آپ نے ۱۹۹۲ء تک مسلسل سترہ اٹھارہ سال تدریس کی خدمت انجام دی۔

آپ اپنی سادگی کے ساتھ علمی گہرائی اور رائے کی پختگی میں کافی مشہور ہیں؛ چنانچہ ۱۹۷۴ء سے ۱۹۹۲ء تک مسلسل آپ نے دارالعلوم امدادیہ میں رہ کر تدریس کے ساتھ افتاء کا کام بھی انجام دیا اور اہل ممبئی کی بڑی تعداد فقہی معاملات میں آپ سے رجوع ہوتی رہی، آپ نے جمعیۃ علماء ہند کے محکمۂ شرعیہ میں بھی کئی سال تک رکن کی حیثیت سے کام کیا ہے، اس وقت آپ ممبئی ہی میں ادارہ ''بزمِ صدیق'' کے دفتر میں افتاء کی خدمت انجام دے رہے ہیں اور مختلف علمی کاموں میں مشغول ہیں۔

آپ ممبئی کے کثیر الاشاعت، مقبول اور معیاری اخبار ''انقلاب'' کے مستقل کالم نگار

ہیں اور ۱۹۸۴ء سے اب تک مستقل آپ کے فتاویٰ اس میں شائع ہوتے ہیں، پہلے یہ فتاویٰ اتوار کے دن ''دین فطرت اور آپ کے مسائل'' کے عنوان سے شائع ہوتے تھے، اب یہ جمعہ ایڈیشن میں ''فتاویٰ روزنامہ انقلاب'' کے نام سے چھپتے ہیں، لوگوں میں اس کالم کی بڑی مقبولیت ہے اور مسلمانوں کو آپ کے فتاویٰ پر بڑا اعتماد و اطمینان ہے، جس کی وجہ سے مسلمانوں کی بڑی تعداد اخبار کے ذریعہ آپ سے مسائل میں رُجوع ہوتی ہے۔

ان فتاویٰ اور روزمرہ کے مسائل کے علاوہ ''قربانی کے احکام'' کے نام سے ایک کتاب بھی آپ نے مرتب فرمائی ہے اور ''مہدی اور مسیح'' کے موضوع پر آپ کی دو کتابیں زیر ترتیب ہیں، نیز آپ کے بہت سے فقہی مقالات اور فرقِ باطلہ کی تردید میں لکھے گئے مضامین مختلف اخبار و رسائل میں چھپ چکے ہیں، فقہی سیمیناروں میں آپ کی شرکت کو غنیمت سمجھا جاتا ہے اور آپ کی رائے کو احترام کی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے۔

آپ نے جن اساتذہ سے کسبِ فیض کیا ہے، ان میں عارف باللہ حضرت قاری سید صدیق احمد (ناظم جامعہ عربیہ ہتھورا، باندہ)، مولانا انتظام الحق، مولانا نفیس اکبر صاحب (باندہ)، مولانا منظور صاحب (امروہہ)، مولانا رشید احمد فیض آبادی، مولانا وحید الزماں کیرانویؒ، مفتی نظام الدین اعظمی اور مولانا شریف الحسن وغیرہ خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں اور آپ کے تلامذہ میں مولانا محمود دریابادی (جنرل سکریٹری علماء کونسل ممبئی)، مولانا حبیب احمد (ناظم جامعہ عربیہ ہتھورا، وفرزند حضرت قاری صدیق صاحب)، مولانا اظہار سیتامڑھی، مفتی شاکر (پونہ)، ڈاکٹر منور عالم، مولانا حبیب الرحمٰن فلاحی وغیرہ خاص کر قابل ذکر ہیں۔

اس وقت آپ علماء کونسل ممبئی کے نائب صدر، انجمن اہل سنت والجماعت (ممبئی) کے سرپرست، الجمعیۃ الفکریہ اسلامک اسکول کے ٹرسٹی، مرکز المعارف (ممبئی) کے رکن اور انجمن تحفظ ناموسِ صحابہ کے سرپرست ہیں اور اپنی علالت کے باوجود ہمہ جہتی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

☆ ☆ ☆

مولانا عبید اللہ اسعدی

مولانا اسعدی صاحب ۱۳۷۱ھ مطابق ۱۹۵۲ء میں لکھنؤ میں پیدا ہوئے، آپ کے والد کا نام مولانا مرتضیٰ صاحب تھا، جو دار العلوم ندوۃ العلماء میں ناظم کتب خانہ تھے، ابتدائی تعلیم آپ نے اپنے گھر میں اور دار العلوم ندوۃ العلماء کی بعض شاخوں میں حاصل کی، قرآن کریم کا حفظ آپ نے ندوہ کے شعبۂ تحفیظ القرآن میں کیا اور وہیں روایت حفص میں فن تجوید بھی پڑھا، پھر عربی کی کتابیں بھی ندوہ ہی میں پڑھیں، کچھ دنوں آپ نے مدرسہ عربیہ ہتھورا، باندہ میں بھی تعلیم حاصل کی، پھر آپ نے دار العلوم دیوبند میں داخلہ لیا، ۱۳۹۰ھ مطابق ۱۹۷۱ء میں دار العلوم سے فضیلت مکمل کی، ۱۳۹۱ھ میں دار العلوم دیوبند ہی میں ''تکمیل العلوم'' کے شعبہ میں رہے اور ۱۳۹۲ھ میں وہیں سے افتاء بھی کیا۔

فراغت کے بعد ۱۳۹۳ھ میں آپ کانپور کی مشہور دینی درسگاہ مدرسہ جامع العلوم پٹکاپور میں تدریس کی خدمت کے لئے مقرر ہوئے اور ۱۳۹۷ھ تک وہاں خدمات انجام دیں، ۱۳۹۷ھ میں آپ جامعہ عربیہ ہتھورا باندہ (یوپی) میں مدرس مقرر ہوئے اور تاہنوز اسی ادارہ میں شیخ الحدیث اور صدر مفتی کی حیثیت سے خدمات انجام دے رہے ہیں۔ (۱)

یوں تو آپ کئی فنون میں دسترس رکھتے ہیں؛ لیکن زمانۂ طالب علمی ہی سے فقہ و فتاویٰ آپ کا خاص موضوع رہے ہیں؛ چنانچہ آپ نے فتاویٰ نویسی کی تربیت فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہیؒ سے حاصل کی، اس زمانہ میں آپ ایک ایک مسئلہ کو اپنی کاپی میں لکھ لیا کرتے تھے اور زیادہ تر استاذ محترم کی خدمت میں رہنے کی کوشش کیا کرتے

(۱) دیکھئے: دار العلوم دیوبند: ۸۰۵، مولانا اسعدی صاحب، ط شیخ الہند اکیڈمی دیوبند۔

تھے،(۱) فقہ میں آپ کی مہارت ہی کی بناپر جب قاضی مجاہد الاسلام قاسمی نے نئے مسائل کے شرعی حل کے لئے ''مرکز المبحث العلمی'' قائم فرمایا اور اس کے دائرہ کو وسیع کرتے ہوئے ''اسلامک فقہ اکیڈمی'' کی بنیاد ڈالی تو اس میں جن چند فقہی شخصیات کے نام شامل کئے، ان میں آپ کا نام بھی تھا؛ چنانچہ حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی لکھتے ہیں :

> ......قاضی صاحب نے مرکز کے دائرہ کو وسیع فرمایا اور اپنے نئے رفقاء جو اپنے علمی مزاج اور تحقیقی مذاق کی وجہ سے یقیناً اس کارواں میں شرکت کے مستحق تھے، انھیں قاضی صاحب نے شریک کیا، میری مراد حضرت مولانا سید نظام الدین صاحب، ڈاکٹر منظور عالم صاحب، جناب امین عثمانی صاحب، مولانا عتیق احمد بستوی صاحب، مولانا عبید اللہ اسعدی صاحب سے ہے۔(۲)

چنانچہ اس وقت آپ اکیڈمی کے سکریٹری (برائے سیمینار) ہیں اور اپنی علمی لیاقت، فقہی بصیرت اور تواضع وانکساری کی وجہ سے رفقاء کا اور علماء میں بڑی وقعت اور محبوبیت کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں۔

مولانا اسعدی صاحب کے علمی اور قلمی سرمایو میں سے عربی زبان میں الموجز في أصول الفقه، دارالعلوم ديوبند مدرسة فكرية ......اوربين الضعيف والموضوعات من الحديث ہے اور اُردو زبان میں علوم الحدیث، اُصول الفقہ، اسلام مکمل دین مستقل تہذیب، الربا، غیر مسلم ممالک میں عشر وخراج، تحدید النسل، تسہیل البلاغۃ، اسعاد النحو، علوم القرآن الکریم، فقہ اسلامی میں علماء ہند کی خدمات، اُصولِ حدیث — غور وفکر کے چند اہم گوشے وغیرہ خاص کر قابل ذکر ہیں، ان کے علاوہ اور بھی کتابیں زیر ترتیب ہیں اور کئی فقہی مقالات مختلف رسالوں میں طبع شدہ ہیں۔

☆ ☆ ☆

(۱) دیکھئے: چند نامور علماء: ۶۴، مجموعۂ مضامین مولانا بدر الحسن قاسمی (مقیم کویت)

(۲) قاضی مجاہد الاسلام قاسمی — حیات وخدمات: ۸۹، مرتب: مولانا خالد سیف اللہ رحمانی۔

مولانا عتیق احمد بستوی

مولانا عتیق احمد کا آبائی وطن ضلع بستی (یو پی) ہے اور آپ کے والد گرامی کا نام محمد رفیق ہے، آپ نے محلہ کے مکتب کے علاوہ مختلف اداروں میں تعلیم حاصل کی اور آخر میں دار العلوم دیوبند میں داخلہ لیا، جہاں سے ۱۹۷۴ء میں آپ کی فراغت ہوئی۔

مولانا اپنی مختلف خوبیوں کے ساتھ فقہ و فتاویٰ میں خاص کر امتیاز رکھتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ ماضی قریب کے جید عالم اور فقیہ حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ نے جب ہندوستان میں جدید فقہی مسائل پر غور وخوض کے لئے ایک ادارہ ''اسلامک فقہ اکیڈمی'' کی بنیاد رکھی تو اس میں علمی کاموں کے لئے دوسرے اہل علم کے ساتھ آپ کا بھی نام شامل کیا اور اس وقت آپ اس اکیڈمی کے (سکریٹری برائے علمی اُمور) ہیں، نیز قاضی صاحبؒ نے جب تربیت قضاء و افتاء کے لئے ایک ملک گیر پیمانہ کا ادارہ ''المعہد العالی للتدریب فی القضاء والافتاء'' قائم کیا تو اس میں بھی رکن کی حیثیت سے آپ کو نامزد کیا گیا، آپ اس وقت دار العلوم ندوۃ العلماء (لکھنؤ) میں فقہ کے استاذ، شہر لکھنؤ کے قاضی شریعت اور مسلم پرسنل لا بورڈ کے محکمۂ دار القضاء کے کنوینر ہیں، نیز اپنے طور پر ایک خالص فقہی تربیتی ادارہ بھی ''معہد الشریعۃ'' کے نام سے چلا رہے ہیں، جس میں ہر سال متعدد فضلاء فقہ و فتاویٰ کی تربیت پاتے ہیں۔

فقہ کے موضوع پر آپ کی کئی تصانیف بھی منظر عام پر آکر اہل علم سے داد تحسین وصول کر چکی ہیں، جن میں سے چند یہ ہیں :

۱۔ مصارف زکوٰۃ۔

۲۔ زکوٰۃ اور مسئلۂ تملیک۔

۳- اسلامی نکاح۔

۴- ہندوستان اور نظامِ قضاء۔

۵- مصطلحات فقہی۔

۶- تحقیق وتعلیق ''الحیلة الناجزة'' (مصنفہ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ)۔

ان کے علاوہ آپ نے مولانا رحمت اللہ کیرانوی کی مشہور تصنیف ''ازالة الشکوک'' پر بھی تحقیق وتعلیق کا کام کیا ہے، جو پہلے دو جلدوں میں تھی، اب تحقیق کے بعد چار جلدوں میں طبع ہوئی ہے، نیز ''چند اصحاب عزیمت'' اور ''فکر کی غلطی'' بھی آپ کی گرانقدر تصنیفات میں ہیں۔

☆ ☆ ☆

مولانا محمد قاسم مظفر پوری

سن ولادت اور تعلیم

ہندوستان کے سینئر قاضی حضرت مولانا محمد قاسم مظفر پوری کی ولادت ۱۹۳۷ء میں مظفر پور (بہار) میں ہوئی، آپ کے والد ماجد کا نام محمد معین الحق ہے اور آپ کے وطن کا پورا پتہ اس طرح ہے: مقام منت نگر مادھو پور، ڈاک خانہ انگواں، وایا ججوارہ، ضلع مظفر پور (بہار)۔

قاضی صاحب کی ابتدائی تعلیم اپنے گھر پر ہی ہوئی، پھر ۱۹۵۱ء میں آپ نے مدرسہ امدادیہ دربھنگہ میں داخلہ لیا، وہاں ۱۹۵۳ء تک آپ کا قیام رہا اور مولانا عبدالرحیم صاحب، مفتی عبدالحفیظ صاحب، مولانا محی الدین صاحب وغیرہ سے عربی دوم، سوم اور چہارم کی کتابیں پڑھیں۔

۱۹۵۴ء میں آپ کا داخلہ دارالعلوم دیوبند میں ہوا، وہاں آپ نے نورالانوار، ہدایہ اولین، مقامات حریری وغیرہ سے دورۂ حدیث تک کی تعلیم حاصل کی، دورۂ حدیث میں آپ نے بخاری شریف کے ۶۴ راسباق شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ سے پڑھے اور حضرت مدنی کی وفات کے بعد بخاری کے بقیہ اسباق حضرت مولانا فخرالحسن مرادآبادی سے پڑھے، صحیح مسلم علامہ ابراہیم بلیاویؒ سے اور سنن ترمذی شیخ الادب مولانا اعزاز علی سے پڑھی، دورۂ حدیث کے سالانہ امتحان میں آپ کو اول پوزیشن سے کامیابی ملی۔

دارالعلوم میں آپ کے ساتھیوں میں مولانا قمرالدین صاحب (استاذ دارالعلوم دیوبند)، مولانا محمد اسلم صاحب (فرزند حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب و استاذ دارالعلوم وقف دیوبند)، مولانا محمد برہان الدین سنبھلی صاحب (استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ)، مولانا

عبدالحنان صاحب (بانی و مہتمم جامعہ اسلامیہ قاسمیہ بالا ساتھ، سیتامڑھی، بہار) وغیرہ کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

فراغت وتدریس

۱۹۵۷ء میں دارالعلوم دیوبند سے آپ کی فراغت ہوئی، فراغت کے بعد آپ اپنے استاذ مولانا عبدالرحیم صاحب کے حکم پر مدرسہ امدادیہ دربھنگہ میں تدریسی خدمت انجام دینے لگے، ڈیڑھ سال تک آپ نے وہاں اعزازی طور پر خدمت انجام دی، ۱۹۸۵ء میں مولانا محمد منت اللہ رحمانی (امیر شریعت رابع امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ) اور مولانا محمد عثمان صاحب (مہتمم مدرسہ رحمانیہ سوپول، دربھنگہ بہار) کی خواہش پر مدرسہ رحمانیہ تشریف لے گئے اور وہاں تدریسی خدمت میں مصروف ہو گئے، مدرسہ رحمانیہ میں آپ کو حماسہ، مشکوٰۃ، مسلم، بخاری وغیرہ چھوٹی بڑی تقریباً تمام کتابیں پڑھانے کا موقع ملا، آپ وہاں مشیخت حدیث کے منصب پر فائز تھے، مارچ ۲۰۰۴ء میں آپ وہاں سے ریٹائر ہو گئے۔

خدمتِ قضاء

مختلف علوم وفنون میں مہارت اور مختلف علمی میدانوں میں خدمت کے ساتھ آپ کی توجہ کا اصل مرکز باب قضاء اور آپ کی خدمت کا نمایاں پہلو کار قضاء ہے، چنانچہ خدمت قضاء کے حوالہ سے ہندوستان کے سب سے مؤقر ادارہ امارت شرعیہ (پھلواری شریف پٹنہ) نے جب ۱۹۸۵ء میں مدرسہ رحمانیہ سوپول (دربھنگہ) میں اپنا پہلا ذیلی دارالقضاء قائم کیا تو اسی وقت سے آپ اس دارالقضاء سے وابستہ رہے اور مولانا محمد عثمان صاحب کے حین حیات نائب ومعاون کی حیثیت سے خدمت انجام دیتے رہے اور مولانا موصوف کی وفات (فروری ۱۹۷۷ء) کے بعد مستقلاً یہ ذمہ داری آپ سے متعلق کر دی گئی، ۵۲/سال مستقل یہاں خدمت انجام دینے کے بعد ۴/فروری ۲۰۱۰ء کو آپ نے یہ ذمہ داری مولانا محمد شمیم صاحب (استاذ مدرسہ رحمانیہ سوپول) کو سونپ دی۔

مرکزی دارالقضاء امارت شرعیہ کے سینئر قاضی حضرت مولانا مجاہد الاسلام قاسمی کی وفات (۲۰۰۲ء) کے بعد آپ سے مرکزی دارالقضاء پٹنہ آجانے کی خواہش کی گئی؛ مگر آپ ضعف جسمانی، علالت اور بعض دیگر مصروفیات کی وجہ سے وہاں مستقلاً قیام پر رضامند نہیں ہوئے تو امارت کے ذمہ داروں نے اپیل کے مقدمات کی سماعت آپ سے متعلق فرمائی، آپ اس پر رضامند ہو گئے اور وقتاً فوقتاً مرکزی دارالقضاء امارت شرعیہ تشریف لے جاتے اور اپیل کے مقدمات کی سماعت فرماتے ہیں، نیز ابھی دو سال قبل امارت شرعیہ نے ''مہدولی'' (ضلع دربھنگہ) میں ایک دارالقضاء قائم کیا تو وہاں کا قاضی بھی آپ ہی کو مقرر کیا گیا۔

کارِ قضاء میں آپ کی مہارت اور دیرینہ تجربات سے فائدہ اُٹھانے کے لئے متعدد تربیت قضاء کیمپ میں آپ کو مربی کی حیثیت سے مدعو کیا جاتا رہا ہے؛ چنانچہ اس سلسلہ میں آپ کرناٹک، مالیگاؤں، تمل ناڈو، آسام (دارالعلوم بدر پور) اور حیدرآباد (المعہد العالی الاسلامی، شاہین نگر) وغیرہ کا کئی بار سفر کر چکے اور بے شمار علماء و فضلاء اور مفتیان و قضاۃ کی تربیت فرما چکے ہیں اور ہنوز یہ سلسلہ جاری ہے۔

خدمت قضاء اور دارالقضاء کی ان ذمہ داریوں کے علاوہ قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ نے ضلع دربھنگہ کے ایک مؤقر ادارہ مدرسہ اسلامیہ شکر پور بھروارہ کی صدارت بھی آپ کے سپرد فرمادی تھی، نیز آپ نے امیر شریعت رابع حضرت مولانا محمد منت اللہ رحمانی کی ایماء پر اپنے گاؤں (مادھو پور، مظفر پور) میں ایک مدرسہ بھی قائم فرمایا، مدرسہ کو حضرت حکیم الامت قاری محمد طیب صاحب (مہتمم دارالعلوم دیو بند) کے نام سے اور اس جگہ کو حضرت امیر شریعت رابع مولانا محمد منت اللہ رحمانی کے نام سے منسوب کرتے ہوئے، اس کا نام مدرسہ ''طیبہ منت نگر'' رکھا۔

علمی و قلمی سرمایہ

کارِ قضاء اور تدریس میں مستقل مشغول رہنے؛ بلکہ ان میں ''زندگی کھپا دینے'' کی وجہ سے آپ کو تصنیفی اور تالیفی کام کا زیادہ موقع نہیں مل سکا، تاہم آپ نے نصف صدی سے زائد

عرصہ تک جو قضاء کی خدمت انجام دی اور متعدد پیچیدہ مسائل پر اپنا فیصلہ قلم بند فرمایا، ان کی تعداد کئی ہزار تک پہنچتی ہے، جن میں سے دس ہزار فیصلے اس وقت محفوظ ہیں، اگر ان فیصلوں کو مرتب کر دیا جائے تو یہ آپ کا سب سے بڑا قلمی سرمایہ ہوگا اور ملک بھر میں خدمتِ قضاء انجام دینے والوں کے لئے سرمۂ بصیرت اور سنگ میل کا کام دے گا، اس کے علاوہ درج ذیل فقہی وغیر فقہی کتب ورسائل بھی زیورِ طبع سے آراستہ ہو کر اہل علم کے درمیان مقبول ہو چکے ہیں:

۱- مسجد کے آداب واحکام۔

۲- رشتے کا احترام کیجئے!

۳- بینک اور انشورنس کے چند مسائل۔

۴- مکاتیب رحمانی۔

۵- رہنمائے قاضی۔

۶- معلم ومربی کی بنیادی صفات۔

تلامذہ

کتب ورسائل تیار کرنے کے ساتھ آپ نے جو افراد تیار کئے، وہ بھی آپ کی زندگی کا بہترین سرمایہ ہیں، آپ کے شاگردوں کی بڑی تعداد مختلف علمی وفقہی مراکز میں نمایاں طور پر خدمات انجام دے رہی ہے، جن میں مولانا سعد اللہ صاحب (مہتمم مدرسہ رحمانیہ سوپول، دربھنگہ)، مولانا سہراب عالم ندوی قاسمی (نائب ناظم امارت شرعیہ پھلواری شریف، پٹنہ)، مولانا احمد ساقی مرحوم (نائب ناظم امارت شرعیہ پھلواری شریف، پٹنہ)، مولانا قمر الدین صاحب (استاذ دار العلوم وقف دیوبند)، مولانا الطاف حسین (استاذ مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور)، مولانا رحمت اللہ ندوی (حال مقیم قطر)، مولانا مجاہد الاسلام قاسمی (استاذ مدرسہ اسلامیہ شکرپور بھرواڑہ، دربھنگہ)، مولانا عبد اللہ مبارک ندوی اور مولانا نعمت اللہ قاسمی (متعلم جامعہ اُم القریٰ، مکہ المکرمہ) وغیرہ کے نام خاص کر قابل ذکر ہیں۔

خصوصیات وامتیازات

قاضی صاحب کو اللہ تعالیٰ نے بہت سے امتیازی اوصاف اور قابل تقلید خصوصیات سے نوازا ہے، جن کو درج ذیل نکات میں بیان کیا جاسکتا ہے :

۱- آپ پڑھنے لکھنے میں ہمیشہ اپنے ساتھیوں میں ممتاز رہے، یہی وجہ ہے کہ دارالعلوم دیوبند میں دورۂ حدیث کے سالانہ امتحان میں آپ کو اول پوزیشن سے کامیابی حاصل ہوئی۔

۲- اُصولِ فقہ اور فقہی جزئیات کے علاوہ نصوص شرعیہ پر آپ کی گہری نظر ہے، ہر مسئلہ میں آپ کی نظر سب سے پہلے نص قرآن یا نص حدیث پر جاتی ہے اور بڑی باریک بینی کے ساتھ نصوص سے نتیجہ اخذ کرنے میں آپ کامیاب ہوجاتے ہیں۔

۳- کارِ قضاء میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو بڑی مہارتوں اور لیاقتوں سے نوازا ہے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو رعب وہیبت سے بھی وافر حصہ عطا فرمایا ہے اور آپ کی گفتگو میں بے پناہ تاثیر بھی رکھی ہے؛ چنانچہ بڑا سے بڑا شرپسند شخص آپ کی ہیبت سے کانپ جاتا اور سخت سے سخت انسان آپ کی گفتگو سے پگھل جاتا ہے اور آپ ان کے باہمی نزاعات میں جو فیصلہ فرمادیتے ہیں، انھیں وہ نہ صرف بہ سروچشم قبول کرتے ہیں؛ بلکہ بعض مرتبہ آپ کی ڈانٹ پھٹکار پر بھی انھیں ناگواری نہیں ہوتی۔

۴- آپ کی ایک امتیازی اور قابل تقلید صفت آپ کی سادگی اور تواضع ہے، آپ معمولی سے معمولی طالب علم کے ساتھ بھی انتہائی اکرام سے پیش آتے ہیں اور اپنے چھوٹوں سے ایسی شفقت کا معاملہ فرماتے ہیں کہ بسا اوقات شفقت پدری بھی پھیکی معلوم ہونے لگتی ہے، علمی تفوق کے ساتھ ایسی تواضع اور متعدد خوبیوں کے ساتھ ایسی سادگی بہت کم دیکھنے کو ملتی ہے۔

۵- پانچویں اہم خصوصیت یہ ہے کہ آپ کی علمی لیاقت اور کارِ قضاء میں مہارت کو دیکھتے ہوئے بہت سے اداروں نے آپ کی خدمت چاہی، مگر آپ نے ہمیشہ اپنے علاقہ کی

ضرورت کو محسوس کیا اور وہیں خدمت انجام دینے کو ترجیح دی، گویا آپ کی نظر نام ونمود، حشمت وجاہ اور مادی فوائد پر نہیں؛ بلکہ فرمانِ الٰہی "لینذروا قومهم إذا رجعوا إليهم" (التوبۃ:۱۲۲) پر رہی اور علاقہ کی ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے اسی کو اپنی توجہ کا مرکز اور خدمت کا میدان بنایا، اللہ تعالیٰ آپ کے سایہ کو تا دیر قائم رکھے اور آپ کے فیضان کو مزید عام وتام فرمائے۔ آمین

☆ ☆ ☆

مفتی جمیل احمد نذیری

آپ کی ولادت ۱۱ر اگست ۱۹۵۶ء کو آپ کے نانیہالی شہر ''گنا'' (مدھیہ پردیش) میں ہوئی، آپ کے والد کا نام مولانا نذیر احمد ہے اور آپ کا آبائی وطن نوادہ، مبارک پور، ضلع اعظم گڑھ (اتر پردیش) ہے۔

آپ نے بالکل ابتدائی تعلیم اپنی والدہ، والد اور نانا سے حاصل کی، پھر اپنے محلہ کے مدرسہ عین الاسلام میں تعلیم حاصل کی، اس کے بعد جامعہ عربیہ احیاء العلوم مبارک پور میں داخلہ لیا اور عربی درجات کی تعلیم حاصل کی، ۱۳۹۳ھ مطابق ۱۹۷۳ء میں آپ کا داخلہ دار العلوم دیوبند میں ہوا، آپ نے یہاں دو سال قیام کیا اور ۱۳۹۵ھ مطابق ۱۹۷۵ء میں یہاں سے فراغت پائی۔

دار العلوم دیوبند سے فراغت کے بعد آپ نے سب سے پہلے دار العلوم فاروقیہ کاکوری (لکھنؤ) میں تدریس کی خدمت انجام دی، پھر آپ اپنے وطن مبارکپور کے مدرسہ احیاء العلوم سے وابستہ ہوئے اور بالآخر اپنے ابتدائی مدرسہ عین الاسلام آئے اور اس کی ذمہ داری سنبھالی، اس وقت آپ اسی ادارہ کے مہتمم اور ذمہ دار ہیں۔

مفتی صاحب نے مدرسہ کی ذمہ داری، تدریس اور اصلاحی کاموں کے ساتھ خاص کر فقہ و فتاویٰ کا کام ہمیشہ جاری رکھا اور اس میں ایک قسم کا امتیاز پیدا کیا؛ چنانچہ آپ نے اپنی تدریسی زندگی کے آغاز ہی سے دار العلوم فاروقیہ (لکھنؤ) میں تدریس کے ساتھ افتاء کا کام بھی انجام دیا، اس کے بعد جامعہ عربیہ احیاء العلوم میں بھی افتاء کا کام آپ کے سپرد رہا اور اس وقت بھی مدرسہ عین الاسلام کے اہتمام کے ساتھ افتاء کی ذمہ داری آپ ہی سے متعلق ہے اور دینی

وشرعی رہنمائی کے لئے عوام کی بڑی تعداد آپ سے رُجوع ہوتی ہے۔

آپ نے فقہ، ادب اور عقائد وغیرہ پر کئی کتابیں بھی تصنیف فرمائی ہیں، جن کی تعداد دو درجن سے زیادہ ہے؛ چنانچہ فقہ میں مسئلہ ایصالِ ثواب، نان ونفقہ کا مسئلہ، دیس پر دیس کے شرعی مسائل اور فتاویٰ احیاء العلوم (جلد اول) خاص کر قابل ذکر ہیں اور دیگر موضوعات پر اسلام اور عہد حاضر، دولت اور غربت اسلام کی نظر میں، فرقہ وارانہ فسادات اور مسلمان، گھریلو جھگڑے اور ان کا حل قرآن وحدیث کی روشنی میں، مصافحہ کا مسنون طریقہ، رہنمائے مطالعہ ومضمون نگاری، اہل حدیث — چند حقائق، رضا خانی ترجمہ وتفسیر ایک نظر میں اور بادۂ وحدت حرمین کے سائے میں (نعتیہ مجموعہ) خاص کر قابل ذکر ہیں، ان کے علاوہ ''فتاویٰ مفتی محمد یٰسین'' بھی آپ نے مرتب کی ہے۔

آپ نے جن بزرگوں سے تعلیم حاصل کی، ان میں مولانا معراج الحق صاحب، قاری محمد طیب صاحب (مہتمم دار العلوم دیوبند)، مولانا شریف حسن صاحب، مفتی نظام الدین اعظمی، مولانا نصیر احمد خاں صاحب، مولانا خورشید عالم صاحب (دیوبند) اور مولانا شکر اللہ نعمانی صاحب (ولید پور) خصوصیت سے قابل ذکر ہیں اور جن لوگوں نے آپ سے کسب فیض کیا ان میں مولانا عبد الولی فاروقی (لکھنؤ)، مولانا عارف جمیل ومولانا محمد عامر (مبارک پور)، مولانا سرفراز احمد قاسمی، مفتی نور الہدیٰ قاسمی (بھوپال)، مولانا ظفر اقبال ومولانا اصغر علی (گیا)، مولانا عبد المتین ومفتی نوید اختر (ارریا) خاص کر قابل ذکر ہیں۔

☆ ☆ ☆

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

سن ولادت اور وطن

حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی مؤرخہ: ۴؍ جمادی الاولیٰ ۱۳۷۶ھ، مطابق: نومبر ۱۹۵۶ء میں پیدا ہوئے، آپ کا تاریخی نام آپ کے چچا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ نے ''نورِ خورشید'' رکھا، آپ مولانا حکیم زین العابدین صاحب (۱) کے خلفِ رشید ہیں :

یہ زینِ عابدین کے خلفِ رشید ہیں
خلق و کمالِ علم میں فردِ وحید ہیں

آپ ''قاضی محلہ'' جالے، ضلع دربھنگہ (بہار) کے رہنے والے ہیں اور اس وقت دکن کے مشہور علمی شہر حیدرآباد میں مقیم ہیں۔

تعلیم و تربیت

آپ نے قرآن مجید اور ابتدائی اُردو وغیرہ اپنی دادی، والدہ اور پھوپھا مولانا وجیہ احمد سے پڑھی، فارسی اور عربی کی ابتدائی کتابیں اپنے والد صاحب سے پڑھیں، پھر آپ نے اپنی

---

(۱) مولانا زین العابدین کا شمار اپنے زمانہ کے ممتاز علماء میں ہوتا ہے، جو صحت کی ناموافقت کی وجہ سے باہر نہیں جاسکے اور ابتداء سے انتہاء تک اپنے والد مولانا عبدالاحد صاحب سے ہی کسبِ علم کیا؛ البتہ طب کی تعلیم لکھنؤ میں حاصل کی، آپ گورنمنٹ طبیب تھے اور اسی کو ذریعہ معاش بنا کر ہمیشہ فی سبیل اللہ علم دین کی خدمت کرتے رہے، قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ (سابق صدر مسلم پرسنل لا بورڈ) نے فارسی اور عربی کی ابتدائی کتابیں انھیں سے پڑھیں، اتباعِ سنت کا خاص اہتمام اور بدعت سے بہت ہی نفور تھا، عربی زبان وادب کا بڑا عمدہ ذوق رکھتے تھے، ملی مسائل میں جمعیۃ علماء ہند کی طرف جھکاؤ تھا، 'دینِ ابراہیمی'، 'سیرت مصطفیٰ' اور 'مقام الحدیث' جیسی تصانیف آپ کے علمی شاہکار ہیں۔

پڑوس کی بستی "دوگھرا" میں قائم مدرسہ قاسم العلوم حسینیہ میں ایک دو سال تعلیم حاصل کی، یہاں مولانا عبدالحمید قاسمی (نیپال) آپ کے خاص استاذ تھے، متوسطات سے دورۂ حدیث تک آپ کی تعلیم جامعہ رحمانی مونگیر میں ہوئی، یہاں مولانا شمس الحق صاحبؒ، مولانا اکرام علی صاحبؒ (جو بعد میں جامعہ تعلیم الدین ڈابھیل میں شیخ الحدیث ہوئے) مولانا حبیب الرحمٰن قاسمی (جو اس وقت دارالعلوم حیدرآباد میں شیخ الحدیث ہیں) مولانا فضل الرحمٰن قاسمی (جو اس وقت دارالعلوم سبیل السلام حیدرآباد میں نائب شیخ الحدیث ہیں) اور مولانا فضل الرحمٰن رحمانی (جو بعد میں جامعہ اسلامیہ بھٹکل میں شیخ الحدیث ہوئے) وغیرہ سے آپ نے خصوصی استفادہ کیا۔

جامعہ رحمانی مونگیر سے شعبان ۱۳۹۵ھ میں آپ فارغ ہوئے، پھر مکرر دورۂ حدیث کے لئے دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور شعبان ۱۳۹۶ھ میں یہاں سے فارغ ہوئے، دیوبند میں آپ نے بخاری جلد اول مولانا شریف حسن دیوبندیؒ سے اور جلد ثانی مفتی محمود حسن گنگوہیؒ سے پڑھی، ان کے علاوہ مولانا محمد حسین بہاریؒ، مولانا معراج الحق صاحبؒ، مولانا نصیر احمد خان صاحبؒ، مفتی نظام الدین اعظمیؒ، مولانا سید انظر شاہ کشمیریؒ، مولانا محمد نعیم دیوبندیؒ اور مولانا محمد سالم قاسمی مدظلہ سے بھی مختلف کتابیں پڑھنے کا موقع ملا۔

دیوبند سے فراغت کے بعد آپ امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ گئے اور وہاں دو سال (شوال ۱۳۹۶ھ تا شعبان ۱۳۹۸ھ) رہ کر قضاء وافتاء کی تربیت حاصل کی، تربیتِ قضاء میں آپ نے جناب محمد شفیع صاحب — جو اگر چہ پورے عالم نہیں تھے، مگر مفکر اسلام مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد علیہ الرحمہ کی طویل صحبت کی وجہ سے قضاء کے باب میں بڑی مہارت رکھتے تھے — سے بھر پور استفادہ کیا اور وہیں آپ کو قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ صاحب سے بھی خصوصی استفادہ کا موقع ملا، یہاں پر خود مولانا کا ایک اقتباس اختصار کے ساتھ نقل کیا جاتا ہے، آپ لکھتے ہیں:

> اس حقیر کو حضرت قاضی صاحبؒ سے کچھ زیادہ اسباق پڑھنے کا موقع نہیں ملا؛ لیکن میری تربیت میں ان کا بڑا حصہ ہے، وہ مجھ

سے مختلف اور متنوع قسم کے کام لیتے اور منشاء یہ ہوتا کہ مختلف پہلوؤں سے میری تربیت ہو...... اس زمانہ میں میں نے کئی پروگراموں کے خطبۂ استقبالیہ، افتتاحی و صدارتی خطبات اور کتابوں کے پیش لفظ لکھے، میں پوچھتا کہ اس میں کیا لکھا جائے ؟ تو فرماتے کہ ''میں کیوں بتاؤں، تم خود سوچو کہ موقع کی مناسبت سے کیا کیا باتیں آنی چاہئیں ...... اس سے مجھے بڑا فائدہ ہوا اور اب اس طرح کی چیزیں کم وقت میں قلم برداشتہ لکھی جاسکتی ہیں۔(۱)

تدریسی خدمت

شوال ۱۳۹۷ھ میں آپ امیر ملت اسلامیہ آندھرا پردیش مولانا حمید الدین حسامی عاقلؒ کی دعوت پر تدریس کے لئے دار العلوم حیدر آباد تشریف لائے، آپ کی حیدر آباد دکن آمد پر بے ساختہ زبان پر یہ شعر آتا ہے کہ :

وہ جو پھول اک کھلا کر دیا قاسمی چمن نے
بڑے پیار سے اُٹھایا اسے دامنِ دکن نے

دار العلوم حیدر آباد میں اس وقت شرح جامی تک ہی تعلیم تھی؛ چنانچہ رحمتِ عالم، شرح مأۃ عامل، قدوری اور شرح تہذیب کے اسباق آپ سے متعلق ہوئے اور بہت جلد یہاں کے مقبول اساتذہ میں آپ کا شمار ہونے لگا؛ لیکن کسی وجہ کر یہاں آپ کی طبیعت بھی نہیں لگ رہی تھی اور اُدھر دار العلوم سبیل السلام کے ذمہ داروں کا اصرار بھی تھا کہ آپ سبیل السلام آجائیں؛ چنانچہ مولانا عاقل صاحب کی اجازت سے ۱۳۹۸ھ کا تعلیمی سال پورا کرکے آپ سبیل السلام منتقل ہوگئے، یہاں بھی آپ کا درس بہت مقبول ہوا اور ایک ہی سال بعد شوال ۱۳۹۹ھ میں

(۱) قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ — حیات و خدمات: ۱۴۹

آپ کو یہاں کا صدر مدرس بنا دیا گیا، یہاں شعبان ۱۴۲۰ھ تک تقریباً ۲۲ سال آپ نے خدمت انجام دی، یہاں آپ کو رحمتِ عالم سے لے کر بخاری شریف تک درسِ نظامی کی تقریباً تمام کتابیں اور تمام فنون پڑھانے کا موقع ملا۔

مولانا کو اللہ تعالیٰ نے تربیت اور افراد سازی کا بہترین ملکہ عطا فرمایا ہے اور خاص کر فقہ و فتاویٰ میں آپ کی تربیت مثالی؛ بلکہ بے مثال ہے؛ چنانچہ فقہ میں فضلاء مدارس کی تربیت کے لئے آپ کی تحریک پر شوال ۱۴۰۹ھ میں تخصص فی الفقہ (افتاء) کا شعبہ قائم ہوا اور اس کی پوری علمی صورت گری آپ ہی نے کی، پھر آپ نے اس انداز سے فضلاء کی تربیت فرمائی کہ پورے ملک میں اس شعبہ کو شہرت حاصل ہوئی اور سبیل السلام فضلاء مدارس کا مرجع بن گیا۔

المعہد العالی الاسلامی کا قیام

شعبان ۱۴۲۰ھ میں آپ سبیل السلام سے مستعفی ہو گئے اور اکابر کے مشورہ سے فضلاء مدارس کی تربیت کے لئے ایک مستقل ادارہ ''المعہد العالی الاسلامی'' قائم فرمایا، جس میں مشق فتاویٰ کے علاوہ کئی اسباق آپ سے متعلق ہیں اور وقفہ وقفہ سے کسی خاص موضوع پر تمام طلبہ میں محاضرے بھی دیتے ہیں، سبیل السلام سے علاحدگی اور معہد کے قیام کے بعد دارالعلوم حیدرآباد کی انتظامیہ کے اصرار پر آپ وہاں ترمذی شریف کا درس بھی دیا کرتے تھے اور وہاں کے تخصصات کے شعبوں کی نگرانی بھی فرماتے تھے؛ اس جزوی خدمت کا سلسلہ تقریباً دو سال چلا، پھر اپنی مصروفیات کی بنا پر دارالعلوم حیدرآباد کی جزوی خدمت سے سبکدوش ہو گئے اور پورے طور پر معہد ہی کو اپنی توجہ کا مرکز بنایا۔

امتیازات و خصوصیات

اللہ تعالیٰ نے مولانا کو گوناگوں خوبیوں سے نوازا ہے، تفسیر، حدیث، رجال، سیر، فقہ، اُصولِ فقہ، قواعد فقہیہ اور درسِ نظامی کے جملہ فنون پر آپ کی گہری نظر ہے، تاہم چند ایسی چیزیں جو آپ کو اپنے ہم عصروں سے ممتاز کرتی ہیں، ان کو درج ذیل نکات میں بیان کیا جا سکتا ہے:

۱-وسعتِ مطالعہ

مولانا نے شروع سے ہی مطالعہ کا خاص اہتمام رکھا اور اس کے لئے کئی طرح کی مشقتوں کا سامنا کیا، زمانۂ طالب علمی میں اپنی جیب خرچ سے رقم بچا کر کتابیں خریدتے اور اگر کتاب کئی جلدوں میں اور خطیر رقم کی متقاضی ہوں تو دیگر ساتھیوں کو رغبت دلا کر ان کے اشتراک سے خریدتے تھے، شروع زمانۂ تدریس میں بھی آپ کی آمدنی کا ایک مناسب حصہ کتابوں کی خریداری اور علمی کاموں میں صرف ہوا اور آپ کا زیادہ وقت مطالعہ و کتب بینی میں گذرا، سیرت کی اُردو کتاب ''رحمت عالم'' پڑھانے کے لئے آپ سیرت ابن ہشام اور سیرت کی دیگر بڑی کتابوں کا مطالعہ کرتے تھے، ترجمہ قرآن پڑھانے کے لئے ہر سال تفسیر کی کسی ایک مبسوط کتاب کے مطالعہ کا اہتمام کرتے تھے، بخاری اور ترمذی پڑھانے کے کئی کئی شروح حدیث کو مطالعہ میں رکھتے تھے، جو کتابیں مدرسہ کے کتب خانہ میں موجود نہیں ہوتیں، ان کے مطالعہ کے لئے شہر کی دوسری لائبریریوں کا رُخ کرتے تھے؛ چنانچہ دارالعلوم حیدرآباد میں تدریس کے زمانہ میں آپ نے حیدرآباد کی آصفیہ لائبریری سے خوب استفادہ کیا، آپ روزانہ عصر تا عشاء مذکورہ لائبریری میں مطالعہ فرماتے اور خاص مطالعہ کو نوٹ فرماتے تھے، مطالعہ کا شوق آپ کو آتے جاتے راہوں میں بھی کتب بینی پر مجبور کرتا تھا؛ چنانچہ بسا اوقات مدرسہ سے گھر جاتے ہوئے موٹر (بائیک) از خود اس لئے نہیں چلاتے تھے؛ تاکہ پیچھے بیٹھ کر کتاب کا مطالعہ ممکن ہو سکے اور آج بھی ملاقاتیوں کے ہجوم اور مختلف مشغولیات کی وجہ سے گھر پر مطالعہ کا زیادہ وقت نہیں مل پاتا؛ لیکن جب آپ کسی سفر پر ہوتے ہیں تو آمد و رفت کا بیشتر وقت کسی مقالہ یا مسودہ کے مطالعہ میں گذرتا ہے، آپ کے مطالعہ کی کثرت ہی کا نتیجہ ہے کہ کسی بھی مسئلہ کی جستجو کے لئے اپنے طلبہ کو حدیث، تفسیر اور فقہ وغیرہ کی مختلف کتابوں کے محل وقوع کی برملا نشان دہی فرمادیتے ہیں اور نئے پیش آنے والے مسائل کی نظیر تلاش کرنا آپ کے لئے مشکل نہیں ہوتا۔

۲- نئے مسائل کا مناسب حل

مولانا کی دوسری اہم خصوصیت نئے مسائل کا حل ہے، معاشرہ میں پیش آنے والے وہ مسائل جو قدیم فقہاء کی کتابوں میں موجود ہیں ان کو تلاش کرنا کسی قدر آسان ہے، مگر معاشرہ میں پیش آنے والے ایسے مسائل جن کی اصل حیثیت ہی متعین کرنا انتہائی دشوار ہوتا ہے، پھر اس پر قرآن وحدیث اور فقہی جزئیات کو منطبق کرنا اور صحیح رائے قائم کرنا، جہاں علم میں وسعت، گہرائی اور تنوع کو چاہتا ہے، وہیں اعلیٰ ذہانت اور صحت مند و مضبوط فکر بھی درکار ہوتی ہے، مولانا کو اللہ تعالیٰ نے ان تمام مطلوبہ خوبیوں سے نوازا ہے؛ چنانچہ آپ پیش آنے والے کسی بھی مسئلہ کی تہہ تک بہت جلد پہنچ جاتے ہیں اور آپ کا ذہن اس مسئلہ کی حقیقت اور صحیح صورتِ حال کا اندازہ کرلیتا ہے، پھر آپ اپنی وسعت علمی کی بدولت اس مسئلہ کے تعلق سے صحیح رائے قائم کرنے میں کامیاب ہوجاتے ہیں؛ چنانچہ ''جدید فقہی مسائل'' کے عنوان سے پانچ جلدوں میں آپ کی تالیف، مختلف سیمیناروں کے موقع سے اہم مسائل میں آپ کی آراء اور زبانی وتحریری پوچھے جانے والے روزمرہ کے سوالات کے جواب اس پر اچھی طرح شاہد ہیں، انہی وجہ سے بجا طور پر ملک میں آپ کو ''فقیہ العصر'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

نئے مسائل کے حل میں آپ کی مہارت جہاں خداداد ذہانت، بے پناہ محنت اور وسعت مطالعہ کی وجہ سے ہے، وہیں اس میں قاضی مجاہد الاسلام قاسمی کی صحبت اور دارالعلوم دیوبند کے صدر مفتی مولانا نظام الدین اعظمی کے فیض کا بھی حصہ ہے، مفتی نظام الدین اعظمی کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کے بعد حلقۂ دیوبند میں نئے مسائل کی طرف سب سے زیادہ توجہ آپ نے ہی دی ہے — مولانا خالد سیف رحمانی کے اندر نئے مسائل کے حل کی صلاحیت پیدا کرنے میں مفتی نظام الدین اعظمی کی شاگردی اور جدید وسائل سے بھرپور شہر حیدرآباد میں آپ کی آمد پر کسی نے خوب کہا ہے کہ :

دست ''نظام'' سے جو پی کر کے آیا جی بھر
شہر ''نظام'' میں وہ ساغر لٹا رہا ہے

۳- نصوص سے اعتناء

احناف کے بارے میں عام طور سے دوسرے حلقوں کا یہ رجحان ہے کہ ان کے نزدیک نصوص کی کوئی اہمیت نہیں ہے اور یہ مسائل میں اپنے فقہاء کی آراء کو ترجیح دیتے اور اسی کو حرفِ آخر سمجھتے ہیں، یہ مفروضہ اگرچہ تعصب اور عداوت و دشمنی پر مبنی اور حنفیت کے خلاف پروپیگنڈہ اور بے جا الزام ہے، مگر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ہمارے بعض علماء کسی مسئلہ پر صریح نص رہنے کے باوجود بھی صرف فقہی عبارت کو پیش کر دینے پر اکتفا کر لیتے ہیں، جس کی وجہ سے لوگوں میں یہ غلط فہمی پیدا ہوتی ہے اور ان کو پروپیگنڈہ کرنے کا موقع ملتا ہے — حضرت مولانا کسی بھی مسئلہ پر اگر نص موجود ہو تو پہلے نص پیش کرتے ہیں، پھر فقہاء کی عبارت بھی پیش کرتے ہیں، جس کے دو فائدے ہیں: حدیث پیش کرنے کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ مسئلہ معلوم کرنے والے کو یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ ہدایت اللہ اور اللہ کے رسول کی طرف سے ہے اور اسی کے مطابق فقہی عبارت پیش کر دینے سے ان کو یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ فقہ حنفی قرآن و حدیث سے کوئی الگ چیز نہیں ہے؛ بلکہ ہمارے فقہاء متبوعین نے قرآن و حدیث ہی سے مسائل کا استنباط کیا ہے، نیز حدیث کے بعد فقہی عبارت پیش کرنے سے جواب لکھنے والے پر بھی یہ اعتماد ہو جاتا ہے کہ اس نے آیات یا احادیث کی تشریح اپنی جانب سے نہیں کی ہے؛ بلکہ فہم آیات یا فہم حدیث میں متقدمین فقہاء پر اعتماد کیا ہے۔

۴- جائز متبادل پیش کرنا

لوگوں کے احوال و ضروریات سے آنکھیں موند کر کسی بھی مسئلہ پر صرف جائز یا ناجائز ہونے کا فتویٰ صادر کر دینا، نہ اُمت کے لئے خاص مفید ہوتا ہے نہ قابل عمل؛ اس لئے کہ بسا اوقات انسان اپنے مخصوص حالات اور ملکی و بین الاقوامی قانون کے تناظر میں بعض معاملات اور طریقۂ کار پر مجبور سا ہوتا ہے، ایسے وقت میں صرف اس فعل اور طریقۂ کار کو ناجائز کہہ دینے کی وجہ سے اس کو ترک کرنا نہ آسان ہوتا ہے اور نہ نقصان سے خالی؛ اس لئے

ضرورت ہوتی ہے کہ اس کے لئے دوسرا صحیح راستہ اور جائز متبادل پیش کیا جائے؛ تا کہ مبتلی بہ کے لئے اس جائز صورت کو اختیار کر کے ناجائز فعل وطریقۂ کار سے بچ نکلنا آسان ہو — مولانا کے فتاویٰ اور جواب میں اس چیز کا خاص خیال ہوتا ہے، کسی چیز کو ناجائز لکھنے کے بعد اس کے شرعی پہلو کے ساتھ، عقلی پہلو سے بھی اس کی خرابیوں اور نقصانات کو واضح کرتے ہیں، پھر اس کا ایسا جائز متبادل پیش کرتے ہیں کہ مبتلی بہ کے لئے اس ناجائز فعل کو چھوڑنا آسان ہو جاتا ہے۔

۵- آسان تر زبان و اُسلوب

کسی بھی چیز کو لکھنے یا بولنے کا مقصد مخاطب کو وہ بات سمجھا دینا ہوتا ہے؛ لیکن بسا اوقات لوگ مسائل کے بیان میں اس طرح فقہی اصطلاحات اور عربی الفاظ کا استعمال کرتے ہیں کہ عام لوگوں کے لئے اس کا سمجھنا دشوار ہو جاتا ہے، یا اُسلوب ایسا گنجلک اور جملوں کی ترتیب ایسی پیچیدہ ہوتی ہے کہ مقصد تک مخاطب کی رسائی نہیں ہو پاتی یا دیر میں ہوتی ہے — مولانا اپنے درس، تقریر اور تحریر میں ایسی زبان اور ایسا اُسلوب اختیار کرتے ہیں کہ عامی سے عامی آدمی بھی سمجھ لیتا ہے اور مطلب تک رسائی میں دشواری نہیں ہوتی؛ چنانچہ تجارت کی ایک شکل سے متعلق استفسار پر لکھتے ہیں:

> اس طرح کے معاملات کو شریعت کی اصطلاح میں ''مضاربت'' کہتے ہیں، یعنی ایک شخص کا سرمایہ ہو، دوسرے شخص کی محنت اور نفع میں دونوں شریک ہوں؛ لیکن اس معاملہ کے درست ہونے کے لئے ضروری ہے کہ نفع کا تناسب بھی متعین ہو، مثلاً: یوں بات ہو کہ جو نفع ہوگا اس کا 60% میں لوں گا اور 40% آپ کو دوں گا، یہ صورت کہ اپنی مرضی سے جو بھی نفع چاہوں گا دے دوں گا، درست نہیں۔(۱)

(۱) کتاب الفتاویٰ: ۲۸۹/۵

ان کے علاوہ، نرم خوئی، تواضع، سادگی، چھوٹوں کی حوصلہ افزائی، حسب حال ہر ایک کی رعایت، قوت برداشت اور مسلکی رواداری، یعنی حنفیت میں تصلب اور علماء دیوبند کی حق پرستی کے اظہار کے ساتھ دوسرے مسلک و مشرب کے لوگوں سے اچھا برتاؤ اور ان کے ساتھ مل کر کام کرنا، یہ سب آپ کے قابل تقلید اوصاف ہیں۔

دینی و فقہی خدمات

مولانا کی دینی و فقہی خدمات کو درج ذیل خانوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے :

۱- دینی اداروں کا قیام

مولانا کی دینی و فقہی خدمات کا ایک پہلو مختلف دینی و فقہی اداروں کا قیام اور اس کی کوشش ہے؛ چنانچہ مولانا نے مختلف مدارس سے عالمیت اور فضیلت سے فارغ ہونے والے علماء کی مزید تربیت کے لئے ۲۰۰۰ء میں ''المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد'' قائم فرمایا، جس میں تفسیر و حدیث اور انگریزی زبان کے علاوہ خصوصیت کے ساتھ فقہ و فتاوٰی کی تربیت دی جاتی ہے(۱)، جو طلبہ حفظ کے بعد کسی مجبوری کی بنا پر آگے تعلیم جاری نہیں رکھ پاتے ہیں، یا جو عصری دانش گاہوں میں تعلیم حاصل کرتے ہوئے، یا اپنی دوسری مصروفیات کے ساتھ دینی تعلیم کے خواہاں ہوں، ان کے لئے مولانا نے شہر حیدرآباد کے سہل الوصول علاقہ ''سعید آباد'' میں مدرسہ عبداللہ ابن مسعودؓ قائم فرمایا، جس میں مختلف عمر اور مختلف پیشوں سے جڑے افراد کو عصر تا عشاء پانچ سالہ عالمیت کورس پڑھایا جاتا ہے، گھر کے ماحول کو دینی بنانے اور اسلامی خطوط پر بچوں کی تربیت کے لئے خواتین کی تعلیم انتہائی ضروری ہے؛ چنانچہ مولانا نے اپنے بعض شاگردوں بالخصوص مولانا کے نہایت معتمد شاگرد اور رفقاء کے اشتراک سے جامعہ عائشہ نسوان (مادنا پیٹ، حیدرآباد) قائم فرمایا جس میں طالبات کے لئے افتاء تک کی تعلیم کا نظم ہے، مولانا نے اپنے آبائی وطن جالے (ضلع دربھنگہ بہار) میں بھی ایک مدرسہ ''سبیل الفلاح'' کے نام سے قائم

(۱) المعہد العالی الاسلامی کا مفصل تعارف ساتویں باب میں ''فقہی ادارے'' کے تحت دیکھیں۔

فرمایا، جس میں عربی چہارم تک تعلیم ہوتی ہے اور طالبات کے لئے ''مدرسۃ الفالحات'' قائم فرمایا، جس میں دورۂ حدیث تک تعلیم کا نظم ہے، اس کے علاوہ مدرسہ نور العلوم کوہیر (ضلع میدک، آندھرا پردیش)، مدرسہ تعلیم القرآن للبنات (نور خاں تعلیم، بیدو، کرناٹک)، مدرسۃ الرشاد (بیگم پیٹ، حیدرآباد) وغیرہ کئی مدارس اور دینی درسگاہوں کے قیام میں آپ کا حصہ ہے۔

۲- فقہی رہنمائی

فقہ و فتاویٰ اور خاص کر نئے مسائل میں آپ کی آراء پر ہند و بیرونِ ہند کے مسلمانوں کو بڑا اعتماد و اعتبار ہے؛ چنانچہ مختلف اداروں اور تنظیموں نے شرعی رہنمائی کے لئے آپ کو اپنا رکن بنایا ہے اور آپ قرآن و حدیث اور فقہ اسلامی کی روشنی میں ان کی رہنمائی کا فریضہ انجام دے رہے ہیں، جن کی تفصیل حسب ذیل ہے :

(الف) مسلم پرسنل لا بورڈ

ہندوستان کی سب سے مؤقر اور ہمہ مسلکی پلیٹ فارم ''مسلم پرسنل لا بورڈ'' کی لیگل کمیٹی کے آپ رکن ہیں، جس میں عدالت سے پاس ہونے والے قوانین کا قرآن و حدیث اور فقہ اسلامی کی روشنی میں جائزہ لیا جاتا ہے اور بعض مسائل میں اسلامی موقف کو عدالت کے سامنے پیش کرنے کے لئے قوانین اسلامی کو آپ مرتب بھی فرماتے ہیں، اس کے علاوہ بورڈ کی تفہیم شریعت کمیٹی، نکاح نامہ کمیٹی اور دار القضاء کمیٹی کے بھی آپ رکن ہیں۔

(ب) اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا

اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا ایک خالص فقہی ادارہ ہے، (۱) جو نئے پیش آنے والے مسائل پر غور و فکر کرنے اور ان کا شرعی حل پیش کرنے کے لئے ملکی و بین الاقوامی سطح پر خدمت انجام دے رہا ہے، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی اس ادارہ کے جنرل سکریٹری ہیں، آپ اپنے بعض رفقاء کے ساتھ نئے مسائل کی صورت کا تجزیہ کرتے ہیں، شرعی و فقہی اعتبار سے غور طلب

---

(۱) اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کا تفصیلی تعارف ساتویں باب میں ''فقہی ادارے'' کے تحت دیکھیں۔

پہلوؤں سے متعلق سوالات مرتب کرتے ہیں اور علماء و مفتیان کی مختلف آراء اور مناقشوں کو سامنے رکھ کر تجاویز مرتب کرتے ہیں، اس کے علاوہ اکیڈمی کے تحت ہونے والے مختلف ورکشاپ میں علماء وطلبہ کے سامنے فقہی موضوعات پر محاضرات بھی پیش کرتے ہیں۔

(ج) دارالقضاء امارت ملت اسلامیہ آندھرا پردیش

مولانا کی فقہی وشرعی رہنمائی کا تیسرا پلیٹ فارم امارت ملت اسلامیہ آندھرا پردیش کا دارالقضاء ہے، ۱۹۷۲ء میں جب آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کا قیام عمل میں آیا تو اسی وقت یہ بات بھی طے پائی کہ ہندوستان کے طول وعرض میں امارت اور دارالقضاء کے نظام کو وسعت دی جائے؛ چنانچہ ۱۹۷۳ء میں ریاست آندھرا پردیش کے لئے ''امارت ملتِ اسلامیہ'' کا قیام عمل میں آیا، مولانا مفتی عبدالحمید صاحب، شیخ الجامعہ نظامیہ امیر اور مولانا محمد حمید الدین حسامی عاقل ومولانا محمد حامد صدیقی (فاضل دیوبند) معاون امیر منتخب ہوئے، امارت کے قیام کے ساتھ ہی دارالقضاء کا نظام بھی قائم کیا گیا اور مفتی عبدالحمید صاحب امارت کے ساتھ ساتھ قضاء کا فریضہ بھی انجام دیتے رہے، ان کی وفات کے بعد مولانا محمد حمید الدین حسامی عاقل امیر منتخب ہوئے اور آپ ہی نے قضاء کی ذمہ داری بھی سنبھالی، پھر مولانا کی دعوت پر ۱۹۷۸ء میں مولانا خالد سیف اللہ رحمانی حیدرآباد تشریف لائے اور انھوں نے مولانا کے حکم پر قضاء کی ذمہ داری سنبھالی، اس وقت سے امارت ملتِ اسلامیہ آندھرا پردیش کا یہ دارالقضاء پوری فعالیت کے ساتھ کام کر رہا ہے، اس وقت مرکزی دارالقضاء میں کئی افراد کا عملہ ہے اور ریاست میں اس کی متعدد شاخیں بھی سرگرم خدمت ہیں، بعض مقدمات کورٹ میں چیلنج بھی کئے گئے اور بحمد اللہ دارالقضاء کا فیصلہ برقرار رہا، اس دارالقضاء میں شہر حیدرآباد اور صوبہ آندھرا پردیش کے مختلف اضلاع، نیز بعض دوسرے علاقوں سے کثرت کے ساتھ مقدمات آتے ہیں اور مولانا کے فیصلہ پر لوگوں کو اعتماد واطمینان ہوتا ہے، تقریباً ڈیڑھ ہزار مقدمات اب تک یہاں سے فیصل ہو چکے ہیں، نیز جن معاملات میں آپس میں صلح کرا دی گئی، وہ اس کے علاوہ ہیں۔

(د) شرعی کالم روزنامہ ''منصف''

ہندوستان کے سب سے کثیر الاشاعت اُردو روزنامہ ''منصف'' (حیدرآباد) کے جمعہ ایڈیشن میں آپ ۱۹۹۸ء سے مستقل کالم نگار ہیں، آپ ملک کے مختلف علاقوں سے آنے والے دینی وفقہی سوالات کے جواب لکھتے ہیں، جو ہر جمعہ کو ''آپ کے شرعی مسائل'' کے عنوان سے چھپتے ہیں، ۲۰۰۳ء تک کے سوالات وجوابات کو آپ کے ایک شاگرد نے ''کتاب الفتاویٰ'' کے نام سے مرتب بھی کردیا ہے، جو چھ جلدوں میں مطبوع ہے اور ۲۰۰۳ء کے بعد کے جوابات کی ترتیب جاری ہے، نیز اسی اخبار میں ''شمع فروزاں'' کے عنوان سے عام اصلاحی موضوع پر بھی آپ کا مضمون چھپتا ہے، جن میں سے ۲۰۰۸ء تک کے مضامین ۶ رجلدوں میں ''راہِ عمل'' اور ۲ رجلدوں میں ''شمع فروزاں'' کے نام سے مطبوع ہیں۔

(ہ) سہ ماہی ''بحث ونظر''

''بحث ونظر'' عام ماہناموں اور رسائل وجرائد سے ہٹ کر ایک خالص فقہی رسالہ ہے، جسے ماضی قریب کے ممتاز فقیہ مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ نے اپنی ادارت میں شروع کیا تھا، قاضی صاحبؒ کی وفات (۲۰۰۲ء) کے بعد اس رسالہ کی ادارت آپ کے ذمہ آگئی اور آٹھ سالوں سے اس رسالہ کو اسی خوبی کے ساتھ آپ نکال رہے ہیں اور پورے ملک میں اسی طرح اس رسالہ کی طلب باقی ہے، ادھر کچھ عرصہ سے بعض قانونی دشواریوں کے سبب اس رسالہ کی اشاعت میں تاخیر ہورہی ہے، اُمید ہے کہ جلد ہی اس دشواری کا ازالہ ہوگا اور یہ رسالہ پھر سے اہل علم اور فقہ وفتاویٰ سے مربوط لوگوں کی آنکھوں کا سرمہ بن سکے گا۔

(و) مختلف اداروں کی شرعی ایڈوائزری

ملک وبیرونِ ملک کے مختلف اداروں نے آپ کو شرعی اُمور کا مشیر بنایا ہے؛ چنانچہ آپ ''النور تکافل'' (جنوبی افریقہ) نیز اینگلو رینڈ کے شرعی ایڈوائزری بورڈ کے چیرمین، تاسیس (بنگلور) کے رکن، ''اسلامی تجارۃ'' ممبئی کے رکن اور مختلف کمپنیوں میں شیئرز کی خرید وفروخت

کے لئے قائم مختلف اداروں (حیدرآباد) کے شریعہ بورڈ کے رکن ہیں، ان کے علاوہ اور بھی کئی اداروں میں آپ شرعی وفقہی رہنمائی کا فریضہ انجام دیتے ہیں۔

(ز) علمی وفقہی اسفار وورکشاپ

مولانا مختلف اوقات میں مختلف پیشوں سے جڑے مسلمانوں کے لئے ورکشاپ کا بھی اہتمام کرتے ہیں، پہلے ارم کالج (حیدرآباد) میں ہفتہ واری فقہی مذاکرہ کیا کرتے تھے، جس میں کسی فقہی موضوع پر مولانا کا خطاب ہوتا، پھر شرکاء کے سوالات کے جوابات دیتے تھے، اس کے علاوہ تاجروں کے لئے مسائل تجارت پر، ڈاکٹروں کے لئے میڈیکل مسائل پر اور علماء کے لئے فقہ، اُصولِ فقہ وغیرہ پر ورکشاپ کا انعقاد کرتے رہتے ہیں۔

آپ کے ملک و بیرون ملک کے اسفار بھی زیادہ تر فقہی نوعیت ہی کے ہوتے ہیں، جس میں سے بعض اسفار کی تفصیل آپ کے سفرناموں کے مجموعہ "متاعِ سفر" میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

۴- فقہ میں علماء کی تربیت

مولانا کی فقہی بصیرت اور آپ کی تربیت کا انداز ملک و بیرون ملک کے علماء کو اپنی طرف متوجہ کرتا ہے؛ چنانچہ آپ کے پاس باضابطہ تربیت پانے کے لئے امریکہ اور کناڈا وغیرہ کے علاوہ دارالعلوم دیوبند اور دارالعلوم ندوۃ العلماء سمیت مختلف دینی جامعات اور مدرسوں کے فضلاء ملک کے مختلف علاقوں سے آتے ہیں؛ چنانچہ آپ نے دارالعلوم حیدرآباد میں بھی تدریس کے ساتھ فقہ میں افتاء کے طلبہ کی تربیت فرمائی اور دارالعلوم سبیل السلام میں بھی اور اس وقت المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد میں فضلاء کی تربیت فرماتے ہیں، مولانا ان فضلاء کی تربیت کے لئے درج ذیل طریقے اپناتے ہیں:

۱- اسباق: — مولانا نے چند اہم کتابوں کے اسباق بھی اپنے متعلق رکھے ہیں۔

۲- مشق فتاویٰ: — مولانا عموماً معاملات اور معاشرتی مسائل سے متعلق نئے

مسائل پر سوالات لکھواتے ہیں۔

۳- محاضرات :ــ وقفہ وقفہ سے مختلف فقہی موضوعات پر مفصل محاضرات بھی دیتے ہیں۔

۴- سمپوزیم :ــ مولانا تقریباً پندرہ بیس دنوں قبل کوئی موضوع طلبہ کے سپرد کردیتے ہیں، پھر پروگرام رکھوا کر اس میں مقالات پیش کرواتے اور مناقشہ و اظہارِ خیال کا موقع دیتے ہیں، اس پروگرام کی صدارت، نظامت، نقاش، تجاویز وغیرہ سارے اُمور طلبہ از خود انجام دیتے ہیں اور مولانا پورے پروگرام کی راست نگرانی فرماتے ہیں۔

۵- مقالات کی ترتیب میں نگرانی :ــ ماضی کے علماء میں مولانا سید سلیمان ندوی وغیرہ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ جو بھی ان کے ساتھ رہا وہ ''مصنف'' ضرور ہو جاتا ہے، یہی چیز ہمیں حضرت الاستاذ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی میں بھی ملتی ہے، مولانا کے یہاں سالِ دوم کے طلبہ کے لئے کم سے کم دو سو صفحات کا مقالہ مرتب کرنا ضروری ہوتا ہے، جس کا عنوان طلبہ کی لیاقت اور رجحان کے مطابق مولانا خود منتخب کرتے ہیں، پھر مقالہ کی تکمیل تک تمام مراحل میں ان کی نگرانی، رہنمائی اور اصلاح بھی فرماتے ہیں؛ چنانچہ ان طلبہ کو جب لکھنے کا شعور آجاتا ہے تو تدریس اور دوسرے مشاغل کے ساتھ بھی وہ تالیفی خدمت انجام دیتے رہتے ہیں، اس وقت آپ کے بعض تلامذہ کئی کئی وقیع کتابوں کے مؤلف ہیں۔

ان فضلاء کے علاوہ بعض درسگاہوں کے مدرسین بھی ایک دو ماہ کے لئے آپ کے پاس تربیت پانے آتے ہیں اور بعض علماء ــ جو پہلے سے آپ کے شاگرد نہیں ہوتے ہیں ــ آپ کی نگرانی اور رہنمائی میں تصنیفی و تالیفی خدمت انجام دیتے ہیں۔

۴- فقہی تالیفات

مولانا نے فراغت کے بعد ہی سے فقہی مقالات لکھنے شروع کردیئے تھے؛ چنانچہ فقہ کے بیشتر موضوعات پر آپ کے مقالات موجود ہیں؛ البتہ مولانا کی پہلی فقہی تالیف ''فیملی

پلاننگ اور اسلام''(۱) ہے، اس کے علاوہ اب تک آپ کے جو مقالات طبع ہو چکے اور کتابیں چھپ چکی ہیں، ان میں سے چند یہ ہیں :

قاموس الفقہ (۵ جلدیں)، حلال وحرام، اسلام کا نظام عشر وزکوٰۃ، طلاق وتفریق، نیا عہد نئے مسائل، مسجد کی شرعی حیثیت، خواتین کے مالی حقوق — شریعت اسلامی کی روشنی میں، جدید فقہی مسائل ۵ جلدیں، (جس کا عربی ترجمہ ''نوازل فقہیہ معاصرہ'' کے نام سے دو جلدوں میں مطبوع ہے) کتاب الفتاویٰ ۶ جلدیں، فقہ اسلامی — تدوین وتعارف، آسان اُصولِ فقہ، **معایير الحنفية في الاحتجاج بالسنة ، قضايا فقهية معاصرة وأسلوب معالجتها ، قضايا فقهية في الأقليات المسلمة** وغیرہ۔

فقہ کے علاوہ مولانا کی غیر فقہی تالیفات میں سب سے مؤقر کام قرآن پاک کے ترجمہ وتشریح کا ہے، جس کے دس پارے: ''قرآن مجید — آسان ترجمہ وتشریح'' کے نام سے زیرِ طبع ہیں، ان کے علاوہ آسان اُصولِ حدیث، خطباتِ بنگلور (پیغمبر انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم)، پیامِ سیرت — عصر حاضر کے تناظر میں، ۲۴ر آیتیں، قرآن ایک الہامی کتاب، مروجہ بدعات — فقہاء اسلام کی نظر میں، عورت — اسلام کے سائے میں، مختصر سیرت ابن ہشام، غیر مسلم معاشرہ میں مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان روابط، دعوتِ دین — مسلمانوں کے مسائل کا واحد حل، حیاتِ مجاہد، وہ جو بیچتے تھے دوائے دل، راہِ عمل (یہ ۵ جلدوں میں مولانا کے ان مضامین کا مجموعہ ہے جو روز نامہ ''منصف'' حیدرآباد کے جمعہ ایڈیشن میں چھپتے ہیں)، شمع فروزاں (یہ بھی ۴ جلدوں میں روز نامہ ''منصف'' حیدرآباد کے مضامین کا مجموعہ ہے)، راہِ اعتدال، متاعِ سفر، وغیرہ آپ کی کثیر الاشاعت تالیفات ہیں۔

---

(۱) ۱۹۷۶ء میں جب جبری نس بندی کی تحریک چلی تھی، اسی پس منظر میں ''ادارۃ المباحث الفقہیہ'' (جمعیۃ علماء ہند) نے ایک سوالنامہ مرتب کیا تھا، یہ کتاب اسی سوالنامہ کا جواب ہے، جسے مولانا کے ایک دوست مولانا احسن نیازی نے ''دار التصنیف ابوبی'' ہاپوڑ سے چھاپا تھا، اب یہ کتاب ''جدید میڈیکل مسائل'' میں شامل ہے۔

آپ کے ممتاز تلامذہ

آپ کی طویل تدریسی زندگی میں جن لوگوں نے براہ راست آپ سے استفادہ کیا، ان میں معہد کے اساتذہ — مفتی اشرف علی قاسمی، مولانا مصطفیٰ عبدالقدوس ندوی، مفتی شاہد علی قاسمی — کے علاوہ مولانا عابد ندوی (مقیم جدہ) مولانا حافظ خواجہ نذیرالدین سبیلی (ناظم جامعہ عائشہ نسواں حیدرآباد) مولانا احمد عبدالمجیب ندوی قاسمی (مقیم شکاگو) مولانا ظفر عالم ندوی (استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ) مولانا خالد حسین صدیقی (ناظم دارالتربیت رمول نیپال) مولانا ولی اللہ قاسمی (جامعۃ الفلاح اعظم گڑھ) ڈاکٹر شہاب الدین سبیلی (اسسٹنٹ پروفیسر (ایفل یونیورسٹی حیدرآباد) ڈاکٹر اسرارالحق سبیلی (لکچرر) ڈاکٹر احتشام الحق قاسمی (مقیم امریکہ) مولانا عبدالاحد فلاحی (ممبئی) مولانا عمر فلاحی (جامعہ حسینیہ کوکن) وغیرہ اپنے اپنے میدان میں امتیازی حیثیت سے خدمت انجام دے رہے ہیں۔

عہدے اور مناصب

آپ المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد کے ناظم، آل انڈیا مسلم پرسنل بورڈ کے سکریٹری، اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کے جنرل سکریٹری، امارت ملتِ اسلامیہ آندھرا پردیش کے قاضی شریعت، مجلس علمی دائرۃ المعارف العثمانیہ، مجلس علمیہ آندھرا پردیش اور امارت شرعیہ پھلواری شریف کے رکن، دینی مدارس بورڈ آندھرا پردیش کے جنرل سکریٹری، جامعہ عائشہ نسوان حیدرآباد کے صدر، دارالعلوم سبیل الفلاح جالے دربھنگہ کے ناظم، النور ہندوستان اور جنوبی افریقہ وغیرہ کے مختلف اسلامی مالیاتی اداروں کے شرعی ایڈوائزر، سہ ماہی ''بحث ونظر'' کے مدیر، مولانا آزاد نیشنل اُردو یونیورسٹی کی نصابی کمیٹی کے رکن، سنٹر فارس پیس اینڈ ٹرو میسیج حیدرآباد کے سرپرست اور مختلف دینی مدارس اور ملی اداروں کے سرپرست ہیں۔

☆ ☆ ☆

مفتی حبیب اللہ قاسمی

مولانا حبیب اللہ صاحب کی پیدائش یکم مارچ ۱۹۵۸ء میں ہوئی، آپ کے والد ماجد کا نام حاجی شیخ یار مرحوم ہے، آپ جامعہ اسلامیہ دارالعلوم مہذب پور، پوسٹ سنجر پور، اعظم گڑھ (یوپی) میں رہتے ہیں اور آپ کے آبائی وطن کا پورا پتہ اس طرح ہے: مقام و پوسٹ جھٹکا ہی، وایا پچپکڑی بازار، ضلع مشرقی چمپارن، بہار۔

آپ کی ابتدائی تعلیم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور میں ہوئی، جہاں آپ کے بڑے بھائی قاری محمد اطیع اللہ رہتے تھے، پھر آپ نے مدرسہ اشرف العلوم گنگوہ (ضلع سہارنپور) میں داخلہ لیا اور عربی ششم تک وہاں تعلیم حاصل کی، ۱۹۷۷ء میں آپ نے دارالعلوم دیوبند میں دورۂ حدیث میں داخلہ لیا اور ۱۹۷۸ء میں دارالعلوم ہی میں آپ نے افتاء بھی کیا۔

فراغت کے بعد آپ نے مدرسہ ریاض العلوم گورینی، جونپور (یوپی) میں تقریباً تیرہ سال تدریسی خدمت انجام دی، پھر ۱۹۹۴ء میں آپ نے جامعہ اسلامیہ دارالعلوم مہذب پور (اعظم گڑھ) کی بنیاد رکھی اور تاہنوز اسی مدرسہ میں خدمت انجام دے رہے ہیں۔

مولانا حبیب اللہ صاحب کو فقہ وفتاویٰ سے خاص لگاؤ رہا ہے اور اس پہلو سے آپ کی نمایاں خدمات رہی ہیں؛ چنانچہ دارالعلوم دیوبند سے افتاء کی تربیت پانے کے بعد مدرسہ ریاض العلوم گورینی میں آپ نے ۱۳ر سال تدریس کے ساتھ افتاء کی بھی خدمت انجام دی اور سترہ اٹھارہ سالوں سے دارالعلوم مہذب پور میں یہ خدمت انجام دے رہے ہیں، آپ کے فتاویٰ کا مجموعہ بھی ۶ر جلدوں میں ''حبیب الفتاویٰ'' کے نام سے مطبوع ہے، اس کے علاوہ قضاء کی خدمت بھی آپ نے مدرسہ ریاض العلوم گورینی، جامعہ حسینیہ لال دروازہ، جونپور اور محکمۂ

شرعیہ بیت المال مسجد، سرائے میر (اعظم گڑھ) میں انجام دی، فقہی سیمینار میں آپ کے مقالات کو بڑی قدر کی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے۔

آپ نے ایک درجن سے زیادہ کتابیں بھی تالیف فرمائی ہیں، جن میں فقہ کے موضوع پر: نیل الفرقدین فی المصافحہ بالیدین، احکام یوم الشک، نوٹ کی شرعی حیثیت، المساعی المشکورہ فی الدعاء بعد المکتوبہ، تسنیح الاذہان (میت کے متعلق مسائل)، تحقیقات فقہیہ (مختلف رسائل ومقالات کا مجموعہ) اور حبیب الفتاویٰ (۶ رجلدیں) وغیرہ اور دیگر موضوعات پر: مبادیات حدیث، احب الکلام فی مسئلۃ السلام، التوسل بسید الرسل، جذب القلوب، والدین کا پیغام زوجین کے نام، تحفۃ السالکین، مسلم معاشرہ کی تباہ کاریاں، رسائل حبیب، صدائے بلبل (خطبات کا مجموعہ) خاص کر قابل ذکر ہیں۔

آپ کے اساتذہ میں مولانا محمد زکریاؒ، مفتی محمود حسن گنگوہیؒ، مفتی نظام الدین اعظمیؒ، مولانا عبدالاحدؒ، مولانا فخر الحسنؒ، مولانا قاری شریف احمدؒ اور مولانا فیاض احمدؒ اور آپ کے ممتاز شاگردوں میں مفتی رشید احمد معروفی، مولانا محمد کوثر اعظمی، مفتی محمد طاہر قاسمی، مفتی عبدالقدوس اعظمی، مولانا حبیب اللہ بستوی، مفتی عزیر احمد گورکھپور، مولانا محمد عثمان جونپوری، مفتی اظہار الحق گریڈیہہ، مولانا شمیم احمد نیپالی اور مولانا عبدالحی حاجی پوری خاص کر قابل ذکر ہیں۔

مولانا حبیب اللہ صاحب کو اللہ تعالیٰ نے بہت سی خصوصیات اور خوبیوں سے نوازا ہے اور خدمت دین کے لئے انھیں قبول فرمایا ہے؛ چنانچہ دین اور خدمت دین سے متعلق جو ذمہ داریاں اور مناصب اس وقت آپ سے متعلق ہیں وہ حسب ذیل ہیں:

☆ بانی و مہتمم جامعہ دارالعلوم مہذب پور، اعظم گڑھ۔

☆ صدر مفتی جامعہ دارالعلوم مہذب پور، اعظم گڑھ۔

☆ صدر مجلس القضاء والدراسات العلیا۔

☆ رئیس مجلس دعوت والارشاد۔

☆ ☆ ☆

مولانا انیس الرحمٰن قاسمی

مولانا محمد انیس الرحمٰن قاسمی ۶؍ جولائی ۱۹۶۰ء کو کٹھری، ضلع مغربی چمپارن (بہار) میں پیدا ہوئے، آپ کے والد کا نام محمد ابوالکلام مرحوم ہے۔

آپ کی ابتدائی تعلیم مدرسہ ریاض العلوم ساٹھی میں ہوئی، ۱۹۷۳ء میں آپ نے دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور ۱۹۷۸ء میں دورۂ حدیث سے فراغت پائی، پھر ۱۹۷۹ء میں آپ نے دارالعلوم ہی میں افتاء بھی کیا۔

تعلیم سے فراغت کے بعد آپ امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ سے وابستہ ہو گئے، وہاں آپ نے امارت کی نگرانی میں چلنے والے ادارہ ''المعہد العالی للتدریب فی القضاء والافتاء'' میں تدریسی خدمت بھی انجام دی اور مرکزی دارالقضاء میں نائب قاضی شریعت کی حیثیت سے بھی خدمت کی، اس وقت امارت شرعیہ کی نظامت آپ کے ذمہ ہے، اس کے علاوہ امارت شرعیہ ایجوکیشنل اینڈ ویلفیر ٹرسٹ کے سکریٹری، المعہد ٹرسٹ کے خزانچی، دارالعلوم الاسلامیہ امارت شرعیہ ٹرسٹ کے رکن، آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ اور اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کے رکن تاسیسی، آل انڈیا ملی کونسل کے رکن، سینٹرل اسلامک ڈیولپمنٹ بینک (جدہ) کے زونل ممبر اور وفاق المدارس الاسلامیہ امارت شرعیہ پٹنہ کے نائب صدر ہیں۔

آپ نے جن لوگوں سے کسبِ فیض کیا ان میں مولانا مشتاق احمد، مولانا معراج احمد اور مولانا شریف الحسن صاحب خاص کر قابل ذکر ہیں اور جن لوگوں نے آپ سے کسبِ فیض کیا ان میں مفتی سعید الرحمٰن قاسمی (نائب مفتی امارت شرعیہ)، مولانا انظار عالم، مولانا وصی احمد قاسمی، مولانا سہیل اختر (معاونین قاضی امارت شرعیہ)، مولانا شاہد احمد (قاضی شریعت دھنباد)،

مولانا نذیر احمد (قاضی شریعت امارت شرعیہ ارریہ)، مولانا ضمیر الدین (قاضی شریعت کلکتہ) اور مولانا رضاء اللہ قاسمی (امارت شرعیہ) کے نام خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔

آپ نے فقہی اور غیر فقہی موضوعات پر متعدد کتابیں بھی تالیف فرمائی ہیں، جن میں چند یہ ہیں :

۱- طہارت کے احکام و مسائل۔
۲- خلع کا اسلامی طریقہ۔
۳- لباس کے شرعی احکام۔
۴- غذا کے شرعی احکام۔
۵- تعمیرات کے شرعی احکام۔
۶- مصنفین زنداں۔
۷- اسلامی حقوق۔
۸- مکارمِ اخلاق۔
۹- مقالات سجاد۔
۱۰- خطبات جمعہ (اُردو)۔
۱۱- الشیخ ابن تیمیة وأفکارہ (عربی)۔
۱۲- أخلاقیات الحرب فی السیرة النبویة (عربی)۔

☆ ☆ ☆

مولانا محمد ثناء الہدیٰ قاسمی

مولانا مفتی محمد ثناء الہدیٰ قاسمی کی پیدائش ۱۷/نومبر ۱۹۵۸ء کو حسن پور گنگھٹی، ضلع ویشالی (بہار) میں ہوئی، آپ کے والد گرامی کا نام محمد نور الہدیٰ ہے۔

ابتدائی تعلیم اپنے وطن میں حاصل کرنے کے بعد آپ نے دار العلوم مئو اور مفتاح العلوم مئو میں تعلیم حاصل کی، ۱۹۷۹ء میں آپ نے دار العلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور ۱۹۸۲ء میں دورۂ حدیث سے فراغت حاصل کی، ۱۹۸۳ء میں دار العلوم ہی میں آپ نے افتاء بھی کیا، اس کے علاوہ آپ نے مدرسہ احمدیہ ابا بکر پور ویشالی اور بہار یونیورسٹی مظفر پور میں بھی تعلیم حاصل کی۔

فراغت کے بعد آپ دار العلوم بربٹہ (سمستی پور) میں مدرس مقرر ہوئے، پھر مدرسہ احمدیہ ابا بکر پور ویشالی (بہار) میں آپ تدریس و افتاء کی خدمت پر مامور ہوئے، اس وقت آپ امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ میں مقیم ہیں اور امارت کے نائب ناظم کی حیثیت سے خدمت انجام دے رہے ہیں، اس کے علاوہ آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ اور آل انڈیا ملی کونسل کے آپ رکن ہیں، وفاق المدارس الاسلامیہ بہار و جھارکھنڈ کے آپ ناظم ہیں اور معہد العلوم الاسلامیہ ویشالی کے آپ بانی اور متعدد مدارس کے سرپرست ہیں۔

آپ کے اساتذہ میں مولانا فیض الرحمٰن (دار العلوم مئو)، مولانا فیض الحسن مرحوم، مفتی سعید احمد پالن پوری، مولانا زبیر عالم مرحوم (دار العلوم دیوبند) اور ابتدائی تعلیم کی معلمہ راشدہ خاتون (جو آپ کی پھوپھی تھیں) خاص کر قابل ذکر ہیں اور آپ سے استفادہ کرنے والوں میں مولانا اظہار الحق قاسمی (مقیم بحرین)، مولانا سراج الہدیٰ ندوی ازہری (استاذ دار العلوم

سبیل السلام حیدرآباد)، مولانا ندیم اللہ ندوی، مولانا پرویز عالم ندوی اور مولانا طالب حسین ندوی (استاذ مدرسہ قاسمیہ، گیا) خاص کر قابل ذکر ہیں۔

مختلف موضوعات پر آپ کی متعدد کتابیں بھی طبع ہو چکی ہیں، جن میں :

۱- تفہیم السنن (۲ر جلدیں)۔
۲- فقہ کے جدید مسائل۔
۳- فضلاء دار العلوم اور ان کی قرآنی خدمات۔
۴- دین کی دعوت کا آسان طریقہ۔
۵- حضرت فاطمہؓ کے جہیز کی حقیقت۔
۶- بہار مدرسہ بورڈ — تاریخ و تجزیہ۔
۷- خاصیات ابواب۔
۸- حضرت تھانویؒ اور مولانا عبدالعزیز بسنتی کے علمی مراسلے۔
۹- تذکرۂ مسلم مشاہیر ویشالی۔
۱۰- گلدستۂ شادمانی۔
۱۱- شمیم جرنلسٹ — حیات و خدمات۔
۱۲- عصر حاضر میں مسلمانوں کا نظام تعلیم — تجزیہ، مسائل اور حل۔
۱۳- نقد و نظر۔
۱۴- یادوں کے چراغ۔
۱۵- اذان مجاہد۔

☆ ☆ ☆

مفتی شبیر احمد قاسمی

مفتی شبیر احمد کی ولادت ۱۳۷۷ھ میں ہوئی، آپ کے والد کا نام خلیل الرحمٰن تھا، آپ کی ابتدائی تعلیم ۱۳۹۲ھ میں جامعہ مظہر العلوم بنارس میں ہوئی، پھر آپ مدرسہ قاسمیہ میرٹھ تشریف لئے گئے، وہاں ۱۳۹۳ھ سے ۱۳۹۶ھ تک تین سال قیام رہا، وہاں آپ نے مختصر المعانی تک کی کتابیں پڑھیں۔

شوال ۱۳۹۶ھ میں آپ نے دارالعلوم دیو بند میں جماعت پنجم میں داخلہ لیا، یہاں عربی ہفتم تک تعلیم حاصل کرنے کے بعد دورۂ حدیث (فضیلت) کی تعلیم ایک سال کے لئے موقوف کردی اور ۱۴۰۰ھ میں اپنے پیر و مرشد عارف باللہ حضرت قاری سید صدیق احمد باندویؒ کی خدمت میں تشریف لے گئے، تقریباً ایک سال وہاں قیام فرمایا اور پھر ۱۴۰۲ھ میں دوبارہ دارالعلوم میں موقوف علیہ (درجۂ مشکوٰۃ) میں داخلہ لیا، شعبان ۱۴۰۴ھ میں دورۂ حدیث سے آپ نے فراغت حاصل کی اور شوال میں دارالعلوم ہی کے شعبہ افتاء میں آپ کا داخلہ ہوا اور ایک سال اس شعبہ میں رہ کر فتاویٰ نویسی کی تربیت حاصل کی۔

افتاء سے فراغت کے بعد ۱۴۰۵ھ میں آپ کو دارالعلوم دیو بند ہی میں معین مدرس بنالیا گیا، دو سال آپ معین مدرس رہے، پھر آپ کو مدرسہ شاہی مرادآباد میں تدریس اور افتاء کی خدمت کے لئے مامور کردیا گیا، آپ نے ۲۴ رشعبان ۱۴۰۷ھ سے وہاں خدمات انجام دینی شروع کردیں، مدرسہ شاہی میں فتاویٰ نویسی کے ساتھ شعبۂ افتاء اور عالمیت کی بہت سی کتابیں بھی آپ کے زیر درس رہیں، چنانچہ سراجی، درمختار، الاشباہ والنظائر اور رسم المفتی کے علاوہ طحاوی شریف، مؤطا امام مالک، سنن نسائی اور ہدایہ وغیرہ کے اسباق آپ سے متعلق رہے، نیز

۱۴۱۱ھ سے سنن ترمذی (مکمل) اور صحیح مسلم کے اسباق بھی آپ سے متعلق کئے گئے۔

مدرسہ شاہی کا دارالافتاء ملک کے لئے محتاج تعارف نہیں، آپ اس دارالافتاء کے صدر مفتی اور ذمہ دار ہیں، آپ نے اب تک اپنے گہربار قلم سے بہت سے ایسے فتاویٰ تحریر فرمائے ہیں کہ ان کو بھی مرتب کیا جائے تو یہ آپ کا بڑا علمی وفقہی سرمایہ ہوگا، ان کے علاوہ فقہی اور غیر فقہی موضوعات پر کئی کتابیں بھی آپ نے تالیف فرمائی ہیں، اور ہنوز یہ سلسلہ جاری ہے، آپ کی چند تالیفات درج ذیل ہیں :

۱- تعلیق البخاری: — بخاری شریف میں تمام احادیث کے مراجع کو ایک جگہ اکٹھا کر کے نیچے تعلیق کے طور پر حوالے لکھ دیئے گئے ہیں اور جو حدیثیں بخاری شریف میں مکرر نہیں ہیں، وہ دوسری کتبِ حدیث کے حوالہ سے تخریج کی گئی ہیں۔

۲- ایضاح الطحاوی (۳ر جلدیں): — یہ کتاب فن حدیث کی مشہور کتاب طحاوی شریف کی اُردو شرح ہے، ہر جلد چھ سو سے زائد صفحات پر مشتمل ہے۔

۳- تعلیق تقریرات رافعی: — فقہ حنفی کی مشہور کتاب ردالمحتار (فتاویٰ شامی ۱۲ر جلدوں) پر جو "تقریرات رافعی" ہے، اس پر آپ نے تعلیق اور حاشیہ کا کام کیا ہے۔

۴- ایضاح المسائل: — یہ کتاب عام مسلمانوں کو روزمرہ پیش آنے والے ۴۰۰ سے زائد مسائل پر مشتمل ہے۔

۵- ایضاح المناسک: — یہ کتاب حج وعمرہ کے اہم اور ضروری ۳۱۳ مسائل پر مشتمل ہے، جس کے کل صفحات (۶۷۹) ہیں۔

۶- ایضاح النوادر: — یہ کتاب ایکسپورٹ، امپورٹ، شیئرز، انشورنس، مسلم فنڈ، زکوٰۃ اور قضاء کے مسائل پر لکھی گئی ہے۔

۷- ایضاح المسالک: — اس کتاب میں تقلید، تلفیق، ضرورت وحاجت، عمومِ بلویٰ اور عدول عن المذہب وغیرہ سے متعلق بحث کی گئی ہے۔

۸- مسائل قربانی وعقیقہ۔

۹- انوارِ ہدایت:— یہ سیرت کے مختلف موضوعات پر پچیس رسائل کا مجموعہ ہے۔

۱۰- حج وعمرہ کا آسان طریقہ۔

۱۱- غیر مقلدین کے چھپن اعتراضات کے جوابات:— غیر مقلدین کی طرف سے مسلک حنفی پر ۵۶/اعتراضات پر مشتمل ایک اشتہار حرمین شریفین میں بانٹا گیا تھا، اس کتاب میں اس اشتہار کا عکس اور تمام اعتراضات کا مدلل اور منصفانہ جواب دیا گیا ہے۔

۱۲- انوارِ زندگی:— یہ کتاب حدیث کی معتبر کتابوں سے چالیس درود شریف، بعض دُعاؤں اور سلوک کے بزرگوں کے معمولات پر مشتمل ہے۔

۱۳- انوارِ نبوت:— یہ سیرت النبی کے موضوع پر بیس رسائل کا مجموعہ ہے۔

۱۴- انوارِ رحمت:— جن مسائل میں قول راجح کو چھوڑ کر مرجوح قول اختیار کرنے کی ضرورت پڑتی ہے، ایسے مسائل پر الگ الگ ۱۶/مضامین لکھے گئے تھے، یہ کتاب انھیں مضامین کا مجموعہ ہے ''اختلاف امتی رحمۃ'' کے پیش نظر اس کتاب کا نام ''انوارِ رحمت'' رکھا گیا ہے۔

☆ ☆ ☆

مفتی نذیر احمد کشمیری

مفتی نذیر احمد کے والد کا نام حاجی ولی محمد ہے، آپ کی ولادت ۶/ ذی الحجہ ۱۳۸۴ھ، مطابق یکم جون ۱۹۶۵ء کو مقام بونجواہ، تحصیل کشتواڑ، ضلع ڈوڈہ جموں کشمیر میں ہوئی، آپ کا موجودہ قیام دارالعلوم رحیمیہ بانڈی پورہ کشمیر میں ہے، جہاں آپ تدریس کی خدمت انجام دیتے ہیں۔

آپ نے حفظ قرآن کی تکمیل مدرسہ اصغریہ دیوبند میں کی اور عربی کی ابتدائی تعلیم مدرسہ خادم العلوم باغوں والی (مظفر نگر) میں حاصل کی، پھر آپ نے دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور ۱۴۰۴ھ میں آپ نے دورۂ حدیث کی تکمیل کی، پھر ایک سال دارالعلوم ہی کے شعبۂ تربیت افتاء میں رہے، دارالعلوم سے فراغت کے بعد آپ قضاء کے حوالہ سے ملک گیر شہرت وعظمت کے حامل ادارہ امارت شرعیہ (پھلواری شریف، پٹنہ) تشریف لے گئے اور وہاں قضاء کی تربیت حاصل کی۔

تعلیم سے فراغت کے بعد آپ دارالعلوم رحیمیہ بانڈی پورہ (کشمیر) میں تدریس وافتاء اور قضاء کے کام کے لئے مقرر ہوئے اور تا حال اسی ادارہ میں خدمت انجام دے رہے ہیں، تدریس وافتاء اور کارِ قضاء کے علاوہ اور بھی دینی وملی ذمہ داریاں آپ سے متعلق ہیں، چنانچہ آپ آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے رکن اساسی، رابطہ مدارس اسلامیہ شاخ جموں وکشمیر کے ناظم، مجلس فقہی جموں وکشمیر کے جنرل سکریٹری اور ماہنامہ ''النور'' بانڈی پورہ کشمیر کی مجلس ادارت کے رکن ہیں اور بحمد اللہ تمام میدانوں میں اچھی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

آپ نے دارالعلوم دیوبند سے افتاء کی تربیت حاصل کرنے کے بعد جب امارت

شرعیہ پھلواری شریف میں قضاء کی تربیت پائی تو فقہ وفتاویٰ میں آپ کی صلاحیت دوآتشہ ہوگئی اورآپ نے اپنی صلاحیت کا خوب خوب استعمال کیااور تعلیم سے فراغت کے بعد ہی سے افتاء کی خدمت میں مشغول ہوگئے، نیز مختلف علمی وفقہی مجلات اور فقہی سیمیناروں میں علمی وتحقیقی مقالات لکھتے رہے، اس وقت کشمیر کے ایک کثیرالاشاعت روزنامہ "کشمیر عظمیٰ" کے "فقہی سوال وجواب" کے آپ مستقل کالم نگار ہیں اور مختلف حلقوں سے آنے والے سوالات کے تشفی بخش جوابات دے کر اُمت کے لئے بڑی رہنمائی کا فریضہ انجام دے رہے ہیں۔

آپ کا مزاج گو فقہی ہے؛ لیکن فقہی سوالات کی کثرت کی وجہ سے مستقل کسی فقہی موضوع پرآپ نے کوئی کتاب نہیں لکھی؛ البتہ مقامی حالات کی وجہ سے آپ نے ردمرزائیت وغیرہ پر قلم اُٹھایا ہے اور چند کتابیں لکھی ہیں جو اس طرح ہیں :

۱- مرزا قادیانی کے جھوٹ۔

۲- مرزا قادیانی نہ مہدی نہ مسیح۔

۳- مرزائیت کا رد — اُصول اور طریقۂ بحث۔

۴- اسلام اور ایڈز سے تحفظ کا طریقہ۔

آپ اپنے اساتذہ میں حضرت شیخ عبدالحق اعظمی (نائب شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند)، مفتی سعید احمد پالن پوری (موجودہ شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند)، مولانا ریاست علی بجنوری، مولانا جمیل احمد اور مولانا شبیر احمد (دیوبند) وغیرہم کی تعلیم اور طریقۂ تربیت سے زیادہ متاثر ہوئے اور خصوصی فیض حاصل کیا۔

☆ ☆ ☆

مفتی محمد جنید عالم قاسمی

آپ کی پیدائش شوال ۱۳۸۲ھ میں مغربی چمپارن (بہار) میں ہوئی، آپ کے والد کا نام الحاج محمد شفیع مرحوم ہے اور آپ کے وطن کا پورا پتہ اس طرح ہے: مقام بھوگاڑی، ڈاک خانہ بروا، وایا مجھولیا، ضلع مغربی چمپارن، بہار۔

ناظرہ قرآن پاک تک آپ کی ابتدائی تعلیم گاؤں ہی کے مکتب میں ہوئی، اس کے بعد آپ نے حفظ کی تعلیم کے لئے مثالی؛ بلکہ بے مثال ادارہ جامعہ اسلامیہ قرآنیہ، سمرا (مغربی چمپارن) کا انتخاب کیا اور وہاں رہ کر حفظ قرآن کی تکمیل فرمائی، پھر درس نظامی کی تعلیم کے لئے آپ نے کانپور کا سفر کیا اور مدرسہ جامع العلوم پٹکا پور، کانپور (یوپی) میں عربی دوم تک تعلیم حاصل کی، عربی سوم کی تعلیم آپ نے عارف باللہ حضرت قاری سید صدیق احمد صاحبؒ کے مدرسہ عربیہ ہتھورا، ضلع باندہ میں حاصل کی، باندہ سے آپ ندوہ چلے گئے اور عالمیت تک کی تعلیم آپ نے دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں حاصل کی۔

عالمیت کی تکمیل کے بعد آپ نے ۱۹۸۶ء میں دار العلوم دیوبند میں دورۂ حدیث (فضیلت) میں داخلہ لیا اور وہاں سے فراغت حاصل کی، پھر دوسرے سال ۱۹۸۷ء میں دار العلوم دیوبند ہی میں آپ نے افتاء کیا اور فقہ وفتاویٰ میں اُمت کی رہنمائی کا سبق سیکھا۔

دار العلوم دیوبند سے فراغت کے بعد ہی سے آپ امارت شرعیہ (پھلواری شریف، پٹنہ) چلے آئے اور یہاں مختلف اوقات میں مختلف شعبوں سے وابستہ رہے؛ چنانچہ آپ نے تحفیظ القرآن امارت شرعیہ میں حفظ کی تعلیم دی اور اس وقت علماء کی فقہی تربیت کے لئے قاضی

مجاہد الاسلام قاسمیؒ کے قائم کردہ اور امارت شرعیہ کی زیر نگرانی چلنے والے ادارہ ''المعہد العالی للتدریب فی القضاء والافتاء'' میں تدریسی خدمت انجام دے رہے ہیں اور شرح عقود رسم المفتی، درمختار (کتاب الوقف) سراجی، اور ادب المفتی والمستفتی کا درس آپ سے متعلق ہے، نیز امارت شرعیہ ہی کی نگرانی میں چلنے والے مدرسہ دارالعلوم الاسلامیہ میں مشکوۃ شریف کا بھی درس دے رہے ہیں، آپ کا درس طلبہ میں بے حد مقبول ہے اور آپ کے تربیت یافتہ علماء ملک وبیرون ملک میں اچھی خدمت انجام دے رہے ہیں۔

کم گوئی اور سادگی کے ساتھ علم میں گہرائی آپ کا امتیاز ہے اور آپ کو مختلف علوم وفنون میں یکساں دسترس حاصل ہے، تاہم آپ نے فقہ وفتاویٰ کو خاص کر اپنی محنت اور توجہ کا مرکز بنایا ہے؛ چنانچہ آپ اپنی اسی لیاقت کی بناپر امارت شرعیہ جیسے مؤقر، بااعتماد اور مرجع خاص وعام ادارہ کے شعبۂ افتاء میں صدر مفتی ہیں اور ۱۴۰۷ھ سے تاہنوز مسلسل یہاں آنے والے استفتاء کا جواب بھی دیتے ہیں اور افتاء میں نوجوان علماء وفضلاء کی تربیت بھی فرماتے ہیں۔

آپ کے درجۂ حفظ کے استاذ حافظ خلیل احمد صاحب اور قاری بشیر احمد صاحب ہیں، آپ نے کانپور میں مولانا وکیل احمد جامعی، مولانا شکیل احمد اور مولانا مبین الحق مرحوم سے عربی درجات کی کتابیں پڑھیں، باندہ میں آپ نے قاری صدیق صاحب، مولانا انتظام حسین صاحب، مولانا نفیس اکبر صاحب، مولانا عبید اللہ اسعدی اور مولانا حبیب احمد (جانشین قاری صدیق صاحب) سے پڑھا، ندوہ میں حضرت مولانا ابوالحسن علی میاں ندویؒ، مولانا شفیق الرحمٰن، مفتی ظہور عالم، مولانا برہان الدین سنبھلی، مولانا سعید الرحمٰن اعظمی، مولانا محمد زکریا اور مولانا عبد اللہ حسنی آپ کے اساتذہ میں ہیں اور دارالعلوم دیو بند میں آپ نے مولانا حسین احمد (ملا بہاری)، مفتی سعید احمد پالن پوری، مولانا محمد ارشد مدنی، شیخ نصیر احمد صاحب، شیخ عبدالحق صاحب، مولانا نعمت اللہ صاحب، مفتی نظام الدین صاحب، مفتی محمد ظفیر الدین مفتاحی، مولانا کفیل احمد نشاط اور مولانا حبیب الرحمٰن صاحب سے حدیث اور افتاء کی کتابیں پڑھیں۔

آپ سے جن علماء، اور طلبہ نے فیض حاصل کیا، ان میں مفتی ثناء اللہ (استاذ مدرسہ

اشرف العلوم، کنہواں، سیتامڑھی)، مفتی الہام، مفتی احتکام (استاذ جامعہ اسلامیہ قرآنیہ، سمرا)، مفتی سعید الرحمٰن (نائب مفتی امارت شرعیہ، پٹنہ)، مفتی صفی اللہ (دارالافتاء امارت شرعیہ)، مولانا مرسل احمد (دارالافتاء امارت شرعیہ)، مفتی وصی احمد، مفتی انظار احمد (معاون قاضی امارت شرعیہ)، مفتی منت اللہ (صدر مدرس دارالعلوم الاسلامیہ امات شرعیہ)، مفتی ارشد (قاضی شریعت کشن گنج)، مفتی نثار احمد (قاضی شریعت مدرسہ اسلامیہ، بتیا)، مولانا ضمیر الدین (قاضی شریعت، کلکتہ)، قاضی اطہر جاوید (قاضی شریعت، ڈھاکہ مشرقی چمپارن) مفتی محمد ہارون (پالن پور، گجرات)، مولانا محمد مجتبیٰ (ہانسوٹ، گجرات)، قاضی محمد کامل (قاضی شریعت، دہلی)، مفتی محمد اسلم (کناڈا)، مفتی محمد شعیب جوشب (ساؤتھ افریقہ) اور مفتی جعفر ملی (استاذ مدرسہ اشاعت العلوم اکل کوا) خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔

فقہ وفتاویٰ میں جہاں آپ علماء وفضلاء کی تربیت اور عوام کی رہنمائی فرما رہے ہیں، وہیں آپ نے وقف، مشینی ذبیحہ، حقوق کی بیع، ولایت وکفاءت، ضبط تولید، نکاح، عشر وزکوٰۃ، فتاویٰ نویسی کی اہمیت اور مفتی کی ذمہ داریاں اور ان جیسے مختلف تحقیق طلب موضوعات پر فقہی مقالات بھی لکھے ہیں، جن کو مختلف رسالوں نے چھاپا اور علماء نے قدر کی نگاہوں سے دیکھا ہے۔

اس وقت آپ امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ میں مقیم ہیں اور مختلف ذمہ داریاں آپ سے متعلق ہیں، آپ امارت شرعیہ کے صدر مفتی، دارالعلوم الاسلامیہ (پھلواری شریف پٹنہ) کے سکریٹری، مدرسہ عائشہ (ہارون نگر پھلواری شریف) کے بانی وناظم اور جامعہ اسلامیہ قرآنیہ، سمرا (مغربی چمپارن) کے ناظم تعلیمات ہیں اور ان تمام شعبوں میں آپ کی خدمات قابل تحسین ہیں۔

☆ ☆ ☆

مفتی ظہیر احمد کانپور

مفتی ظہیر احمد کے والد کا نام محمد سلیم صاحب ہے، آپ اصلاً مدھیہ پردیش کے رہنے والے ہیں؛ لیکن تعلیم وتدریس کی خاطر اب مستقل کانپور میں رہنے لگے ہیں اور وہاں کے ایک نوخیز مگر روبہ ترقی ادارہ ''اشاعت العلوم'' (قلی بازار) میں تدریس وافتاء کی خدمت انجام دے رہے ہیں۔

حفظ وغیرہ کی ابتدائی تعلیم آپ نے مدرسہ سعیدیہ سرونج، ضلع ودیشہ (مدھیہ پردیش) میں حاصل کی، پھر عربی کی تعلیم کے لئے آپ نے ۱۹۷۹ء میں مدرسہ جامعہ عربیہ ہتھورا باندہ (یوپی) میں داخلہ لیا اور عربی ششم تک یہاں تعلیم حاصل کی، ۱۹۸۴ء کے اواخر میں آپ کا داخلہ دارالعلوم دیوبند میں عربی ہفتم (درجۂ مشکوٰۃ) میں ہوا اور ۱۹۸۶ء کے اوائل میں دورۂ حدیث سے فراغت ہوئی، پھر ایک سال (۱۹۸۶ء کے اواخر اور ۱۹۸۷ء کے اوائل میں) یہیں آپ نے افتاء کیا۔

دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد کانپور کے مشہور ادارہ جامع العلوم پٹکا پور میں بطور مدرس آپ کا تقرر ہوا؛ لیکن آپ جامع العلوم میں کچھ ہی دن قیام کر سکے، پھر کانپور ہی کے ایک دوسرے ادارہ مدرسہ ضیاء العلوم (قلی بازار) چلے گئے، ۱۹۹۱ء میں آپ نے مزید تعلیم کی غرض سے بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی پاکستان کا سفر کیا، وہاں ۱۹۹۶ء میں آپ کا کورس پورا ہوا، پھر جب ہندوستان لوٹے تو ۱۹۹۷ء میں دارالعلوم موہن پورہ (ناگپور) آگرہ میں میں خدمت انجام دینے لگے، یہاں ایک سال رہ کر ۱۹۹۸ء میں جامعہ اسلامیہ دارالعلوم آگرہ میں خدمت انجام دی، دارالعلوم آگرہ میں ۲۰۰۰ء تک آپ کی خدمت جاری رہی، پھر آپ کانپور مدرسہ اشاعت العلوم (قلی بازار) تشریف لے آئے اور تا حال یہیں تدریس وافتاء کی خدمت انجام دے رہے ہیں۔

آپ دارالعلوم دیوبند سے فراغت اور افتاء کی تربیت حاصل کرنے کے بعد ہی سے مسلسل فتاویٰ نویسی کی خدمت انجام دے رہے ہیں، مختلف علمی جرائد اور فقہی سیمیناروں میں آپ کے علمی و تحقیقی مقالات کو قدر کی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے، آپ جمعیۃ علماء ہند کی طرف سے قائم کردہ محکمۂ شرعیہ میں، نیز شہر کانپور کے مشہور و معروف قاضی و مفتی حضرت مولانا محمد منظور صاحب مظاہری کی نگرانی میں قائم دارالقضاء (پیلی مسجد کانپور) میں قضاء کی خدمت بھی انجام دے رہے ہیں۔

فقہ کے موضوع پر بہت سارے مقالات و مضامین کے علاوہ آپ کی کئی کتابیں بھی زیور طبع سے آراستہ ہو کر اہل علم کے درمیان مقبولیت حاصل کر چکی ہیں؛ چنانچہ آپ نے بچوں کی طرف سے پائے جانے والے جرائم کے متعلق ملکی قانون اور شرعی احکام کے موازنہ پر ایک کتاب ''احکام جرائم الصبیان فی الشریعۃ الإسلامیۃ و القانون الھندی دراسۃ و مقارنۃ '' کے نام سے مرتب فرمائی اور اسلام میں ملکیت کے قانون سے متعلق ایک کتاب ''الملکیۃ فی الإسلام '' کے نام سے لکھی ہے، ان کے علاوہ الاقتصاد فی الاسلام، ابطال طرق العلۃ اور قربانی کے مسائل (ہندی) بھی آپ کے قلمی شاہکار ہیں۔

آپ کے ابتدائی اساتذہ میں حافظ سعید احمد (سرونج) وسطی کی تعلیم میں عارف باللہ حضرت قاری صدیق احمد باندویؒ، مفتی عبیداللہ اسعدی، مولانا انتظام الحق وغیرہ اور آپ کے علیا کے اساتذہ میں مولانا نعمت اللہ اعظمی، مفتی سعید احمد پالن پوری (دیوبند) اور ڈاکٹر محمود احمد غازی (نائب رئیس الجامعہ الاسلامیہ، اسلام آباد پاکستان) خصوصیت سے قابل ذکر ہیں، آپ سے کسبِ فیض کرنے والوں کی ایک طویل فہرست ہے، تاہم آپ کے ممتاز تلامذہ میں مفتی عبد الرشید قاسمی (استاذ مدرسہ جامع العلوم کانپور)، مولانا فریدالدین صاحب (استاذ مدرسہ اشرف العلوم جاجمو کانپور)، محمد شاہد جونپوری (مقیم حال قطر) اور مفتی محمد ساجد صاحب (استاذ عربی ادب دارالعلوم دیوبند) کے نام خاص کر قابل ذکر ہیں۔

☆ ☆ ☆

مفتی محمد طاہر قاسمی

مفتی محمد طاہر صاحب ۱۵ر دسمبر ۱۹۶۸ء کو گوتم بدھ نگر، غازی آباد میں پیدا ہوئے، آپ کے والد کا نام علی رضا ہے اور آپ کے وطن کا پورا پتہ اس طرح ہے: موضع گدالہ فیس نمبر:۲ نوئیڈہ، پوسٹ این، ای، پی، زیڈ (N.E.P.Z) ضلع گوتم بدھ نگر (سابق ضلع غازی آباد) اتر پردیش۔

آپ نے ابتدائی تعلیم جامعہ عربیہ تعلیم الدین پپلیڑہ، ضلع غازی آباد میں حاصل کی، پھر آپ مدرسہ خادم العلوم باغوں والی (ضلع مظفر نگر) تشریف لے گئے اور عربی ہفتم تک وہاں تعلیم حاصل کی۔

۱۴۰۷ھ میں دارالعلوم دیو بند میں دورۂ حدیث میں آپ کا داخلہ ہوا، دورۂ حدیث کے بعد آپ نے دارالعلوم ہی میں افتاء بھی کیا اور پھر مزید دو سال ''تدریب افتاء'' میں بھی رہے، غرض دارالعلوم دیو بند کی آغوش میں آپ نے چار سال تربیت پائی، جن میں سے بیشتر حصہ فقہ وفتاویٰ کی تربیت پانے میں گذرا۔

دارالعلوم سے تعلیمی سلسلہ ختم کرنے کے بعد آپ نے سب سے پہلے اپنی مادر علمی جامعہ عربیہ تعلیم الدین (غازی آباد) میں تدریسی خدمت انجام دی، یہ سلسلہ تین سال تک رہا، اس کے بعد فقہ وفتاویٰ میں آپ کی تربیت سے فائدہ اٹھانے کے لئے دارالعلوم دیو بند کے دارالافتاء میں آپ کا تقرر ہوگیا اور وہاں استفتاء کے جواب کے علاوہ شعبۂ افتاء کے طلبہ کی الاشباہ والنظائر کا سبق بھی آپ سے متعلق رہا، دارالعلوم دیو بند میں بھی آپ کا قیام تین سال رہا، پھر مظاہر علوم سہارنپور میں علیا کی مختلف کتابیں پڑھانے کے لئے آپ کو بلالیا گیا اور آپ

وہاں چلے گئے، اس وقت آپ مظاہر علوم میں چودہ سال سے مسلسل تدریس اور افتاء کی خدمت انجام دے رہے ہیں۔

آپ نے جن اساتذہ سے کسبِ فیض کیا ان میں مفتی محمود حسن گنگوہیؒ، مفتی نظام الدین اعظمیؒ اور مفتی سعید احمد پالن پوری خاص کر قابل ذکر ہیں اور آپ کے شاگردوں میں مفتی صبیح اختر کشن گنج (استاذ حدیث مدرسہ ہوجائی آسام)، مفتی فرید احمد دیولا (گجرات)، مفتی صلاح الدین (مفتی مدرسہ رفیق العلوم و ناظم جامع العلوم آمبور، مدراس)، مفتی شمس الدین (مفتی مدرسہ شاہ ولی اللہ بنگلور)، مفتی اقبال احمد (مہتمم مدرسہ احیاء العلوم، مدراس) اور مولانا محمد عثمان (مدرسہ حسینیہ تمکور، کرناٹک) خاص کر ممتاز ہیں۔

☆ ☆ ☆

مفتی محمد سلمان منصور پوری

مفتی محمد سلمان صاحب کی ولادت ۱۱ر فروری ۱۹۶۷ء کو ہوئی، آپ حضرت مولانا قاری محمد عثمان صاحب منصور پوری مدظلہ العالی (سابق نائب مہتمم دارالعلوم دیوبند و موجودہ صدر جمعیۃ علماء ہند) کے فرزند اکبر ہیں، آپ کا آبائی وطن محلہ دربار منصور پور مظفر نگر ہے۔

عربی سوم تک کی ابتدائی تعلیم آپ نے جامعہ اسلامیہ جامع مسجد امروہہ میں حاصل کی، ۱۴۰۲ھ میں آپ نے دارالعلوم دیوبند میں عربی چہارم میں داخلہ لیا، ۱۴۰۷ھ میں دورۂ حدیث کی تکمیل کی اور سالانہ امتحان میں امتیازی نمبرات سے کامیاب ہوئے، ۱۴۰۸ھ میں دارالعلوم ہی میں آپ نے افتاء کیا اور ۱۴۰۹، ۱۴۱۰ھ میں آپ یہیں تدریب الافتاء کے شعبے میں رہے، دارالعلوم میں آپ نے مختلف درجات میں جن اساتذہ سے پڑھا ان میں حضرت مولانا محمود حسن گنگوہی، حضرت مولانا قاری محمد عثمان منصور پوری، حضرت مولانا نعمت اللہ اعظمی اور موجودہ شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی سعید احمد پالن پوری وغیرہ کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

تعلیمی زندگی سے فراغت کے بعد آپ نے اولاً دارالعلوم دیوبند ہی میں معین مدرس کے طور پر تدریسی خدمت انجام دی، پھر جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد میں تدریس و افتاء کے لئے آپ کا تقرر ہوا اور تا حال آپ اسی ادارہ میں خدمت انجام دے رہے ہیں، مدرسہ شاہی میں مختلف اوقات میں مسلم شریف، ترمذی شریف، طحاوی شریف، مؤطا امام مالک، مؤطا امام محمد، شمائل ترمذی، ہدایہ اخیرین، مقاماتِ حریری وغیرہ اور شعبۂ افتاء میں شرح عقود رسم المفتی اور الاشباہ والنظائر کے اسباق آپ سے متعلق رہے۔

مختلف جہات سے دین کی خدمت کے ساتھ فقہ و فتاویٰ آپ کی محنت کا مخصوص میدان اور آپ کی توجہ کا خاص مرکز رہا ہے، چنانچہ فضیلت کی تکمیل کے بعد خاص اسی فن میں تربیت

کے لئے آپ نے اپنے کو دو تین سالوں کے لئے فارغ کیا اور فقہ و فتاویٰ کی لائن سے امامت کا درجہ رکھنے والے اکابر سے تربیت حاصل کی، یہی وجہ ہے کہ تدریسی زندگی کے آغاز سے ہی افتاء کی خدمت آپ سے متعلق کی گئی اور مدرسہ شاہی میں تدریس کے ساتھ نائب مفتی کی حیثیت سے آپ کا تقرر ہوا، اس وقت آپ تدریس کے علاوہ عوامی استفتاءات کے جواب بھی لکھتے ہیں اور شعبۂ افتاء کے طلبہ کی تربیت کا بھی فریضہ انجام دیتے ہیں، نیز مدرسہ شاہی کے ترجمان ماہنامہ ''ندائے شاہی'' کا فقہی کالم بھی آپ ہی لکھتے ہیں، آپ کی علمی گہرائی و گیرائی اور آپ کے صلاح وتقویٰ کی وجہ سے لوگوں میں آپ کے فتاویٰ اور آپ کی آراء کو بڑا اعتماد واستناد حاصل ہے۔

تدریس و افتاء کے علاوہ ضلع مراد آباد کے محکمۂ شرعیہ میں رکن کی حیثیت سے آپ قضاء کی خدمت بھی انجام دیتے ہیں اور ماہنامہ ''ندائے شاہی'' (جو اپنے مشمولات کے تنوع اور اشاعت کی پابندی کے حوالہ سے اپنی ایک پہچان رکھتا ہے) کی ترتیب بھی آپ ہی سے متعلق ہے، نیز آپ جمعیۃ علماء ہند کی مجلس عاملہ کے رکن بھی ہیں اور علاقے بلکہ ملک بھر میں زبان وبیان کے ذریعہ دعوتِ دین اور معاشرہ کی اصلاح میں بھی آپ کا اہم رول ہے۔

فقہی اور اصلاحی موضوعات پر آپ کی قلمی خدمات بھی ہزاروں صفحات پر پھیلی ہوئی ہیں؛ چنانچہ فقہ کے موضوع پر تحفۂ رمضان، دینی مسائل اور ان کا حل، فتاویٰ نویسی کے رہنما اُصول، فتاویٰ شیخ الاسلام اور کتاب المسائل آپ کی گرانقدر تصانیف ہیں اور تفسیر، تاریخ، اصلاح وغیرہ کے موضوع پر یہ قیمتی تصانیف آپ کے علمی وقلمی شاہکار ہیں: اللہ سے شرم کیجئے، اللہ والوں کی مقبولیت کا راز، دعوتِ فکر وعمل، لمحات فکریہ، ذکر رفتگاں، قادیانی مغالطے، رد مرزائیت کے زریں اُصول، تحریک آزادی ہند میں مسلم علماء اور عوام کا کردار، پیکر عزم وہمت استاذ اور شاگرد، نور نبوت، اسلامی معاشرت، شمائل رسول، حجاج کرام کے لئے ضروری ہدایت، درس سورۂ فاتحہ — ان کے علاوہ ماہنامہ ''ندائے شاہی'' کے چار ضخیم نمبرات: تاریخ شاہی نمبر، حج وزیارت نمبر، نعت النبی نمبر اور فدائے ملت نمبر بھی آپ نے ہی ترتیب دیئے ہیں۔

☆ ☆ ☆

مولانا اختر امام عادل قاسمی

مولانا اختر امام عادل ۱۰ محرم الحرام ۱۳۸۸ھ کو منورا شریف، ضلع سمستی پور (بہار) میں پیدا ہوئے آپ کا تعلق منورا شریف کے علمی اور روحانی خانوادے سے ہے، آپ مولانا محفوظ الرحمٰن صاحب کے صاحبزادے ہیں۔

آپ کی ابتدائی تعلیم مدرسہ خیر العلوم بردونی (سمستی پور) میں ہوئی، پھر آپ نے مدرسہ بشارت العلوم کھرایاں پتھرا (دربھنگہ) میں تعلیم حاصل کی، مدرسہ بشارت العلوم کے بعد آپ نے تعلیم کی غرض سے الٰہ باد کا سفر کیا اور مدرسہ وصیۃ العلوم میں داخل ہوئے، کچھ دنوں آپ نے مدرسہ دینیہ غازی پور میں بھی تعلیم حاصل کی، پھر ۱۹۸۵ء میں آپ نے دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور ۱۹۸۷ء میں آپ یہاں سے فارغ ہوئے۔

آپ کے اساتذہ میں مفتی محمد ظفیر الدین مفتاحی، مفتی سعید احمد پالن پوری، مولانا محمد نعمت اللہ اعظمی اور مولانا اعجاز احمد اعظمی (صدر المدرسین مدرسہ شیخ الاسلام، شیخو پور، اعظم گڑھ) خاص کر قابل ذکر ہیں۔

فراغت کے بعد آپ نے دارالعلوم ہی میں معین المدرسین کی حیثیت سے خدمت انجام دی، پھر آپ مدرسہ سراج العلوم سیوان (بہار) میں مدرس و مفتی مقرر ہوئے، پھر دارالعلوم حیدرآباد اور دارالعلوم سبیل السلام (حیدرآباد) میں تدریس وافتاء کی خدمت پر مامور ہوئے، چند سالوں قبل آپ نے اپنے گاؤں میں ''جامعہ ربانی'' کے نام سے ایک مدرسہ قائم فرمایا، اس وقت آپ وہیں خدمت انجام دے رہے ہیں۔

آپ نے فقہی اور غیر فقہی موضوعات پر متعدد قیمتی کتابیں بھی تالیف فرمائی ہیں، جن

میں سے چند یہ ہیں :

۱- غیر مسلم ملکوں میں مسلمانوں کے مسائل۔

۲- حضرت شاہ ولی اللہ اپنے فقہی نظریات وخدمات کے آئینے میں۔

۳- قوانین عالم میں اسلامی قانون کا اعتبار۔

۴- حقوقِ انسانی کا اسلامی منشور۔

۵- منصبِ صحابہؓ۔

۶- حجاز سے دیوبند تک۔

۷- موجودہ عہدِ زوال میں مسلمانوں کے لئے اسلامی ہدایات۔

☆ ☆ ☆

مفتی اقبال احمد قاسمی

مفتی اقبال احمد کی پیدائش ۲۰؍اپریل ۱۹۶۹ء، ۱۲؍ربیع الاول ۱۳۸۹ھ کو ہوئی، آپ کے والد گرامی کا نام حکیم مختار احمد ہے، آپ ضلع کانپور کے ایک گاؤں ''اَتَرْ دُوَھا'' کے رہنے والے ہیں۔

مفتی صاحب نے ناظرہ اور دینیات وغیرہ کی تعلیم اپنے گھر پر ہی حاصل کی، حفظ آپ نے مدرسہ حیات العلوم خانپور اناؤ میں کیا اور عربی کی ابتدائی تعلیم مدرسہ مظہر العلوم بیکن گنج کانپور میں حاصل کی، مدرسہ مظہر العلوم میں آپ کا قیام دو سال رہا، پھر آپ جامعہ عربیہ ہتھورا (باندہ) چلے گئے اور عربی ہفتم (مشکوٰۃ) تک وہاں تعلیم حاصل کی، اسی دوران آپ نے بروایت حفص قراءت کی بھی سند حاصل کی اور قراءت سبعہ کا بھی ابتدائی حصہ پڑھا، ۱۴۰۸ھ، مطابق ۱۹۸۸ء میں آپ نے دار العلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور ۱۴۱۰ھ مطابق ۱۹۹۰ء میں دورۂ حدیث سے آپ کی فراغت ہوئی، ۱۴۱۱ھ میں آپ نے یہیں افتاء بھی کیا، جس میں آپ کو اول پوزیشن سے کامیابی ملی، پھر مزید دو سال (۱۴۱۲-۱۴۱۳ھ) آپ دار العلوم ہی میں تدریب فی الافتاء کے شعبہ میں رہے۔

فراغت کے بعد ۱۴۱۴-۱۴۱۵ھ میں آپ نے دو سال معین المدرسین کے طور پر دار العلوم میں تدریسی خدمت انجام دی، جس میں سال چہارم تک کی کتابیں پڑھانے کا آپ کو موقع ملا، پھر آپ کی ابتدائی مادر علمی مدرسہ مظہر العلوم کانپور میں صدر المدرسین اور مفتی کی حیثیت سے آپ کی تقرری ہوئی، یہاں آپ کو عربی ششم تک (اس مدرسہ میں عربی ششم تک کی ہی تعلیم ہے) کی متعدد چھوٹی بڑی کتابیں پڑھانے کا موقع ملا اور تاہنوز آپ یہیں تدریس

وافتاء کی خدمت انجام دے رہے ہیں۔

شہر کانپور کے مفتی اعظم اور قاضی القضاۃ مفتی محمد منظور صاحب مظاہری (رکن شوریٰ دارالعلوم دیوبند) کی پیرانہ سالی اور ضعف وعلالت کی وجہ سے آپ کی افتاء کی ذمہ داریاں بڑھ گئی ہیں اور اہم مسائل میں لوگوں کا رُجوع اب آپ کی طرف ہونے لگا ہے، اس کے علاوہ محکمۂ شرعیہ دارالقضاء جمعیۃ علماء کے رکن کی حیثیت سے بھی آپ خدمت انجام دے رہے ہیں اور شہر کی ایک مسجد میں درسِ قرآن کا سلسلہ بھی جاری ہے، نیز آپ علماء کونسل کانپور کے سکریٹری، مرکزی رؤیت ہلال کمیٹی (کانپور) اور انجمن فروغ سنت کے جنرل سکریٹری، مدرسہ فیض العلوم پکھرایاں اور مدرسہ منہاج العلوم امرودھا (ضلع کانپور) کے ذمہ دار (مہتمم) ہیں۔

آپ نے جن اساتذہ سے خصوصی استفادہ کیا، ان میں آپ کے استاذ وشیخ حضرت مولانا قاری صدیق احمد باندویؒ، مفتی سعید احمد پالن پوری (موجودہ شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند)، مولانا محمد نعمت اللہ اعظمی اور مفتی ظفیر الدین مفتاحی (سابق مفتی دارالعلوم دیوبند و مرتب فتاویٰ دارالعلوم دیوبند) خاص کر قابل ذکر ہیں۔

جن لوگوں نے آپ سے استفادہ کیا، ان میں مولانا محمد احمد ابن مفتی عبد الرزاق صاحب (بھوپال)، مولانا محمد عفان منصور پوری ابن قاری محمد عثمان منصور پوری، مفتی محمد حسان (گورکھپور)، مولانا محمد زاہد قاسمی (کٹک، اُڑیسہ) اور مفتی محمد سعد نور (کانپور) کے نام خاص کر قابل ذکر ہیں، راقم الحروف کو بھی درجۂ فارسی سے عربی سوم تک کی متعدد کتابیں آپ سے پڑھنے کا شرف ملا اور آپ کی شفقت اور خصوصی توجہات حاصل رہیں۔

شہر کانپور اور دیہات میں متعدد دینی، علمی، فقہی، دعوتی اور اصلاحی کاموں سے وابستگی کی بنا پر آپ کو یکسوئی کے ساتھ باضابطہ تصنیف وتالیف کا موقع تو نہیں مل پایا، تاہم چند فقہی اور غیر فقہی مقالات ورسائل آپ نے مرتب فرمائے ہیں، جو اس طرح ہیں

۱- طلاق کب، کیوں اور کیسے؟ (صفحات: ۴۸)۔

۲- رہنمائے حج وعمرہ (صفحات: ۷۲)۔

۳- غلط عقائد (صفحات: ۷۸)۔

۴- حضرت مولانا صدیق باندوی کے سچے واقعات (صفحات تقریباً دوسو، یہ مقالہ زیر طبع ہے)۔

ان کے علاوہ اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا اور ادارۃ المباحث الفقہیہ کے سیمیناروں میں لکھے گئے درجنوں فقہی مقالات، مذکورہ اداروں کی مطبوعات میں شامل ہیں۔

☆ ☆ ☆

مراجع ومصادر

قرآنیات

	اسمائے کتب	اسمائے مصنفین	سن وفات
۱	قرآن مجید		
۲	تفسیر کبیر	علامہ فخر الدین رازی	۶۰۶ھ
۳	تفسیر مظہری	علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی	۱۲۲۵ھ
۴	چند اہم کتب تفسیر اور قرآن مجید کے ترجمے	مولانا محمد برہان الدین سنبھلی	

احادیث

	اسمائے کتب	اسمائے مصنفین	سن وفات
۵	صحیح بخاری	ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری	۲۵۶ھ
۶	صحیح مسلم	مسلم بن الحجاج بن مسلم قشیری	۲۶۱ھ
۷	سنن ترمذی	ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی	۳۰۳ھ
۸	سنن ابی داؤد	ابو داؤد سلیمان بن اشعث	۲۷۵ھ
۹	المعجم الکبیر	سلیمان بن احمد طبرانی	۳۶۰ھ
۱۰	مصنف عبدالرزاق	ابو بکر عبدالرزاق بن ہمام صنعانی	۲۱۱ھ
۱۱	مسند احمد بن حنبل	امام احمد بن حنبل	۲۴۱ھ
۱۲	مجمع الزوائد	نور الدین بن ابی بکر ھیثمی	۸۰۷ھ
۱۳	مستدرک حاکم	محمد بن عبداللہ حاکم نیساپوری	
۱۴	فتح الباری	احمد بن علی بن حجر عسقلانی	۸۵۲ھ

۱۵	مرقات المفاتیح	علی بن سلطان محمد قاری	۱۰۱۴ھ
۱۶	اعلاء السنن	مولانا ظفر احمد تھانوی	
۱۷	بذل المجہود	مولانا خلیل احمد سہارنپوری	۱۳۴۶ھ
۱۸	الفقیہ والمتفقہ	ابوبکر احمد بن علی بن ثابت الخطیب البغدادی	۴۶۳ھ

فقہیات

۱۹	المدخل الی مذہب الامام احمد بن حنبل	عبدالقادر بن احمد	۱۳۴۶ھ
۲۰	اصول البزدوی	امام فخر الاسلام علی بن محمد بزدوی حنفی	۴۸۳ھ
۲۱	ارشاد الفحول الی تحقیق الحق من علم الاصول	محمد بن علی بن محمد الشوکانی	۱۲۵۰ھ
۲۲	تیسیر التحریر	شیخ محمد امین بادشاہ	۹۷۸ھ
۲۳	فتاویٰ تاتارخانیہ	عالم بن العلاء الانصاری دہلوی	
۲۴	فتاویٰ رشیدیہ	مولانا رشید احمد گنگوہی	
۲۵	فتاویٰ خلیلیہ	مولانا خلیل احمد مہاجر مدنی	
۲۶	عزیز الفتاویٰ	مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی	
۲۷	فتاویٰ دار العلوم دیوبند	مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی	
۲۸	امداد المفتیین	مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی	
۲۹	کفایۃ المفتی	مفتی کفایت اللہ دہلوی	
۳۰	فتاویٰ محمودیہ	مفتی محمود حسن گنگوہی	
۳۱	منتخب نظام الفتاویٰ	مفتی نظام الدین اعظمی	
۳۲	احسن الفتاویٰ	مفتی رشید احمد کراچی پاکستان	
۳۳	فتاویٰ رحیمیہ	مفتی عبدالرحیم لاجپوری	
۳۴	کتاب الفتاویٰ	مولانا خالد سیف اللہ رحمانی	

تاریخ و تذکرہ

۳۵	تاریخ الفقہ الاسلامی		
۳۶	تاریخ ابن خلدون	عبدالرحمن بن خلدون	
۳۷	امام ابوحنیفہ اور ان کے اصلی کارنامے		
۳۸	مولانا محمد قاسم نانوتوی — احوال و آثار	نورالحق راشد کاندھلوی	
۳۹	حیات نانوتوی		
۴۰	تاریخ دارالعلوم دیوبند	سید محبوب رضوی	
۴۱	علماء دیوبند		
۴۲	تذکرۃ الرشید		
۴۳	تذکرۃ الخلیل		
۴۴	بزم اشرف کے چراغ		
۴۵	یاد رفتگاں	سید سلیمان ندوی	
۴۶	مفتی اعظم کی یاد		
۴۷	مفتی اعظم ہند	ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہاں پوری	
۴۸	ظفر المحصلین باحوال المصنفین	مولانا محمد حنیف گنگوہی	
۴۹	زندگی کا علمی سفر	مفتی ظفیر الدین مفتاحی	
۵۰	چند نامور علماء	مولانا بدر الحسن قاسمی	
۵۱	متاع سفر	مولانا خالد سیف اللہ رحمانی	

رسائل و جرائد

۵۲	ماہنامہ ندائے شاہی	"تاریخ شاہی نمبر ۱۹۹۲ء"	
۵۳	سہ ماہی فکر اسلامی بستی	"معاصر فقہ اسلامی نمبر" ۱۹۹۹ء	
۵۴	سہ ماہی بحث و نظر	قاضی مجاہد الاسلام قاسمی — حیات و خدمات	
۵۵	امارت شرعیہ — شبہات و جوابات	مولانا شاہ بدر الدین مجیبی	

۵۶	امارت شرعیہ تعارف خدمات اور سرگرمیاں		
۵۷	اسلامک فقہ اکیڈمی — تعارف اور کارگردی		
۵۸	تعارف المعهد العالی للتدریب فی القضاء والافتاء		
۵۹	تعارف المعهد العالی الاسلامی حیدرآباد		

متفرقات

۶۰	لسان العرب	علامہ ابن منظور	
۶۱	القاموس الجدید	مولانا وحید الزماں کیرانوی	
۶۲	فیروز اللغات	مولوی فیروز الدین	
۶۳	رحمۃ اللہ الواسعہ	مفتی سعید احمد پالن پوری	
۶۴	کلمۃ الحق		
۶۵	انفاس عیسیٰ		
۶۶	وعظ الصالحین	مولانا اشرف علی تھانوی	
۶۷	بوادر النوادر	مولانا اشرف علی تھانوی	
۶۸	الدراسات الاسلامیہ		
۶۹	کتاب التعریفات		
۷۰	اشرف المقالات		
۷۱	حسن العزیز		
۷۲	اشرف المعلومات		
۷۳	معاشرتی مسائل — دین فطرت کی روشنی میں	مولانا محمد برہان الدین سنبھلی	
۷۴	نصیر کارواں (طلبۂ دار العلوم کی ڈائری)	طلبۂ دار العلوم دیوبند ۲۰۰۸ء	

☆ ☆ ☆

فضائل الكتاب

فی

القرآن والسنة

الجامع

السيد محمد سفيان الكنكوهی المدرسة المحمدية لتبليغ القرآن والسنة
والمطب الكاظمی بجوار المسجد شير علی بكنكوه 9675053416

إهداء إلى القلم والكاتبين

مقدمة

الحمدلله و كفى وسلام على عباده الذين اصطفى امابعد فاعوذ بالله من الشيطان الرجيم بسم الله الرحمن الرحيم الحمد لله الذى انزل الكتابوقال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان الله يرفع بهذا الكتاب اقواما ويضع به اخرين. مسلم

الحمد لله الذى ارسل الرسل وانزل عليهم الكتب لهداية البشرية كلها حتى انزل الله عزوجل سيد الكتب على سيد الانبياء والمرسلين محمد صلى الله عليه وسلم فأمر النبى صلى الله عليه وسلم أصحابه ان يكتبوا فكتب اصحاب النبى صلى الله عليه وسلم القرآن والسنة و كتب التابعون بعد اصحاب النبى صلى الله عليه وسلم ثم كتب تبع التابعين إلى يومنا هذا فعلينا أن نكتب كما كتبوا اول مخلوق هو القلم خلقه الله عزوجل قبل كل شىء وأمره ان يكتب قال القلم ماذا اكتب يارب قال الله تعالى اكتب مقادير كل شىء فكتب مقادير الخلائق علم من هذا اهمية القلم والكتاب فهذا اول عمل عململائكة الرب سبحانه وتعالى يكتبون أعمال الإنس والجان ووضع الكتاب يوم القيامة حتى ترى كل أمة كتابه فيدخلون المؤمنون الكاملون فى النعيم ويلقى الكافرون فى الجحيمويقال اقرأ كتابك كفى بنفسك اليوم حسيبا. فعلينا الاحباب الكرام ان نعمل اعمالا صالحابالقول والفعل وبالكتابة ونعلم الانسانية العلم والكتابة عامة ونعلم اولادنا العلم

والكتابة خاصة قد جمعت لى ولكم ذكر الكتاب فى القرآن والسنة كى نتوجه جميعا إلى القلم والكتابة احب الصالحين ولست منهم لعل الله يرزقنى صلاحا أحب الكتاب ولست منهم لعل الله يرزقنى الكتابة قال العلماء معنى الكتاب الذى يذكر فيه الاحوال والآثار بالتفصيل لموضوع خاص

طالب الدعاء أخوكم فى الله

السيد محمد سفيان الكنكوهى

المدرسة المحمدية لتبليغ القرآن والسنة والمطب الكاظمى بجوار المسجد

شيرعلى بكنكوه 9675053416

ذکر الکتاب فی القرآن

بسم اللہ الرحمن الرحیم

1 الم ذلك الكتاب لاريب فيه.بقرة22 ربنا وابعث فيهم رسولا منهم يتلوا عليهم ايتك ويعلمهم الكتاب والحكمة ويزكيهم انك انت العزيز الحكيم.بقرة 3 يايها الذين امنوا اذا تداينتم بدين الى اجل مسمى فاكتبوه وليكتب بينكم كاتب م بالعدل ولاياب كاتب ان يكتب كما علمه الله فليكتب.بقرة2824 نزل عليك الكتاب بالحق مصدقا لما بين يديه وانزل التورة والانجيل.ال عمران35 هو الذى انزل عليك الكتاب منه ايت محكمت هن ام الكتاب واخر متشابهات.ال عمران 76 وانزل الله عليك الكتاب والحكمة وعلمك مالم تكن تعلم وكان فضل الله عليك عظيما.نساء 1137 المص كتب انزل اليك فلا يكن فى صدرك حرج منه لتنذر به وذكرى للمؤمنين.الاعراف28 الر تلك ايت الكتاب الحكيم.يونس19 الر كتب احكمت ايته ثم فصلت من لدن حكيم خبير.هود110 الر تلك ايت الكتاب المبين.يوسف111 المر تلك ايت الكتاب والذى انزل اليك من ربك الحق ولكن اكثر الناس لايؤمنون.رعد112 الر كتب انزلنه اليك لتخرج الناس من الظلمات الى النور باذن ربهم الى صراط العزيز الحميد.ابراهيم113 الر تلك ايت الكتاب وقران مبين.حجر 114 ونزلنا عليك الكتاب تبيانا لكل شىء وهدى ورحمة وبشرى للمسلمين.نحل8915 الحمد لله الذى انزل على عبده

الکتاب ولم یجعل له عوجا. کهف116 ییحیی خذالکتاب بقوۃ واتینه الحکم صبیا.مریم 1217 اقرأ باسم ربك الذی خلق خلق الانسان من علق اقرأ وربك الاکرم الذی علم بالقلم علم الانسان مالم یعلم.اقرأ518 لم یکن الذین کفروا من اهل الکتب والمشرکین منفکین حتی تاتیهم البینة رسول من الله یتلوا صحفامطهرۃ فیها کتب قیمة.البینة 3

ذکر الکتاب فی السنة وفی اقوال العلماء

بسم الله الرحمن الرحیم 1 قال رسول الله صلی الله علیه وسلم ان اول ما خلق الله تعالی القلم فقال له اکتب فقال رب ماذا اکتب قال اکتب مقادیر کل شیء حتی تقوم الساعة.ابوداؤدرقم2700 2 قال رسول الله صلی الله علیه وسلم کتب الله مقادیرالخلائق قبل ان یخلق السموت والارض بخمسین الف سنة قال وعرشه علی الماء.مسلم رقم67483 قال رسول الله صلی الله علیه وسلم ان الله کتب کتاباقبل ان یخلق السموت والارض بالفی عام...ترمذی42882 قال ابن عباس رضی الله عنه ضمنی رسول الله صلی الله علیه وسلم وقال اللهم علمه الکتاب.بخاری5 قال رسول الله صلی الله علیه وسلم ان الله یرفع بهذاالکتاب اقواما ویضع به اخرین.مسلم رقم1897 6 قال رسول الله صلی الله علیه وسلم من قرأ حرفامن کتاب الله فله به حسنة والحسنة بعشرامثالها لا اقول الم حرف ولکن الف حرف ولام حرف ومیم حرف.ترمذی رقم 2910 7 قال رسول الله صلی الله علیه وسلم من قال فی

كتاب الله برأيه فأصاب فقد أخطأ. ابوداؤد رقم 36528 عن ابى جحيفة رحمه الله
قال قلت لعلى رضى الله عنه هل عندكم كتاب قال لا إلا كتاب الله او فهم
اعطيه رجل مسلم اومافى هذه الصحيفة قلت ومافى هذه الصحيفة قال العقل
وفكاك الاسير ولايقتل مسلم بكافر. بخارى ج1ص229 قال ابوهريرة رضى
الله عنه مامن اصحاب النبى صلى الله عليه وسلم احدا اكثرحديثا عنه منى إلا
ماكان من عبدالله بن عمرو فانه كان يكتب. بخارى ج1ص22 10 وفى
رواية قال ابوهريرة رضى الله عنه فانى كنت اعى بقلبى وكان يعى بقلبه ويكتب
بيده. طحاوى ج1ص38411 عن عبدالله ابن عمرو رضى الله عنه قال رسول الله
صلى الله عليه وسلم قيدالعلم قلت وماتقييده قال الكتابة. مجمع
الزوائد ج1ص6012 قال عبدالله بن عمروبن العاص رضى الله عنه كنت
أكتب كل شىء اسمعه من رسول الله صلى الله عليه وسلم اريدحفظه فنهتنى
قريش وقالوا اتكتب كل شىء تسمعه ورسول الله صلى الله عليه وسلم بشر
يتكلم فى الغضب والرضاء فامسكت من الكتابة فذكرت ذلك الى رسول الله
صلى الله عليه وسلم فاومابإصبعه الى فيه فقال اكتب فوالذى نفسى بيده
مايخرج منه الاالحق. ابوداؤد ج1ص15713 قال رسول الله صلى الله عليه
وسلم اكتبوا ولا حرج. كنزالعمال ج5ص22314 قال رسول الله صلى الله
عليه وسلم استعن بيمينك. مجمع الزوائد ج1ص60 15 ان رسول الله صلى
الله عليه وسلم كتب الى اهل اليمن بكتاب فيه الفرائض والسنن والديات
وبعث به مع عمربن حزم رضى الله عنه. طحاوى ج2ص41716 قال عبدالله بن

محمد كنا ناتی جابر بن عبدالله رضی الله عنه فنسأله عن سنن رسول الله صلی الله علیه وسلم فنکتبها. طحاوی ج 2ص 38417 قال ابوالزناد رحمه الله کنا نطوف مع الزهری على العلماء ومعه الاواح ةالصحف یکتب کلماسمع. تذکرةالحفاظ ج 1ص 8 1 3 0 1 قال عبدالرزاق رحمه الله کتبت من معمرعشرة الاف حدیث. تذکرةالحفاظ ج 1ص175من 157 الهجریة الی 188 الهجریة قد کتب العلماء کتبا کثیرة کتب کتاب الآثار کتاب الحج کتاب الخراج لابي یوسف رحمه الله و کتب کتاب الآثار کتاب الحج مؤطا لامام محمد رحمه الله ثم جرت هذه السلسلة حتى وصلت الینافنقتدی العلماء ونکتب ونعلم البشریة الکتابة اللهم اجعلنا عالمین عاملین کاتبین برحمتك یا ارحم الراحمین امین یارب العالمین واخردعوانا ان الحمد لله رب العالمین

گالیاں

کون دیتا ہے؟

مسلمان یا قادیانی

مولانا محمد یوسف لدھیانوی

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوۃ
مضوری باغ روڈ ملتان
☎ 40978

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ابتدائیہ

زیر نظر کتابچہ ایک ولولہ انگیز تقریر ہے جو حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی نے اکتوبر (۱۹۸۵) کو عظیم الشان ختم نبوت کانفرنس منعقدہ مرکز پاکستان ہال ابو ظبی میں ایک پرشکوہ اجتماع میں فرمائی ۔ جس میں نہایت پر مغز اور مدلل اسلوب سے قادیانیوں کے کفریہ عقائد کی تشریح کی گئی ہے ۔ علاوہ ازیں ' مسلمانوں کے قادیانیوں سے سوشل بائیکاٹ کی اپیل ' قادیانیوں کا اپنے آپ کو " احمدی " کہلانے کا دجل اور قادیانیوں کا تعلیم یافتہ طبقے کو یہ تاثر دینا کہ مولوی صاحبان محض گالیاں ہی دیتے ہیں ' جیسے مضامین کو عام فہم انداز میں بیان فرمایا ہے ۔ غرض مولانا نے قادیانیوں کے فریب کا لبادہ چاک کردیا ہے ۔ آخر میں مولانا محترم نے نہایت دلسوزی سے مسلم امہ کو حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے " عقیدہ ختم نبوت " کے تحفظ کے لئے میدان عمل میں آنے کی شدید ضرورت کا احساس دلا کر " شافع محشر " آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کے مستحق بننے کی ترغیب دی ہے ۔ اللہ کریم محترم مولانا کو تادیر باحیات و باعافیت رکھیں ۔

مرتب :-

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ : امابعد

میں آپ حضرات کا زیادہ وقت نہیں لوں گا' ایک سوال کا جواب' ایک درخواست اور ایک پیغام آپ کی خدمت میں پیش کروں گا۔

سوال عام طور سے قادیانیوں کی طرف سے بھی کیا جاتا ہے اور ہمارے اعلیٰ طبقہ کے لکھے پڑھے بھائی بھی کیا کرتے ہیں' وہ یہ کہ یہ مولوی صاحبان مرزائیوں کو گالیاں نکالتے ہیں؟ ہماری عظیم الشان ختم نبوت کانفرنس جو ۴ر اگست ۱۹۸۸ کو ویمبلے (Wembley) کانفرنس سینٹر لندن میں ہوئی۔ وہاں کے اخبارات نے لکھا کہ اتنا بڑا مسلمانوں کا اجتماع لندن کی تاریخ میں کبھی نہیں ہوا' اور قادیانی اس سے اتنے پریشان ہوئے کہ اس کی تفصیل بیان کروں تو اس کے لئے مستقل گھنٹہ درکار ہے' لیکن مرزا طاہر نے اس پر تبصرہ کیا کہ مولویوں نے گالیاں نکالی ہیں۔ اور ہمارے لکھے پڑھے دوست بھی یہ کہا کرتے ہیں کہ یہ مولوی صاحبان مرزائیوں کو قادیانیوں کو گالیاں دیتے ہیں' اور یہ (مرزائی قادیانی کا لفظ) تو میں کہہ رہا ہوں' یہ کہا کرتے ہیں "احمدیوں" کو گالیاں دیتے ہیں' ان کے مقدس اور مبارک منہ سے "احمدی" کا لفظ نکلا کرتا ہے' مرزائی یا قادیانی کبھی نہیں بولتے۔

سوال کا جواب تو میں بعد میں دوں گا۔ پہلے عرض کروں کہ غلام احمد قادیانی کے ماننے والوں کو مرزائی کہو' قادیانی کہو مگر احمدی نہ کہو' اس لئے کہ "احمدی" نسبت ہے احمد کی طرف اور "احمد" کا لفظ قرآن میں صرف ایک جگہ سورۂ صف میں آیا ہے' جہاں اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ ارشاد نقل کیا ہے:

يبنى إسرائيل إنى رسول الله إليكم مصدقا لما بين يدى من التوراة ومبشرا برسول ياتى من بعدى اسمه أحمد (الصف اية ٦)

"عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اے بنی اسرائیل میں اپنی سے پہلی کتاب یعنی توراۃ کی تصدیق کرتا ہوں اور اپنے بعد آنے والے ایک عظیم الشان رسول کی خوشخبری دیتا ہوں جن کا نام نامی اسم گرامی احمد ہو گا۔"

قرآنی آیت میں "احمد" سے مراد محمد ہیں

یہاں جو لفظ "احمد" آیا ہے اس کے مصداق میں مسلمانوں اور قادیانیوں کا جھگڑا ہے، ہم مسلمان تو کہتے ہیں کہ قرآن مجید کی اس آیت میں "احمد" سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی یہ بشارت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں ہے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: (ان لی اسماء) "میرے بہت سے نام ہیں" (انا محمد وانا احمد) "میں محمد ہوں اور میں احمد ہوں" تو "احمد" حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت رکھنے والے احمدی ہوئے۔ تمہیں یاد ہو گا کہ متحدہ ہندوستان میں انگریز لوگ ہمیں بجائے مسلمان کہنے کے "محمدی" کہا کرتے تھے۔ یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت رکھنے والے۔ گو "محمدی" ہمارا لقب نہیں ہے۔ ہمارا لقب مسلمان ہے لیکن اللہ کا شکر ہے ہم "محمدی" کہلانے پر فخر کرتے ہیں۔ لیکن مرزائیوں کا عقیدہ یہ ہے کہ اس آیت میں "احمد" سے غلام احمد قادیانی مراد ہے۔ نعوذ باللہ ثم نعوذ باللہ۔ قرآن کریم میں تو خوشخبری "احمد" کے بارے میں دی گئی ہے:

ومبشرا برسول یأتی من بعدی اسمه أحمد

جبکہ مرزا کا نام "احمد" نہیں بلکہ "غلام احمد" ہے تو مرزا اس آیت کا مصداق کیسے ہوا؟ قادیانی کہتے ہیں کہ "غلام" کا لفظ ہٹا دو، باقی "احمد" رہ گیا لہٰذا یہ خوشخبری "غلام احمد" کے بارے میں

ہوئی نعوذ باللہ۔ اس طرح جعلی طور پر "غلام احمد" کو "احمد" بنا کر اس کی طرف نسبت کر کے یہ لوگ "احمدی" بنے اور اپنی جماعت کا نام انگریزوں سے "جماعت احمدیہ" رجسٹرڈ کرایا' تو قادیانیوں کا اپنے آپ کو "احمدی" کہنا قرآن کریم کی اس آیت کی تحریف پر مبنی ہے۔ اب جو لوگ قادیانیوں کو "احمدی" کہتے ہیں وہ حقیقت میں قادیانیوں کے اس مکروہ اور کافرانہ نظریہ کی تائید کرتے ہیں کہ اس آیت میں "احمد" سے مراد "مرزا غلام احمد قادیانی" ہے' نعوذ باللہ ثم نعوذ باللہ۔ اس لئے میں اپنے لکھے پڑھے بھائیوں سے کہوں گا کہ قادیانیوں کو "احمدی" مت کہیں' قادیانی کہیں یا مرزائی کہیں۔ مرزائی مرزا کی طرف نسبت ہے اور قادیانی قادیان کی طرف نسبت ہے۔ ازالہ اوہام ہمارے پاس موجود ہے اس میں غلام احمد قادیانی نے لکھا ہے کہ:

"میرا الہامی نام ہے "غلام احمد قادیانی" اور اس نام کے عدد پورے ۱۳۰۰ ہیں ازالۂ اوہام ۱۹۰ خزائن)۔ مرزا کا کہنا یہ ہے کہ چونکہ میں ۱۳۰۰ کے بعد آیا ہوں لہذا میرا یہ الہامی نام میرے مسیح ہونے کی دلیل ہے۔"

قادیانیوں کو ہرگز "احمدی" نہ کہو

یہ منطق تو الگ رہی کہ حروف ابجد کے حساب سے بھی مرزا مسیح کذاب ثابت ہوتا ہے ۔ بہرحال وہ کہتا ہے کہ یہ "غلام احمد قادیانی" الہامی نام ہے' خدا نے یہ نام نازل کیا ہے۔ اسی طرح "مرزا" کا لفظ بھی الہامی ہے' غلام احمد کہتا ہے کہ مجھے الہام ہوا "سنفرغ لک یا مرزا" (تذکرہ طبع دوم صفحہ ۳۳۳) "اے مرزا! ٹھہر جا ہم ابھی تیرے لئے فارغ ہوتے ہیں) پس جب ہم مرزا کی طرف نسبت کر کے ان کو مرزائی کہتے ہیں تو ہم کوئی بری بات نہیں کہتے' بلکہ ان کے عقیدے کے مطابق تو ان کے الہامی نام کی طرف نسبت کرتے ہیں "قادیانی" بھی ان کا الہامی نام ہے۔ لیکن یہ لوگ ان دونوں ناموں سے چڑتے ہیں کہ ہمیں مسلمان "مرزائی"

یا " قادیانی " کیوں کہتے ہیں ؟ بہر حال ہم انہیں " احمدی " نہیں کہیں گے ۔ مرزائی یا قادیانی کہیں گے اور میں تمام مسلمان بھائیوں کو تاکید کرتا ہوں کہ مرزائیوں کو " احمدی " ہرگز نہ کہا کریں بلکہ ان کو قادیانی یا مرزائی کہا کریں۔ یہ تو جملہ معترضہ تھا۔ اب میں اس سوال کو پھر دہراتا ہوں جہاں سے بات شروع کی تھی کہ میرے پڑھے لکھے بھائی یہ کہا کرتے ہیں کہ ان کو تم " گالیاں " نکالتے ہو' ہمارے مولانا خلیل احمد صاحب نے مرزا کو " دجال " کہا " کذاب " کہا کہ مرزا قادیانی دجال اور کذاب تھا۔ میں آپ سے پوچھتا ہوں " مسلمۃ " کو کیا کہا کرتے ہو ؟ " مسلمۃ کذاب " (سب حاضرین نے مل کر کہا " مسلمۃ کذاب ") یہ مسلمۃ کے ساتھ ساتھ کذاب کا لفظ کیوں بولتے ہیں ؟ اس لئے کہ مسلمۃ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خط لکھا تھا' جس میں یہ گستاخی کی تھی کہ " من مسلمۃ رسول اللہ الی محمد رسول اللہ " (یہ خط ہے مسلمۃ رسول اللہ کی طرف سے محمد رسول اللہ کے نام) اس کے جواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو خط لکھوایا وہ یہ تھا:

" من محمد رسول اللہ الی مسلمۃ الکذاب " " محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مسلمہ کذاب (جھوٹے) کی طرف "

اب کیا میرے بھائی کہیں گے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے " مسلمۃ " کو گالی دی تھی ؟ نعوذ باللہ ۔ " کذاب " کے معنی جھوٹے کے ہیں ' اگر تمہارا ایمان ہے اور یقیناً ایمان ہے اور سو فیصد ایمان ہے کہ غلام احمد قادیانی نے نبوت کا جھوٹا دعویٰ کیا تو پھر مجھے کہنے دیجئے کہ جس طرح مسلمہ کذاب تھا اسی طرح غلام احمد قادیانی بھی کذاب ہے ۔ بتائیے ! کیا یہ گالی ہے ؟ (لوگوں نے کہا : نہیں) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ میری امت میں تیس کے قریب دجال کذاب آئیں گے ۔ " دجال " کہتے ہیں فریبی کو جو لوگوں کو دھوکہ دے کر انہیں اپنے دام میں پھنسائے ' تو جھوٹے مدعیان نبوت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

دجال 'کذاب" کہا کیونکہ مکرو فریب اور جھوٹی تاویلات کے ذریعے لوگوں کو دھوکہ دیتے ہیں۔
آپ بتائیے کہ دجال کہنا یہ گالی ہے؟ ہم کبھی کبھی مرزا کو لعین ملعون اور شقی بھی کہا کرتے ہیں
اس لئے کہ جھوٹی نبوت کا دعویٰ کرنے والا سب سے بڑا ملعون اور سب سے بڑا بدبخت ہے۔

لعنت کی گردان

مرزا غلام احمد قادیانی کی ایک کتاب "نور الحق" ہے 'اس میں ایک طرف سے وہ لکھنے لگا لعنت لعنت پھر لعنت لعنت لعنت لکھتا چلا گیا۔ ہر ایک لعنت پر ۱ '۲' ۳ "کا ہندسہ دیتا چلا گیا" جب پورا ایک ہزار کا عدد ہو گیا تو اس نے بس کی۔ اس طرح گن کر ہزار مرتبہ لعنت کا لفظ لکھا اور تین چار صفحے لعنت پر خرچ ہوئے۔ ہم نے کبھی مرزا اور مرزائیوں پر لعنت کی اتنی گردان نہیں کی۔

"مغلظات مرزا" کے نام سے مجلس تحفظ ختم نبوت نے کتاب چھاپی ہے 'جو مولانا نور محمد سابق مبلغ مظاہر العلوم سہارن پور کی تالیف ہے 'اور جس میں غلام احمد کی وہ عبارتیں با حوالہ نقل کی گئی ہیں جن میں مسلمانوں کو 'سکھوں کو 'عیسائیوں کو 'ہندوؤں کو 'علماء کو 'عوام کو صحابہ کرام کو 'انبیاء کرام علیہم السلام کو مرزا غلام احمد نے فحش گالیاں دی ہیں۔ ان گالیوں کی اصل عبارتیں لکھ کر ساتھ کے ساتھ حروف تہجی کے اعتبار سے ان گالیوں کی فہرست بھی بنادی ہے۔ میرے بھائی مرزا کی ان گالیوں کو پڑھ لیں۔ میرے لکھے پڑھے بھائی ذرا سینے پر ہاتھ رکھ کر اس کتاب کا بغور مطالعہ کریں اور پھر بتلائیں کہ ملا گالی دیتا ہے یا قادیانی گالی دیتے ہیں اور ان کا امام گالی دیتا ہے؟ نمونہ کے طور پر اگر چاہیں تو چند حوالے پیش کردوں۔ مشتے نمونہ از خروارے۔

مرزے کی ایک کتاب ہے "آئینہ کمالات اسلام "اور دوسرا نام اس کا دافع الوساوس ہے۔

مولانا محمد حسین بٹالوی مرحوم اس کو "آئینہ وسواس" کہا کرتے تھے ہمس ب کے صفحہ نمبر ۵۴۷ جلد ۵ (روحانی خزائن) پر لکھتا ہے اپنی چند کتابوں کا تذکرہ کرکے:

تلك كتب ينظر إليها كل مسلم بعين المودة والمحبة

یہ میری کتابیں ہیں جن کو ہر مسلمان دوستی اور محبت کی نظر سے دیکھتا ہے

ويقبلني ويصدقني وينتفع من معارفها.

اور مجھے قبول کرتا ہے اور میری تصدیق کرتا ہے اور ان کتابوں میں میں نے جو معرفت کی باتیں لکھی ہیں ان سے نفع اٹھاتا ہے۔

إلا ذرية البغايا فهم لا يقبلون

مگر کنجریوں کی اولاد کہ نہیں مانتے"

مرزا مسلمانوں کو کنجریوں کی اولاد کہتا ہے۔

اس عبارت میں مرزا نے لوگوں کی دو قسمیں ذکر کی ہیں ایک مرزا کو ماننے والے بس پر ایمان لانے والے اور اس کی تصدیق کرنے والے' وہ تو ہو گئے اس کے نزدیک "کل مسلم" اور ایک اس کے انکار کرنے والے۔ وہ ہیں اس کے نزدیک "ذریۃ البغایا" "کنجریوں کی اولاد"

آپ بتایئے! میرے منہ سے بھی آپ نے کبھی کسی قادیانی کے بارے میں سنا ہے کہ میں نے اسے کنجریوں کی اولاد کی گالی دی ہو' میں نہیں کسی بھی عالم کے منہ سے آپ نے نہیں سنا ہو گا۔

میرے بھائی! انصاف کریں ہم نے مرزا غلام احمد کا کیا قصور کیا تھا کہ اس نے ہمیں "ذریۃ البغایا" کی گالی دی۔

اور سنیئے! نجم الہدیٰ مرزا غلام احمد کی کتاب ہے اس میں لکھتا ہے

إن العدى صاروا خنازير الفلاء

ونساءهم من دونهن الأكلب

"دشمن ہمارے بیابانوں کے خنزیر ہو گئے۔ اور ان کی عورتیں کتیوں سے بڑھ گئیں۔" (روحانی خزائن نجم الہدیٰ صفحہ ۵۳ جلد ۱۴)

کیا ہم نے بھی کسی قادیانی عورت کو "کتیا" کہا ہے؟ یا قادیانیوں کو جنگلوں کے سور کہا ہے

مرزا قادیانی کا حضرت عیسیٰؑ کو گالی دینا

یہ وہ مثالیں ہیں جو مرزا قادیانی نے مسلمانوں کو گالیاں دی ہیں۔ اب ذرا ایک نبی کے بارے میں سن لیجئے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے اولوالعزم نبی ہیں ان کے بارے میں جو اس نے گل افشانیاں کی ہیں وہ کسی شخص کے سننے کے لائق نہیں۔ اپنی کتاب انجام آتھم کے ضمیمہ میں لکھتا ہے۔

"یہ بھی یاد رہے کہ آپ کو کسی قدر جھوٹ بولنے کی بھی عادت تھی'۔۔۔۔ آپ کا خاندان بھی نہایت پاک اور مطہر ہے۔ تین دادیاں اور نانیاں آپ کی زناکار اور کسبی عورتیں تھیں' جن کے خون سے آپ کا وجود ظہور پذیر ہوا۔ مگر شاید یہ بھی خدائی کے لئے ایک شرط ہو گی"

(ضمیمہ انجام آتھم صفحہ ۷ جلد ۱۱ خزائن صفحہ ۲۸۹ تا ۲۹۰)۔

مرزا یہاں عیسائیوں کو لکھ رہا ہے "خدائی کے لئے یہ بھی شرط ہو گی" کہ کنجریوں کی اولاد سے پیدا ہو' میں اس سے پوچھتا ہوں اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو عیسائی خدا مانتے ہیں تو وہ مسلمانوں کے نبی ہیں تو کیا یہ کہہ سکتے ہیں کہ شاید نبوت کے لئے یہ بھی شرط ہو۔ نعوذ باللہ۔ مرزائیوں کو کچھ تو شرم آنی چاہئے۔

پھر دافع البلاء کے ملفیہ میں لکھتا ہے۔ یہ اس کا چھوٹا سا رسالہ ہے جو اس کے بلند اعمال کی طرح سیاہ ہے۔

اس رسالہ میں مرزا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں لکھتا ہے:

مسیح کی راستبازی اپنے زمانہ میں دوسرے راستبازوں سے بڑھ کر ثابت نہیں ہوتی۔ بلکہ یحییٰ نبی کو اس پر ایک فضیلت ہے کیونکہ وہ شراب نہیں پیتا تھا اور کبھی نہیں سنا گیا کہ کسی فاحشہ عورت نے آکر اپنی کمائی کے مال سے اس کے سر پر عطر ملا تھا یا ہاتھوں اور سر کے بالوں سے اس کے بدن کو چھوا تھا۔ یا کوئی بے تعلق جوان عورت اس کی خدمت کرتی تھی۔ اسی وجہ سے خدا نے قرآن میں یحییٰ کا نام "حصور" رکھا مگر مسیح کا یہ نام نہ رکھا کیونکہ ایسے قصے اس نام کے رکھنے سے مانع تھے۔

(دافع البلاء، روحانی خزائن صفحہ ۲۲۰ جلد ۱۸)۔

بقول مرزا خدا نے عیسیٰ علیہ السلام کو "حصور" اس لئے نہیں کہا کیونکہ وہ (نعوذ باللہ نقل کفر کفر نباشد) ان قصوں میں جتلا تھے، شراب پیا کرتے تھے اور کنجریوں کے ساتھ رہا کرتے تھے، اس لئے قرآن نے آپ کو "حصور" نہیں کہا۔ نعوذ باللہ۔ آپ حضرات فرمایئے! اس شخص کے بارے میں کیا زبان استعمال کی جائے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایسے گندے بہتان لگاتا ہو۔

سیدنا علی المرتضیٰؓ، سیدنا حسینؓ کی توہین

پھر مرزا غلام احمد قادیانی اپنی کتاب نزول المسیح ص ۹۹ پر لکھتا ہے۔

کربلائیست سیر ہر آنم

صد حسین است در گریبانم

(روحانی خزائن صفحہ ۴۷۷، جلد ۱۸)

ہر وقت کربلا میں میری سیر ہے ' سو حسین میرے گریباں میں ہیں ۔

پھر کہتا ہے :

" پرانی خلافت کا جھگڑا چھوڑو ' اب نئی خلافت لو ' ایک زندہ علی تم میں موجود ہے اس (مرزا قادیانی) کو چھوڑتے ہو اور " مردہ علی " کو تلاش کرتے ہو "

(ملفوظات احمدیہ جلد دوم صفحہ ۱۳۲ طبع ربوہ)

اسی مذکورہ بالا کتاب دافع البلاء صفحہ ۲۰ میں جس کا میں پہلے حوالہ دے چکا ہوں لکھتا ہے ۔

ابن مریم کے ذکر کو چھوڑو
اس سے بہتر غلام احمد ہے

(روحانی خزائن صفحہ ۲۴۰ جلد ۱۸)

ہمیں معاف کیجئے ! گالیاں تو ہم نہیں دیتے لیکن آپ اس شخص کے بارے میں فیصلہ کیجئے کہ اس کے بارے میں کیا زبان استعمال کی جائے ؟ اور انسانیت کے کس مقام پر اس کو درجہ دیا جائے اور کیا درجہ دیا جائے ؟ کیا یہ کسی شریف آدمی کی زبان ہے ؟ اور کیا ایسے آدمی کو شریف کہہ سکتے ہیں ؟

ایک اور بات کہوں گا وہ بھی نوٹ کر لیجئے ۔ ابھی مولانا منظور احمد الحسینی صاحب نے آپ کو کتاب کا حوالہ بتایا ۔ ایک غلطی کا ازالہ ۔ اس میں مرزا غلام احمد کا دعویٰ ہے کہ وہ (نعوذ باللہ) " محمد رسول اللہ " ہے ۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے :

محمد رسول الله والذين معه أشداء على الكفار رحماء بينهم

" اس وحی الٰہی میں میرا نام محمد رکھا گیا اور رسول بھی "

(ایک غلطی کا ازالہ طبع ربوہ صفحہ ۳ خزائن صفحہ ۲۰۷ جلد ۱۸)

کوئی شخص دیکھ لے یہ سورۂ فتح کی آیت ہے لیکن غلام احمد قادیانی کہتا ہے کہ یہ آیت

میرا الہام ہے اور اس میں میرا نام محمد رکھا گیا اور رسول بھی۔

اس آیت میں "محمد رسول اللہ" سے مرزا قادیانی کے بقول وہ خود مراد ہے' وہ اس میں لکھ رہا ہے کہ اس آیت میں محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کو محمد رسول اللہ نہیں کہا گیا بلکہ مجھے "محمد رسول اللہ" کہا گیا ہے۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ آپ ہمیں معاف کریں اگر ہم مرزا کی اس عبارت کو پڑھ کر اس کے بارے میں سخت زبان استعمال کریں' کیا مجھ سے یا آپ سے یہ بات برداشت ہو سکتی ہے کہ ایک ایسا شخص جو ایک آنکھ سے بھینگا اور ہاتھ سے ٹنڈا ہو اور جو چائے کی پیالی پکڑ کر سیدھے ہاتھ سے منہ تک نہ لے جا سکتا ہو' جو الٹے ہاتھ سے چائے پیا کرتا ہو ایسا بھینگا اور ٹنڈا شخص (نعوذ باللہ) "محمد رسول اللہ" ہونے کا دعویٰ کرے اور قرآنی آیت کا اپنے آپ کو مصداق ٹھہرائے؟ تہذیب و شرافت اپنی جگہ! لیکن خدارا مجھے بتائیے کہ کیا اس بات کو سن کر ایک مسلمان کا خون نہیں کھول جائے گا؟ کیا وہ اس کے بعد مرزا کے بارے میں "حضرت مرزا قادیانی ارشاد فرماتے ہیں" کے الفاظ استعمال کرے گا؟

اب تک ہم یہی زبان استعمال کرتے رہے' میں نے قادیانیوں پر کتابیں لکھی ہیں ان کو اٹھا کر کے دیکھو ان میں یہ لکھا ہوا ملے گا: "مرزا غلام احمد صاحب فرماتے ہیں" لیکن واقعہ یہ ہے کہ "مرزا صاحب فرماتے ہیں" لکھنا غلط ہے' ایک زندیق' ایک مرتد اور ایک دجال کے لئے یہ کہا جائے کہ "وہ فرماتے ہیں" یہ طرز گفتگو غلط ہے' اگر کوئی مسلمان یہ کہے: "حضرت مسیلمہ کذاب فرماتے ہیں" تو کیا یہ شریفانہ زبان کہلائے گی؟ میں پوچھنا چاہتا ہوں کہ مسیلمہ کذاب اور غلام احمد قادیانی دونوں میں کیا فرق ہے؟ اس نے بھی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خط میں یہی لکھا تھا کہ:

أما بعد فان الله تعالى اشركنى فى نبوتكم

"اللہ تعالیٰ نے تمہاری نبوت میں مجھے شریک کر دیا ہے۔ دونوں مل کر

نبوت کریں گے"

"من مسیلمۃ رسول اللہ الی محمد رسول اللہ" حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی وہ رسول اللہ کہہ رہا ہے' خود بھی رسول اللہ ہونے کا دعوی کر رہا ہے' ٹھیک یہی دعویٰ قادیانی کرتا ہے۔ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی محمد رسول اللہ کہتا ہے اور اپنے آپ کو بھی رسول اللہ کہتا ہے اور یہ دعویٰ کرتا ہے کہ "محمد رسول اللہ" کی نبوت کی چادر اب مجھے اوڑھا دی گئی ہے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت مع کمالات نبوت کے مجھے حاصل ہے۔ اس لئے اب میں خود "محمد رسول اللہ" ہوں۔ نعوذ باللہ۔

غلام احمد قادیانی کا ایک مرید کہتا ہے:

امام اپنا عزیزو اس جہاں میں
غلام احمد ہوا دار الاماں میں

(دار الامان قادیان کو کہہ رہا ہے)

غلام احمد ہے عرش رب اکبر
مکاں اس کا ہے گویا لا مکاں میں
غلام احمد رسول اللہ ہے برحق
شرف پایا ہے نوع انس و جاں میں

(نعوذ باللہ ثم نعوذ باللہ نقل کفر کفر نباشد۔) پھر آگے کہتا ہے:

محمد پھر اتر آئے ہیں ہم میں
اور آگے سے ہیں بڑھ کر اپنی شاں میں
محمد دیکھنے ہوں جس نے اکمل
غلام احمد کو دیکھے قادیاں میں

فیصلہ آپ کریں

قادیانیوں کا نعرہ ہے "محمد پھر اتر آئے ہیں ہم میں" جو ملعون غلام احمد قادیانی کو "محمد رسول اللہ" کہتا ہو اور یہ کہتا ہو کہ محمد پھر آگیا ہے اور پہلے محمد سے بڑھ کر یہ محمد ہے اس کے بارے میں آپ کی عدالت کیا فیصلہ دیتی ہے؟ میں اپنے لکھے پڑھے بھائیوں سے پوچھنا چاہتا ہوں۔ قادیانیوں کو چھوڑو' میں آپ سے داد و انصاف طلب کرتا ہوں' آپ کو جج سمجھتا ہوں اور میں مستغیث ہوں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے۔

ان لوگوں کے بارے میں ایک مسلمان کو کیا زبان استعمال کرنی چاہئے۔ اگر ابھی کچھ شک ہے تو اور سن لیجئے۔ مسلمانوں کے نزدیک محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی مدار نجات ہے' لیکن قادیانی کہتے ہیں کہ مرزے کی پیروی مدار نجات ہے' آئندہ تمام کی تمام سعادتیں مرزا غلام قادیانی کے قدموں سے وابستہ ہیں جس طرح کہ مسلمان کہتے ہیں کہ انسانیت کی سعادت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں سے وابستہ ہے:

قل إن كنتم تحبون الله فاتبعوني يحببكم الله

یہ قرآن کریم کی آیت ہے مگر مرزا کہتا ہے کہ یہ میرے بارے میں ہے اپنی کتاب اربعین نمبر ۴ ص ۷ حاشیہ میں لکھتا ہے:

"خدا نے میری وحی اور میری تعلیم اور میری بیعت کو نوح کی کشتی قرار دیا اور تمام انسانوں کے لئے مدار نجات ٹھہرایا" (روحانی خزائن صفحہ ۴۳۵ جلد ۱۷)

یہ کشتی نوح یہاں رسالہ موجود ہے اس میں لکھتا ہے:

"میں خدا کی سب راہوں میں سے آخری راہ ہوں اور میں اس کے سب نوروں میں سے آخری نور ہوں۔ بد قسمت ہے جو مجھے چھوڑتا ہے کیونکہ میرے بغیر سب تاریکی ہے" (روحانی خزائن صفحہ ۶۱ جلد ۱۹)

آخری نور اور آخری نبی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں' یہ غلام احمد قادیانی کہاں سے آٹپکا۔!!

قادیانیوں کے نزدیک محمد رسول اللہ کی حقیقت

اور سن لیجئے! لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کلمہ ہم نے پڑھا مسلمان ہو گئے' لیکن قادیانیوں کے نزدیک یہ کلمہ منسوخ ہے' ہزار بار پڑھتے رہو لا الہٰ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ جب تک "محمد رسول اللہ سے مراد مرزا غلام احمد قادیانی نہیں لیتے' اس وقت تک تم مسلمان نہیں ہو۔ مرزا بشیر احمد کلمۃ الفصل (یہ کتاب ہمارے پاس موجود ہے) کے صفحہ ۱۱۰ پر لکھتا ہے:

"ہر ایک ایسا شخص جو موسیٰ" کو تو مانتا ہے مگر عیسیٰ کو نہیں مانتا یا عیسیٰ کو مانتا ہے مگر محمد کو نہیں مانتا اور یا محمد کو مانتا ہے پر مسیح موعود (مرزا غلام احمد قادیانی) کو نہیں مانتا وہ نہ صرف کافر بلکہ پکا کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہے۔"

تم کہا کرتے ہو کہ یہ مولوی کافر کافر کہتے رہتے ہیں حالانکہ وہ ہمیں کافر کہتے ہیں۔ ہم ان کو کافر اس لئے کہتے ہیں کہ وہ ایک جھوٹے مدعی نبوت غلام احمد قادیانی پر ایمان رکھتے ہیں جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا غدار اور باغی ہے اور وہ ہم کو اس لئے کافر کہتے ہیں کہ ہم غلام قادیانی دجال پر ایمان نہیں رکھتے۔

مرزا محمود احمد' مرزا قادیانی کا دوسرا جانشین جس کو مرزائی "خلیفہ" کہتے ہیں' وہ کہتا ہے:

"کل مسلمان جو مسیح موعود کی بیعت میں داخل نہیں ہوئے خواہ انہوں نے حضرت مسیح موعود کا نام بھی نہ سنا ہو کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں"

(آئینہ صداقت ص ۳۵)

اور مرزا محمود احمد اپنی دوسری کتاب انوار خلافت میں لکھتا ہے:

"ہمارا فرض ہے کہ ہم غیر احمدیوں کو مسلمان نہ سمجھیں اور ان کے پیچھے نماز نہ پڑھیں' کیونکہ ہمارے نزدیک وہ خدا کے ایک نبی کے منکر ہیں۔ یہ دین کا

معاملہ ہے اس میں کسی کا اختیار نہیں کہ کچھ کر سکے"۔ (ص ۹۰)

مسلمان لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھنے کے باوجود ان کے نزدیک غیر مسلم ٹھہرے اور ہمیں کہتے ہیں کہ قادیانیوں کو کیوں غیر مسلم کہا جاتا ہے؟ مولوی صاحب! جو شخص اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہے بس اس کو مسلمان ماننا چاہیے۔ میں پوچھتا ہوں یہ قادیانی ہمیں کیوں غیر مسلم کہتے ہیں۔ کیا ہم اپنے آپ کو سکھ کہتے ہیں؟ کیوں بھائی! کیا ہم اپنے آپ کو مسلمان نہیں کہتے؟ یہ ہمارے خلاف کفر کا فتویٰ کیوں دیتے ہیں؟ اس لئے کہ ہم غلام احمد قادیانی کے منکر ہیں اور اگر ہم ان کو کافر کہیں اس لئے کہ یہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غدار ہیں تو ہم پر کیوں الزام ہے؟

اور مزید سن لیجئے! کہا جاتا ہے کہ ان کلمہ پڑھنے سے کیوں روکا جاتا ہے کافر اگر کلمہ پڑھ لے تو اچھی بات ہے' میں پوچھتا ہوں اگر کوئی سکھ کلمہ پڑھے (میں آپ سے گستاخی کی معافی چاہوں گا اور اللہ تعالیٰ سے بھی نعوذ باللہ ثم نعوذ باللہ ہزار بار توبہ) کوئی سکھ کلمہ پڑھے "لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ" اور "محمد رسول اللہ" سے مراد لے تارا سنگھ (نعوذ باللہ) میں پوچھتا ہوں! ہم اس کو یہ کلمہ پڑھنے دیں گے؟ (حاضرین نے کہا بالکل نہیں) کسی مسلمان کی غیرت یہ گوارا کرے گی اگر اس کو یہ پتہ چل جائے کہ یہ محمد رسول اللہ سے تارا سنگھ مراد لیتا ہے۔ نعوذ باللہ ثم نعوذ باللہ۔ آپ کہتے ہیں کہ اس کو پڑھنے دیں گے!؟ میں کہتا ہوں۔ مسلمان زبان پکڑ کر کے گدی سے کھینچ لے گا۔

سنئے! یہ قادیانی کلمہ پڑھتے ہیں اور "محمد رسول اللہ" سے مرزا قادیانی مراد لیتے ہیں۔ مرزا غلام احمد کا بیٹا بشیر احمد کلمۃ الفصل صفحہ ۱۵۸ میں لکھتا ہے:

"پس مسیح موعود (مرزا قادیانی) خود محمد رسول اللہ ہے جو اشاعت اسلام کے لئے دوبارہ دنیا میں تشریف لائے اس لئے ہم کو کسی نئے کلمہ کی ضرورت نہیں ہے ہاں اگر محمد رسول اللہ کی جگہ کوئی اور آتا تو ضرورت پیش آتی۔"

وہ کہتا کہ ہمارے نزدیک تو دوبارہ محمد رسول اللہ ہی آیا ہے اس لئے ہم کو نئے کلمہ کی ضرورت نہیں ۔ ہم تو " محمد رسول اللہ " اس لئے پڑھتے ہیں اور کہتے ہیں کیونکہ ہمارے نزدیک مرزا قادیانی خود محمد رسول اللہ ہے 'کیوں بھائی! کیا اب بھی قادیانیوں کو کلمہ پڑھنے کی اجازت دی جائے؟ یا مسلمانوں کو اجازت دی جائے کہ ان کی زبان پکڑ کر گدی سے کھینچ لی جائے۔ آپ ہمارے صبر کو نہیں دیکھتے "آپ یہ نہیں دیکھتے کہ ہم کتنا برداشت کر رہے ہیں وہ موذی ' جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا پہنچا رہے ہوں وہ ہمارے سامنے پھر رہے ہیں۔

"ختم نبوت والا دین لعنتی اور قابل نفرت ہے" مرزا

اور سنئے! قادیانیوں کے نزدیک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت بھی ختم ' حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کلمہ بھی ختم 'اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دین بھی ختم

مرزا قادیانی کے نزدیک اس کی اپنی نبوت کے بغیر دین اسلام محض قصوں کہانیوں کا مجموعہ لعنتی شیطانی اور قابل نفرت ہے 'چنانچہ وہ لکھتا ہے:

" وہ دین دین نہیں اور نہ وہ نبی نبی ہے جس کی متابعت سے انسان خدا تعالیٰ سے اس قدر نزدیک نہیں ہو سکتا کہ مکالمات الٰہیہ (یعنی نبوت ۔ ناقل) سے مشرف ہو سکے ' وہ دین لعنتی اور قابل نفرت ہے جو یہ سکھلاتا ہے کہ صرف چند منقول باتوں پر (یعنی شریعت محمدیہ پر جو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے ۔ ناقل) انسانی ترقیات کا انحصار ہے اور وحی الٰہی آگے نہیں بلکہ پیچھے رہ گئی ہے —— سو ایسا دین بہ نسبت اس کے کہ اس کو رحمانی کہیں شیطانی کہلانے کا زیادہ مستحق ہوتا۔" (ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم ص ۱۳۸ '۱۳۹)

" یہ کس قدر لغو اور باطل عقیدہ ہے کہ ایسا خیال کیا جائے کہ بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وحی الٰہی کا دروازہ ہمیشہ کے لئے بند ہو گیا ہے اور آئندہ

کو قیامت تک اس کی کوئی بھی امید نہیں۔ صرف قصوں کی پوجا کرو۔ پس کیا ایسا مذہب کچھ مذہب ہو سکتا ہے جس میں براہ راست خدا تعالیٰ کا کچھ بھی پتہ نہیں لگتا ــــ میں خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اس زمانے میں مجھ سے زیادہ بیزار ایسے مذہب سے اور کوئی نہ ہو گا (دریں چہ شک ؟ ناقل) میں ایسے مذہب کا نام شیطانی مذہب رکھتا ہوں نہ کہ رحمانی۔"

(ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم ص ۱۸۳، روحانی خزائن صفحہ ۳۵۴ ج ۲۱)

آپ حضرات نے سنا۔ وہ لکھتا ہے اگر ختم نبوت کا مسئلہ تسلیم کیا جائے تو دین اسلام دین نہیں اور نہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نبی ہیں ؟ اسلام میں نبوت کا سلسلہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہے، مگر مرزا قادیانی کہتا کہ جس دین میں یہ عقیدہ ہو وہ دین لعنتی و شیطانی اور قابل نفرت ہے۔

مرزا کہتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی سے آدمی نبی بن جاتا ہے، میں کہتا ہوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی سے نبی نہیں بنا کرتے، کسی کی پیروی سے نبی نہیں بنا کرتے۔ یاد رکھو! جب نبوت کا سلسلہ جاری تھا اور نبی جب بنا کرتے تھے جب بھی کسی کی پیروی سے نبی نہیں بنتے تھے، بلکہ اللہ خود انتخاب کرتا تھا اور اب تو نبی بنتے ہی نہیں ہیں کیونکہ نبوت ہی ختم ہو گئی لہذا کسی کی پیروی سے نبی بننے یا نہ بننے کا کیا سوال ؟

پھر اسی حوالے میں مرزا نے دین اسلام کو لعنتی اور شیطانی کہا یہ کتاب ہمارے پاس موجود ہے کوئی صاحب اس کا حوالہ دیکھنا چاہیں تو دیکھ لیں، یہ ہمارے دین کو لعنتی اور شیطانی کہیں، قابل نفرت بتائیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کلمے کو منسوخ کہیں، اور لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ میں مرزا قادیانی کو داخل کریں اور لوگ کہیں کہ جی ان کے بارے میں سختی نہ کریں، یہ تو آپ کے اس سوال کا جواب ہوا کہ مولوی لوگ مرزائیوں کو گالیاں کیوں نکالتے ہیں ؟ جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ ہم گالیاں نہیں نکالتے، بلکہ ہم ان کو دجال، کذاب، لعین، مرتد،

بے ایمان کہتے ہیں اور یہ ہمارے نزدیک گالیاں نہیں ہیں بلکہ حقیقت واقعیہ کا اظہار ہے' جو آدمی دین سے پھر جائے اس کو مرتد نہ کہیں تو کیا کہیں؟ جو شخص نبوت کا جھوٹا دعویٰ کرے اس کو خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کذاب و دجال کہا ہے' ہم اس کو دجال اور کذاب نہ کہیں تو کیا کہیں؟ باقی ہم ان کو حرام زادہ نہیں کہتے لیکن مرزا تمام مسلمانوں کو "حرام زادہ" اور "ذریۃ البغایا" کی گالی بکتا ہے' مرزا اور مرزائی تمام مسلمانوں کو سور اور ان کی عورتوں کو کتیاں کہتے ہیں' یہ لفظ ہم ان کے بارے میں استعمال نہیں کرتے' قادیانی ہمارے بارے میں استعمال کرتے ہیں' اور ہمارے پڑھے لکھے بھائیوں کے بارے میں بھی استعمال کرتے ہیں' وہ تمام لوگ جو مرزا کو نہیں مانتے ان سب کے بارے میں یہ الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ اب انصاف کیجئے کہ کیا ہم قادیانیوں کو گالی دیتے ہیں یا قادیانی ہمیں اور تمام مسلمانوں کو گالیاں بکتے ہیں؟ اور انصاف کیجئے کہ قادیانی مظلوم ہیں یا مسلمان مظلوم ہیں؟

اب ایک درخواست اور ایک پیغام:

تمام مسلمانوں کے نام ایک اہم پیغام

پیغام یہ ہے کہ جو شخص قیامت کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کا طالب ہے وہ قادیانیوں کے مقابلے میں کھڑا ہو جائے۔ یاد رکھو اس وقت دو جماعتیں بن گئی ہیں۔ ایک مسلمان اور دوسرے قادیانی اور ان دونوں جماعتوں کے درمیان لکیر کھنچ گئی ہے۔ ادھر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جماعت ہے' آپ کی امت ہے' اور ادھر قادیانی ملعون کی جماعت ہے' ایک طرف اصلی محمد رسول اللہ حضرت محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں دوسری طرف قادیان کا جعلی "محمد رسول اللہ" ہے۔

اب آپ درمیان میں نہیں رہ سکتے' مہربانی کر کے ایک طرف ہو جائیے' آپ کو اگر ان کی منطق پسند ہے' یہ بات پسند ہے کہ ظفر اللہ خاں بہت بڑا بیرسٹر وکیل اور قانون دان تھا' آپ کو اس پر ناز ہے کہ عبدالسلام قادیانی بہت بڑا سائنسدان ہے' اور آپ کو یہ خیال ہے ایم

ایم احمد بڑا بیورو کریٹ قسم کا آدمی ہے' ٹھیک ہے آپ کو حق پہنچتا ہے آپ اس سے متاثر ہیں' پھر لائن، کے اس طرف ہو جایئے اور اگر نہیں تو اس طرف آجایئے۔

یہ آپ نہیں کر سکتے کہ ہم ان دونوں جماعتوں کے درمیان غیر جانبدار رہیں گے' خدا کی قسم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقابلہ مرزا قادیانی کے ساتھ ہو اور دو جماعتیں الگ الگ ہو جائیں تو آپ غیر جانبدار رہ کر مسلمان رہ سکتے ہیں۔ درمیان میں ہونے یا غیر جانبدار رہنے کا کیا مطلب؟ مقابلہ میرا اور مرزا طاہر کا نہیں ہے بلکہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مرزا غلام احمد کے ساتھ ہے' اگر آپ اس مقابلہ میں غیر جانبدار رہنا چاہتے ہیں تو رہیئے! لیکن میں یہ کہوں گا کہ آپ قیامت کے دن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں شمار نہیں ہوں گے' کیونکہ آپ نے ایمان اور کفر کے معاملہ میں غیر جانبدار ہو کر اپنی مسلمانی کو تین طلاقیں دے دی ہیں۔ یہ الفاظ سوچ سمجھ کر کہہ رہا ہوں' جذبات میں نہیں کہہ رہا' اب آپ کو ایک طرف آنا پڑیگا' لا الیٰ ہٰولاء ولا الیٰ ہٰولاء جس کو قرآن کریم نے کہا' وہ منافقین کے بارے میں کہا ہے' کسی مسلمان کی شان نہیں ہو سکتی کہ وہ نہ اسلام اور مسلمانوں کا طرفدار ہو' اور نہ کفر اور کافروں کا' بلکہ غیر جانبدار ہو۔ جو شخص مرزائیوں کے مقابلے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا طرفدار نہ ہو' بلکہ اپنے آپ کو غیر جانبدار ظاہر کرے وہ مسلمان کس طرح ہو سکتا ہے اور قیامت کے دن اس کا حشر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں کس طرح ہو سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔

پیغام میرا یہ ہے کہ اگر آپ قیامت کے دن محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت چاہتے ہیں اور آپ کے جھنڈے کے نیچے جگہ چاہتے ہیں تو آپ کو ختم نبوت کا کام کرنا پڑے گا اور مرزا قادیانی کی امت اور جماعت کے مقابلے میں آنا پڑیگا' کیا آپ اس کے لئے تیار ہیں؟ سب نے کہا' جی ہاں تیار ہیں اور ہاتھ کھڑے کئے۔

اللہ تعالیٰ آپ میں اور ہم میں یہ صحیح جذبہ پیدا فرمائے۔ (آمین)

(آخر میں ایک درخواست)

آخر میں ایک درخواست ہے۔ درخواست یہ ہے کہ کیا تم باپ کے قاتل کے ساتھ بیٹھ کر روٹی کھایا کرتے ہو؟ بولو! (سب نے کہا نہیں!) غیر مہذب الفاظ بولنے کی گستاخی کی معافی چاہتا ہوں' اگر کوئی کسی کی بہن یا بیٹی کو اغوا کر کے لیجائے' ہم کیا اس کے ساتھ بیٹھ کر روٹی کھایا کرتے ہیں؟ اور ایسے شخص کے ساتھ آپ کی دوستی اور یارانہ رہا کرتا ہے؟ (سب نے کہا: ہرگز نہیں) اگر ہمیں باپ کے قاتل کے بارے میں غیرت ہے اور ہمیں کسی کی بہو بیٹی کی عزت پر ہاتھ ڈالنے والے کے بارے میں غیرت ہے کہ ہماری اس کے ساتھ کبھی صلح نہیں ہو سکتی۔ کبھی دوستی نہیں ہو سکتی' کبھی اس کے ساتھ ملنا بیٹھنا نہیں ہو سکتا' تو میں پوچھتا ہوں کہ جن موذیوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ناموس نبوت پر ہاتھ ڈالا' جنہوں نے مرزا قادیانی کو محمد رسول اللہ بنا ڈالا' جنہوں نے محمد رسول اللہ کا کلمہ پڑھنے والے تمام مسلمانوں کو کافر' حرامزادے' سور اور کتیوں کا خطاب دیا' ان موذیوں کے بارے میں آپ کی غیرت کیوں مرگئی ہے!! — آپ ان کے ساتھ کیوں لین دین کرتے ہیں؟ ان کے ساتھ کیوں میل جول رکھتے ہیں؟ مسلمانوں کے معاشرہ میں ان کے وجود کو کیوں برداشت کرتے ہیں؟ کیا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ناموس نبوت کسی کے باپ اور کسی کی بہو بیٹی کے برابر بھی نہیں؟ کیا آپ وعدہ کرتے ہیں کہ آئندہ ان موذیوں سے کوئی تعلق نہیں رکھیں گے اور ان سے کوئی لین دین نہیں کریں گے (سب نے اس کا وعدہ کیا) حق تعالیٰ شانہ ہمیں ایمانی غیرت نصیب فرمائیں اور ہم سب کو قیامت کے دن حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خدام میں اٹھائیں اور ہم سب کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت نصیب فرما کر ہماری بخشش فرمائیں۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

محمد یوسف لدھیانوی

۱۳ر جنوری ۱۹۸۹ء

مُہرِ نبوت آنحضرت مُحمّد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بقدرِ تماثلہٖ و اسمائہٖ



صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وازواجہٖ وسلم

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوۃ

ملت اسلامیہ کی بین الاقوامی تنظیم ہے

جو حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ نے قائم فرمائی۔ مجاہد ملت حضرت مولانا محمد علی جالندھریؒ نے چار چاند لگائے اور شیخ الاسلام حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ نے اسے عالمگیر بنا کر بین الاقوامی حیثیت سے ہمکنار کیا اور اب شیخ المشائخ حضرت مولانا خان محمد صاحب مدظلہم کی قیادت میں قادیانیت کے خاتمہ کی مہم پر ہے۔

اغراض و مقاصد

اسلام کی دعوت و تبلیغ، ناموس ختم نبوت کی پاسبانی، قادیانی فتنہ کی سرکوبی اور ملت اسلامیہ کی تعلیم اور عقیدہ کی حفاظت مجلس کا مقصد ہے۔ قادیانیوں کے سربراہ مرزا طاہر کے لندن منتقل ہونے کے بعد دنیا بھر کے مسلمانوں کو گمراہ کرنے کے لیے اربوں روپے کے بجٹ سے قادیانیوں کی سرگرمیاں تیز ہو گئی ہیں۔ مجلس کی ذمہ داریوں میں کئی گنا اضافہ ہو گیا ہے۔ اندرون و بیرون ملک مجلس کے مبلغین اور کارکن اپنی ذمہ داریوں سے عہدہ برا ہونے کے لیے وقف ہیں۔ مجلس کا سالانہ بجٹ لاکھوں روپے ہے۔ مرکز ختم نبوت اندرون و بیرون ملک تعمیر کیا گیا ہے۔ جامع مسجد ربوہ، جامع مسجد کراچی اور دیگر شہروں میں مجلس کے دفاتر قائم کیے جا رہے ہیں۔ تعمیراتی منصوبے تکمیل کے مراحل میں ہیں جبکہ لندن اور دوسرے ممالک میں بھی دفاتر قائم ہیں۔ اندرون و بیرون ملک قادیانیوں کے ساتھ مقدمات کی وجہ سے مجلس کی ذمہ داریاں بہت بڑھ گئی ہیں۔ ختم نبوت کی خدمت اور مالی اعانت اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کا ذریعہ ہے۔ آنجناب سے توقع رکھتے ہیں کہ آپ اس کار خیر میں ضرور شرکت فرمائیں گے۔

واجرکم علی اللہ۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ

فقیر خان محمد امیر مرکزیہ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوۃ، حضوری باغ روڈ ملتان
پاکستان، فون ۴۳۳۸

بُعِثْتُ بِکَسْرِ الْمَزَامِیْرِ

میں مزامیر (یعنی گانا بجانے کے آلات) کو توڑنے کیلئے بھیجا گیا ہوں۔
(الحدیث)

گانا بجانا

قرآن وحدیث کی روشنی میں

مؤلفہ

مُفتی احسان اللہ شائق

مکتبہ حمادیہ

نام کتاب : گانا بجانا قرآن وحدیث کی روشنی میں

مصنف : مفتی احسان اللہ شائق صاحب

صفحات : 52

طبع : ۱۴۲۴ھ

تعداد : 2200

باہتمام : عاصم برادران سلمہم الرحمٰن

کمپوزنگ : الحماد لیزر کمپوزنگ 4571263

ناشر

مکتبہ حمادیہ شاہ فیصل کالونی نمبر 2

کراچی کوڈ 75230 فون نمبر 4572537

فہرست مضامین

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ٥

کلمات تبرک

حجت الخلف برکت السلف

حضرت مولانا مفتی حبیب اللہ صاحب دامت برکاتہم سابق شیخ الحدیث وصدر مفتی جامعہ حمادیہ شاہ فیصل کالونی نمبر۲، کراچی

الحمدللّٰہ و کفیٰ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ

میں نے عزیزی مولانا احسان اللہ شائق صاحب کی کتاب ''گانا بجانا قرآن وسنت کی روشنی میں'' کا بغور مطالعہ کیا۔ ماشاء اللہ مولانا موصوف نے بڑی کاوش سے موضوع کے مطابق احادیث سے چنا ہے اس پر مزید یہ کہ سوال وجواب کی شکل میں گانا بجانے کے متعلق مسائل کو واضح کیا اور عامۃ الناس کی رہنمائی کی تاکہ احادیث سے خوف خداوندی پیدا ہو اور سوالات کے جوابات پر عمل کیا جائے۔ اور کتاب عام فہم بھی رہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس کتاب کو نافع بنائے اور قبول فرمائے۔ آمین

عرض مولف

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ○

نحمدہ ونصلی علی رسول الکریم ط اما بعد

اس وقت دنیا میں گانا بجانا کس قدر عام ہوگیا ہے وہ کسی سے مخفی نہیں ہے حتیٰ کہ اب اس کی برائی وقباحت بھی دل سے نکلتی جارہی ہے ٹی وی، وی سی آر ویڈیو فلموں نے ہر گھر کو سینما گھر بنادیا ہے۔ ہمارے مسلمان گھرانے کے نوجوان گانا بجانے کے ایسے دلدادہ نظر آتے ہیں کہ ان کو دیکھ کر غیر مسلم معاشرہ بھی شرما جائے۔ حالانکہ قرآن وحدیث میں گانا بجانے پر سخت وعیدیں وارد ہوئی ہیں۔ مسلمانوں نوجوانوں کی اس بے راہ روی کو دیکھتے ہوئے بندہ کے دل میں بارہا یہ خیال پیدا ہوا کہ گانا بجانے کی حرمت پر آیات قرآنی واحادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک گلدستہ امت محمدیہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمت میں پیش کروں۔ شاید کہ کسی بھائی کو ہدایت مل جائے۔ اور گانا بجانے سے توبہ تائب ہوجائے، لیکن دیگر مصروفیات کی وجہ سے اس کام کے لئے فرصت نہیں

مل رہی تھی۔ ابھی کچھ عرصہ سے برادرم محترم مولانا محمد اسلم صاحب کشمیری مدظلہ کی طرف سے اصرار ہوا کہ اس ارادہ کو عملی جامہ پہنایا جائے۔ چنانچہ اللہ کے نام سے اس کام کو شروع کیا گیا اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل وکرم سے پایۂ تکمیل تک پہنچانے کی توفیق دی اور مولانا محمد اسلم صاحب مدظلہ ہی کی محنت وکاوش سے رسالہ شائع ہوا بحمد اللہ تعالیٰ بہت سے احباب اور عوام وخواص نے اطلاع دی اس سے بہت سے حضرات کو فائدہ ہوا۔ اب حال ہی میں برادرم محترم مفتی عاصم عبداللہ صاحب نے مشورہ دیا کہ اس میں مزید کچھ اضافہ کیا جائے تاکہ فائدہ تام ہو اور دوسری دفعہ اشاعت کی ذمہ داری مکتبہ حمادیہ کی طرف سے خود قبول فرمائی اب اضافہ شدہ ایڈیشن آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ مولانا موصوف کو اور دوسرے معاونین کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ اس رسالہ کو قبول فرمائے اور امت کے لئے نافع بنائے۔ میرے والدین اور اساتذہ کرام کے لئے صدقہ جاریہ بنائے۔ آمین

بندہ احسان اللہ شائق عفا اللہ عنہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ○

نحمده ونصلی علیٰ رسوله الکریم امابعد

اللہ پاک نے انسان کو بہت مختصر سے وقت کے لئے دنیا میں بھیجا ہے اس کا اصل ٹھکانہ عالم آخرت ہے وہاں پر ہمیشہ ہمیشہ رہنا ہے وہاں کبھی موت واقع نہ ہوگی۔ جس نے دنیا میں رہتے ہوئے آخرت کے لئے تیاری کرلی اپنے اعمال، اخلاق وکردار کو درست کرلیا، حلال وحرام کو پہچان کر حلال کو اختیار کیا۔ حرام سے پرہیز کیا، اللہ تعالیٰ نے جن کاموں سے منع فرمایا ان سے کنارہ کش رہا وہی انسان کامیاب ہے اس کی اخروی زندگی اچھی ہوگی، وہ آخرت میں خوش وخرم ہوگا۔ نازونعمت کی زندگی بسر کرے گا۔ اس کے برخلاف جس نے دنیا ہی کو مقصد حیات بنالیا اسی کے لئے کوشش کرتا رہا، حلال وحرام میں امتیاز نہیں کیا اور

اپنے اوقات کو کھیل کود، لہو ولعب میں اور فضول و بے کار کاموں میں ضائع کر دیا اس کی آخرت کی زندگی بہت ہی بری ہوگی، آخرت میں اس پر اللہ تعالیٰ کا غضب نازل ہوگا۔ وہ عذاب کی چکی میں پسے گا، تکلیف میں مبتلا ہوگا۔

جو لوگ گانا بجانے اس کے سننے سنانے میں مشغول رہتے ہیں، ان کو سوچنا چاہئے کہ وہ اپنی زندگی کو کس قدر برباد کر رہے ہیں وہ قیامت کے دن اللہ رب العزت کو کیا جواب دیں گے ان کی آخرت کی زندگی کتنی بری ہوگی؟ گانا بجانا تو باتفاق امت حرام ہے قرآن وحدیث میں اس پر سخت وعیدیں وارد ہوئی ہیں۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِىْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّيَتَّخِذَهَا هُزُوًا ط اُولٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ

”ایک وہ لوگ ہیں کہ خریدار ہیں کھیل کی باتوں کے تاکہ اللہ کی راہ سے بے سمجھے بوجھے گمراہ کرے اور اس کی ہنسی اڑادے ایسے لوگوں کے لئے ذلت کا عذاب ہے۔“

(معارف القرآن)

اس کی تفسیر میں حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ لکھتے ہیں کہ امام قرطبی نے نقل فرمایا کہ عبداللہ بن عباسؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ، عبداللہ بن عمرؓ اور

جابر بن عبداللہؓ وغیرہ سے یہی منقول ہے کہ یہ آیت گانے بجانے اور لغو کہانیوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ (قرطبی ص ۵۱ ج ۱۴)

تفسیر ابن کثیر میں ہے کہ عکرمہ، سعید بن جبیرؒ، مجاہدؒ، مکحولؒ، عمرو بن شعیبؒ، علی بن ہذیمہؒ اور حسن بصریؒ (علماء تابعین) سے بھی یہی منقول ہے کہ یہ آیت غناد مزامیر کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ص ۴۴۲ ج ۳)

اور جو گانا تحریک اصوات اور تحسین نغمات کے ساتھ برعایت قواعد موسیقی ہو وہ بالاتفاق حرام ہے۔ غرض یہ کہ اس آیت میں لہو الحدیث سے قصے کہانیاں اور گانے بجانے کا سامان مراد ہے۔ جیسے باجا، بانسری، موسیقی ستار، سارنگی، خرافات ومضحکہ خیز باتیں ناول وافسانہ جات اور گانے بجانے والی لڑکیاں، یہ سب چیزیں لہوالحدیث کے عموم میں داخل ہیں اور یہ سب چیزیں باجماع صحابہ وتابعین وباتفاق آئمہ مجتہدین حرام ہیں جن کے حرام ہونے میں ذرہ بھر شبہ نہیں اور گانا بجانا تو تمام ادیان وملل میں حرام رہا ہے۔ یہ نفسانی وشہوانی چیزیں کسی دین میں کبھی بھی جائز نہیں ہوئیں۔ اور غناو دمز امیر کی حرمت میں بے شمار احادیث آئی ہیں۔ جن کو علامہ ابن حجر مکیؒ نے ''کتاب الزواجر'' میں ذکر کیا ہے اور جاننا چاہئے اس قسم کے ہفوات وخرافات سے

بھرے ہوئے ناولوں اور افسانوں کا پڑھنا بلاشبہ حرام ہے اور جب کہ اس سے مقصود حق کی طرف کان لگانے اور قرآن سننے سے روکنا ہو تو بلاشبہ کفر ہے۔ دشمنان اسلام کا طریقہ یہی ہے کہ حق بات کو توجہ کے ساتھ سننے سے باز رکھنے کے لئے کوئی نہ کوئی مشغلہ نکال کھڑا کرتے ہیں۔ اور حق کا مذاق اڑاتے ہیں اور جن کو حق بات سنانے کی کوشش کی جاتی ہے تو ناک بھوں چڑھاتے ہیں گویا کہ انہوں نے کچھ سنا ہی نہیں اور مغرورانہ گردن ہلاتے ہوئے چلتے ہوجاتے ہیں۔ ان آیتوں میں اللہ پاک نے اس قسم کے لوگوں کا حال بیان کیا اور وعید وعذاب کی بشارت دی۔ (معارف القرآن ص ۴۲۳ ج ۵۱)

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاسۡتَفۡزِزۡ مَنِ اسۡتَطَعۡتَ بِصَوۡتِکَ الایة (۱۷۔۶۴)

"اور پھسلائے ان میں سے جس کو تو پھسلا سکے۔"

امام ابن کثیرؒ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ اس آیت میں شیطانی آواز سے گانا بجانا مراد ہے امام مجاہدؒ فرماتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ (اے ابلیس!) تو انہیں کھیل تماشوں اور گانے بجانے کے ساتھ مغلوب کر۔ اور حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں اس آیت میں ہر وہ آواز مراد ہے جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی طرف دعوت دے۔ یہی قول حضرت قتادہؒ کا ہے اسی کو مفسر قرآن

ابن جریرؒ نے اختیار فرمایا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر صفحہ ۵۰ ج ۳)

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَالَّذِيْنَ لَايَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا (۲۵۔۷۲)

''اور وہ بیہودہ باتوں میں شامل نہیں ہوتے اور اگر بیہودہ مشغلوں کے پاس ہو کر گزریں تو سنجیدگی کے ساتھ گزر جاتے ہیں۔''

امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں زور کے معنی گانا بجانا (احکام القرآن) اور حضرت محمد بن حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ وہ بیہودہ باتوں اور گانے بجانے کی مجلس میں شامل نہیں ہوتے (معالم التنزیل صفحہ ۲۵۱ ج ۴)

ابن جریرؒ مختلف اقوال کو جمع کر کے فرماتے ہیں سب سے صحیح قول یہ ہے کہ یوں کہا جائے: وہ (رحمٰن کے بندے) کسی قسم کے باطل میں شریک نہیں ہوتے۔ نہ شرک میں اور نہ گانے بجانے میں اور نہ جھوٹ میں اور اس کے علاوہ بھی کسی ایسے عمل میں جس پر زور کا اطلاق ہو۔ شریک نہیں ہوتے۔

گانا بجانے کی حرمت پر احادیث مبارکہ

(۱) عن ابن عباسؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ حرم

الخمر والمیسر والکوبة وکل مسکر حرام (رواہ احمد وابی داؤد)

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے شراب، جوئے، طبلہ اور سارنگی کو حرام کیا اور فرمایا ہر نشہ لانے والی چیز حرام ہے۔ (مسند احمد)

(۲) عن ابی ھریرةؓ اَن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: استماع الملاھی معصیة والجلوس علیھا فسق والتلذذبھا کفر. (قال فی الدرالمختار وغیرہ ای بالنغمة) (کذافی نیل الاوطار)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ گانا سننا گناہ ہے اور اس کے پاس بیٹھنا فسق ہے اور اس سے لذت حاصل کرنا کفر ہے پھر آگے درمختار وغیرہ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ گانا سے تلذذ مراد ہے اور اس کے نغمہ سے لذت حاصل کرنا ہے۔

(۳) وعن علیؓ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: بعثتُ بکسر المزامیر

حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ جناب کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے

ارشاد فرمایا کہ میں تو مزامیر (یعنی گانا بجانے کے آلات) کو توڑنے کے لئے بھیجا گیا ہوں

(۴) وعن علیؓ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نہی عن ضرب الدف والطبل والصوت الزمارة (کذافی نیل الاوطار)

حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ڈھول اور طبلہ بجانے اور بانسری کی آواز سننے سے۔ یعنی موجودہ زمانے کی موسیقی اسی میں داخل ہے۔

گانا دل میں نفاق پیدا کرتا ہے

(۵) وعن ابن مسعودؓ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: الغناء ینبت النفاق فی القلب کما ینبت الماء البقل

(رواہ البیہقی وابن الدنیا وابی داؤد)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ جناب کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ گانا نفاق کو یوں اگاتا ہے جس طرح پانی کھیتی کو اگاتا ہے۔

گانا بجانے اور سننے پر سخت وعیدیں

(٦) وعن ابی مالک الاشعریؓ قال قال: رسول اللّٰہصلی اللّٰہعلیہ وسلم لیشربن ناس من امتی الخمر یسمونھا بغیر اسمھا یعزف علی رؤسھم بالمعازف والمغنیات یخسف اللّٰہ بھم الارض ویجعل اللّٰہ منھم القردۃ والخنازیر۔

(رواہ ابی داؤد ابن ماجہ ابن حبان)

حضرت ابومالک اشعریؓ سے روایت کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میری امت کے کچھ لوگ شراب کو اس کا نام بدل کر پئیں گے اور ان کے سامنے معازف ومزامیر کے ساتھ عورتوں کا گانا ہوگا، اللہ تعالیٰ ان کو زمین کے اندر دھنسادے گا اور بعض کی صورتیں مسخ کرکے بندر اور سور بنادے گا۔ (ابن ماجہ ابی داؤد)

(۷) وعن ابی ھریرۃ ان النبی صلی اللّٰہعلیہ وسلم قال: یمسخ قوم من امتی فی آخر الزمان قردۃ والخنازیر قالو یا رسول اللّٰہالمسلمون ھُمْ؟ (قال نعم یشھدون ان لاالہ الا اللّٰہ وانی رسول اللّٰہ ویصومون. قالو فما بالھم یا رسول اللّٰہ؟ قال

انتخذوا لمعازف والقينات والدفوف وشربوا هٰذه الا شربة فباتوا على شرابهم ولهوهم فاصبحوا وقد مسخوا.

(رواه مسدد وابن حبان)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ آخری زمانہ میں میری امت کے کچھ لوگوں کی صورتیں مسخ کر کے بندر اور سور بنادیا جائے گا۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا وہ مسلمان ہی ہوں گے؟ تو ارشاد فرمایا کہ ہاں وہ اس بات کی گواہی دینے والے ہوں گے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں۔ (یعنی مسلمان ہوں گے) اور روزہ بھی رکھتے ہوں گے، صحابہ کرام نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پھر ان کا قصور کیا ہوگا؟ تو ارشاد فرمایا کہ وہ گانے بجانے کے آلات اور گانے بجانے والی عورتوں ڈھول بجانے میں مشغول ہوں گے۔ اور شراب پیا کریں گے۔ وہ رات اسی طرح شراب پینے اور دوسرے کھیل کود میں گذاردیں گے جب صبح کو اٹھیں گے تو ان کے چہرے مسخ ہوچکے ہوں گے۔

گانا بجانے والے کی نماز قبول نہیں ہوگی

(٨) وعن ابن مسعودؓ ان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم سمع رجلاً یتغنی من اللیل فقال لاصلوۃ لہ لاصلاۃ لہٗ. (نیل الاوطار)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رات کے وقت ایک شخص کو گانا گاتے ہوئے سنا تو دومرتبہ ارشاد فرمایا کہ اس کی نماز قبول نہیں، اس کی نماز قبول نہیں۔

گانا سننے والوں کے کانوں میں سیسہ ڈالا جائے گا

(٩) عن انسؓ ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال: من قعد الیٰ قنیۃ یستمع منھا صب اللّٰہ فی اذنیہ الآنک یوم القیامۃ (رواہ ابن صصری فی امالیہ وابن عسکری فی تاریخہ)

حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص گانے والی عورت کے پاس گانا سننے کی غرض سے بیٹھتا ہے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس کے کانوں میں سیسہ پگھلا کر ڈالے گا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا گانے کی آواز سن کر کانوں میں انگلی ڈال لینا

(۱۰) وعن نافع ان ابن عمر رضی اللہ عنہما سمع صوت زمارة راع فوضع اصبعیه فی اذنیه وعدل راحلته عن الطریق وهو یقول یا نافع یا نافع آتسمع؟ فاقول لی نعم فمضی حتی قلت لا فرفع یده وعدل راحلته الی الطریق وقال رئت رسول الله صلی الله علیه وسلم سمع زمارة راع فصنع مثل هذا

(رواہ احمد، ابی داؤد، ابن ماجہ)

حضرت نافعؒ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے ایک چرواہا سے بانسری (یعنی موسیقی) کی آواز سنی تو فوراً اپنے دونوں کانوں کے اندر انگلی ڈال لی اور سواری راستہ سے ایک طرف ڈال دی اور مجھ سے پوچھتے جاتے اے نافع گانے کی آواز سنائی دے رہی ہے؟ میں ہاں کہتا تو وہ اور چلتے جاتے یہاں تک کہ میں نے کہا اب آواز سنائی نہیں دے رہی ہے۔ تب انہوں نے کان سے انگلیاں نکال لیں۔ اورسواری کو دوبارہ راستہ پر ڈال دیا۔ اور پھر فرمایا کہ میں نے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ انہوں نے

ایک چرواہے سے بانسری کی آواز سنی تو اسی طرح کیا جو میں نے کیا (یعنی کانوں میں انگلی ڈال لی)

گانا گانے کی اجرت حرام ہے

(۱۱) **عن عمرؓ مرفوعاً ثمن القنية سحت وغنائها حرام (نیل بحوالہ طبرانی)**

حضرت عمرؓ مرفوعاً روایت کرتے ہیں کہ گانے والی عورت کی اجرت حرام ہے اور اس کا گانا بھی حرام ہے (یعنی اداکار یا اداکارہ ان کی کمائی حرام ہے)

موجودہ زمانہ کے قوالی کی اجرت کا بھی یہی حکم ہے۔

(۱۲) **وعن علیؓ قال نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن المغنيات والنواحات وعن شرائهن وبيعهن والتجارة فيهن قال وكسبهن** (الترمذی، ابی داؤد، نسائی، وابن ماجہ)

حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ جناب کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا گانے اور نوحہ کرنے والی عورتوں سے (یعنی ان کے پاس بیٹھنے سے) اور ان کی خرید وفروخت کرنے سے اور ان کی تجارت کرنے سے اور فرمایا ان کی کمائی حرام ہے (ترمذی)

فائدہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس جگہ پر گانے بج رہے ہوں وہاں بیٹھنا جائز نہیں، چاہے کسی کا گھر ہو یا کوئی شادی بیاہ کی تقریب اسی طرح گانے بجانے کے آلات، ٹی وی، وی سی آر وغیرہ خریدنا بیچنا یا ان کی تجارت کرنا بھی جائز نہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا گانا گانے کو پیشہ بنانے کی اجازت سے انکار

(۱۳) وعن صفوان ابن امية أن عمرو بن قرة قال: كتبت على الشقوة فلا أرى ارزق الا من دن فأذن لى فى الغناء من غير فاحشة فقال له رسول الله صلى الله عليه وسلم لاأذن لك فلا كرامة ولانعمة عين كذبت أى عدو الله. لقد رزقك الله حلا لاطيبا واخترت ماحرم الله عليك من رزقه مكان ما احل الله لك من حلاله. (رواه البيهقى والطبرانى والديلمى فى حديث طويل. وفيه واعلم ان عون الله مع صالحى التجار)

صفوان بن امیہ روایت کرتے ہیں کہ عمرو بن قرہ نے جناب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر کہا کہ مجھ پر بدبختی لکھ دی گئی ہے کہ مجھے شراب فروشی کے علاوہ کسی اور طریقہ سے روزی نہیں مل

سکتی۔ لہٰذا مجھے ایسے گانا گانے کی بھی اجازت دے دیں جس میں فحش باتیں شامل نہ ہوں (یعنی تا کہ میں اس کو بھی ذریعہ معاش بناؤں) تو جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے ارشاد فرمایا میں تجھے ہرگز اس کی اجازت نہیں دے سکتا۔ نہ تجھے کبھی اس کام میں عزت نصیب ہو نہ تیری آنکھوں کو ٹھنڈک حاصل ہو۔ اے اللہ کے دشمن تو جھوٹ بولتا ہے، اللہ تعالیٰ نے تجھے پاکیزہ حلال روزی عطا فرمائی ہے۔ تو نے اللہ تعالیٰ کی حلال روزی کو چھوڑ کر حرام روزی کو اختیار کیا ہے۔ دوسرے کتب میں اتنا اضافہ اور ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مدد نیک اور صالح تاجروں کے ساتھ ہے (یعنی حلال ذریعہ معاش اختیار کرنے والوں کے ساتھ)

گانا وموسیقی کو مٹانا بعثت نبوی کے مقاصد میں شامل ہے

(۱۴) قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ان اللہ عزوجل بعثنی هدی ورحمة للمؤمنين وامرنی بمحق المزامير والاوتار والصليب وامر الجاهلية (احمد وابوداؤد الطیاشی)

جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے

مؤمنین کے لئے ہدایت ورحمت بنا کر مبعوث فرمایا ہے اور باجے، شرکیہ تعویذ گنڈے، صلیب اور زمانہ جاہلیت کے غلط کاموں کے مٹانے کا حکم فرمایا ہے۔

دوملعون آوازیں

(۱۵) قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صوتان ملعونان فی الدنیا والاخرۃ مزمار عند نغمۃ و نوحۃ عند مصیبۃ (البزار بیہقی)

جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ دو آوازیں دنیا وآخرت میں ملعون ہیں ایک گانے کے ساتھ راگ باجوں کی آواز دوسری مصیبت کے وقت چیخنے کی آواز۔

گانے سے پرہیز کرنے والوں کے لئے بشارت

(۱۶) وعن ابن عباسؓ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: اذ کان یوم القیامۃ قال اللہ عزوجل: این الذین ینزھون اسماعھم وابصارھم عن مزامیر الشیطان؟ میزوھم فیمزوھم فی کثب المسک والعنبر ثم یقول لملائکتہ اسمعوھم من تسبیحی وتمجیدی فیسمعون باصوات لم یسمع السامعون مثلھا (اخرجہ الدیلمی)

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ خود اعلان فرمائیں گے، کہاں ہیں وہ لوگ جو اپنے کانوں اور آنکھوں کو مزامیر شیطان (یعنی گانا گانے والی عورتوں اور ڈھول باجے) سے بچا کر رکھتے تھے فرشتوں کو حکم ہوگا ان کو مجمع سے ممتاز کرو۔ فرشتے ان کو مجمع سے الگ کر کے مشک وعنبر کی وادیوں میں بٹھائیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں کو حکم دیں گے کہ ان کو میری تسبیح وتمجید سناؤ۔ فرشتے ایسی خوبصورت لحن کے ساتھ رب العزت کی تسبیح وتمجید سنائیں گے کہ سننے والوں نے ایسی آواز کبھی نہیں سنی ہوگی۔ (دیلمی)

موسیقی کے بارے میں اشکال وجواب

موسیقی کے بارے میں بعض لوگوں کو اشکال ہوتا ہے کہ بعض احادیث سے اس کا جائز ہونا معلوم ہوتا ہے کیونکہ شادی کے موقع پر دف بجانا حدیث سے ثابت ہے اور موسیقی بھی دف ہی ہے لہذا یہ بھی جائز ہونا چاہیے۔

اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ احادیث میں جس دف کا ذکر ہے وہ صرف نکاح کے موقع پر کچھ دیر کے لئے بجایا جاتا تھا شادی کے علاوہ

بلاضرورت دف بجانے والوں کو سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ دروں سے سزا دیتے تھے۔

ان الفاروقؓ اذا سمع صوت الدف بعث ینظر فان کان فی الولیمة سکت و ان کان فی غیرہ عَمدہ بالدرۃ

(فتح القدیر صفحہ ۳۶ ج ۶ البحر الرائق صفحہ ۸۸ ج ۷)

پھر شادی کے موقع پر بھی دف پیٹنے والی عموماً چھوٹی بچیاں ہوتی تھی، مردوں کا دف پیٹنا کہیں ثابت نہیں۔ پھر یہ دف بھی اہل عرب کی عادت کے مطابق بالکل سادگی سے پیٹا جاتا تھا۔ نہ اس میں جھانجھ ہوتی تھی نہ رقص وسرود یا طرب ومستی کا کوئی اورنشان فی زمانہ ایسے دف کا وجود کہیں نظر نہیں آتا۔

معہٰذا مذکورہ بالا شرائط کی رعایت سے دف پیٹنے کی گنجائش بھی حضرت امام شافعیؒ کے ہاں ہے۔ احناف میں سے اکثر فقہا رحمھم اللہ اسے بھی ناجائز قرار دیتے ہیں۔

قال التورپشتیؒ انہ حرام علی قول اکثر المشایخ وما وردمن ضرب الدف فی العرس کنایة عن

الاعلان (امداد الفتاویٰ صفحہ ۲۸۳ ج ۲)

یعنی امام تورپشتیؒ فرماتے ہیں کہ دف اکثر مشائخ کے قول کے مطابق حرام ہے اور شادی کے موقع پر جو دف بجانا ثابت ہے اس سے اعلان وتشہیر مراد ہے۔ لہٰذا اس سے موسیقی کے جواز پر استدلال کرنا عقل وانصاف سے بعید بات ہے۔ اعاذنا اللہ منہ۔

رہ کے دنیا میں بشر کو نہیں زیبا غفلت
موت کا دھیان بھی لازم ہے کہ ہر آن رہے

گانا بجانے سے متعلق مسائل

سوال: سینما دیکھنا کیسا ہے؟

جواب: سینما میں ناچ گانے اور مختلف قسم کے مخرب اخلاق اور جنسی تعلقات کو ابھارنے والے ڈرامے دکھائے جاتے ہیں جو شرعاً حرام ہیں۔ لہٰذا سینما دیکھنا بھی جائز نہیں۔ دیکھنے والے اور دکھانے والے دونوں سخت گناہ گار ہوں گے۔

سوال: سینما ہال میں ملازمت کرنا مثلاً ٹکٹ بیچنے یا اس قسم کے دوسرے کام انجام دینے کے لئے شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: سینما گھر میں ملازمت کرنا جائز نہیں اس سے ملنے والی تنخواہ بھی حرام ہے۔

سوال: سینما کے مالکان یا ملازمین کے ہاں دعوت کھانا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: اگر ان لوگوں کے پاس سینما کی آمدنی کے علاوہ کوئی جائز آمدنی نہ ہو تو ان کے ہاں دعوت کھانا یا ان کا ہدیہ قبول کرنا جائز نہیں۔

ویڈیو کیسٹ کی تجارت

سوال: ویڈیو کیسٹ کی تجارت کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

جواب: ویڈیو کیسٹ ہوں یا گانوں کی عام کیسٹ ہوں ان کی تجارت کرنا خرید وفروخت کرنا جائز نہیں۔

سوال: گانوں کی تجارت سے حاصل ہونے والی آمدنی کا کیا حکم ہے؟

جواب: یہ آمدنی حرام ہے اس کا استعمال کرنا جائز نہیں بلکہ بغیر نیت ثواب کے اس کا صدقہ کردینا واجب ہے۔

سوال: اداکار یا اداکارہ کی کمائی کا کیا حکم ہے؟

جواب: ان کی کمائی حرام ہے اس کا استعمال جائز نہیں۔

سوال: ویڈیو فلم بنانے کا پیشہ اختیار کرنا کیسا ہے؟

جواب: جائز نہیں ہے اس سے کمائی ہوئی رقم حرام ہے۔

گاڑی میں گانا بجانا

سوال: گاڑی میں گانا بجے تو کیا کرنا چاہئے؟

جواب: اگر ممکن ہو تو ڈرائیور کو سمجھا دیا جائے مان جائے تو ٹھیک ہے ورنہ اس طرف توجہ نہ دی جائے بلکہ ذکر واذکار، توبہ و استغفار میں

مشغول رہے۔

سوال: ڈرائیور کے لئے گانا بجانے کا کیا حکم ہے جب کہ اس کو یہ عذر ہوتا ہے کہ اس کے بغیر نیند آتی ہے۔ دوسرا یہ کہ مسافروں کی خواہش ہوتی ہے کہ گانا بجنا چاہئے تا کہ سفر اچھا گذر جائے۔

جواب: گانا بجانا کسی کے لئے بھی جائز نہیں ڈرائیور ہو یا پائیلٹ یا درزی وغیرہ۔ جہاں تک نیند آنے کا تعلق ہے اس کے لئے کسی بزرگ کے وعظ کی یا علماء حق کی تقریر، نعت وغیرہ کی کیسٹ سنی جاسکتی ہے۔ باقی رہا مسافروں کی خواہش تو کسی مخلوق کو راضی کرنے کے لئے خالق کی ناراضگی مول لینا ایک مسلمان کے لئے بہت ہی گھاٹے کا سودا ہے۔

ٹی وی، وی سی آر

سوال: ٹی وی، وی سی آر کی خرید وفروخت کرنا کیسا ہے؟

جواب: جائز نہیں ہے۔ یہ حرام تجارت کے اندر داخل ہے اس لئے اس کی خرید وفروخت سے بچنا لازم ہے۔

سوال: انٹینا یا ڈش انٹینا کی خرید وفروخت کا کیا حکم ہے؟

جواب: حرام ہے۔ اس سے حاصل ہونے والی آمدنی بھی حرام ہے۔

سوال: ٹی وی، وی سی آر کے پروگرام دیکھنا کیسا ہے؟

جواب: جائز نہیں۔

ٹی وی میں اسلامی نشریات سننا بھی حرام ہے

سوال: ٹیلویژن پر کسی عالم کی تقریر سننا یا کرکٹ دیکھنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: ٹی وی دیکھنا بہرحال وجوہ ذیل کی بنا پر حرام ہے:

(۱) اس میں عموماً اصل کی بجائے فلم آتی ہے۔ جو تصویر ہونے کی وجہ سے حرام ہے اور جس مجلس میں تصویر ہو وہاں جانا بھی حرام ہے، حدیث میں تصویر والوں پر لعنت وارد ہوئی ہے جہاں تصویر ہوتی ہے وہاں رحمت کے فرشتے نہیں آتے۔

(۲) اناؤنسر عورت ہوتی ہے اور عورت کا عکس دیکھنا بھی حرام ہے۔ خواہ تصویر ہو یا براہ راست عکس دونوں کا ایک ہی حکم ہے۔

(۳) اناؤنسر کے علاوہ بھی ٹی وی پر بہت سی عورتیں آتی ہیں جنہیں مرد دیکھتے ہیں اور ٹی وی پر آنے والے مردوں کو عورتیں دیکھتی ہیں غیر محرم مرد وعورت کا ایک دوسرے کو بلاضرورت شدیدہ دیکھنا حرام ہے۔

(۴) کشتی اور تیراکی اور اس طرح کھیل وغیرہ کے مناظر میں ستر کھلتے ہیں

کسی کے سامنے ستر کھولنا اور کسی کا ستر دیکھنا حرام ہے۔

(۵) موسیقی اور دوسرے فواحش و بے حیائی پر مشتمل نشریات ہوتی ہیں جنہیں سننا اور دیکھنا دونوں حرام ہے۔

(۶) ٹی وی کے مفاسد مذکورہ کی وجہ سے معاشرہ میں بے حیائی، فحاشی، بدمعاشی، زنا اور ہر قسم کی بدکاری کا طوفان بپا ہوگیا ہے۔ حتیٰ کے سگے بھائی بہن اور باپ بیٹی کی آپس میں بدکاری کے واقعات پیش آرہے ہیں۔

(۷) ٹی وی جیسے آلہ لہوولعب، بے دینی، فواحش ومنکرات کے مرکز پر دینی پروگرام دکھائے جاتے ہیں اور انہیں اشاعت اسلام کا نام دیا جاتا ہے۔ یہ دین کی سخت بے حرمتی ہے اور مسلمان کے لئے ناقابل برداشت توہین ہے۔

(۸) کوئی کتنا ہی اہتمام کرے کہ صرف جائز اشیاء ہی دیکھے گا تو بھی احتراز ناممکن ہے۔

(۹) کوئی دیندار شخص محرمات سے بچ کر ٹی وی دیکھنے کی کوشش کرے تو عوام اس سے ٹی وی کی مطلقاً اباحت پر استدلال کریں گے۔

اس کے علاوہ بھی بہت سی قباحتیں ہیں جن کی بناء پر ٹی وی دیکھنا مطلقاً حرام ہے کوئی دینی پروگرام دیکھنا سننا بھی جائز نہیں ہے۔

ٹی وی میں حج کے پروگرام اسی طرح رمضان میں حرم شریف کی تراویح دیکھنا

سوال: آج کل ٹی وی میں حج کے پروگرام اس طرح رمضان المبارک میں تراویح کے پروگرام دکھائے جاتے ہیں شرعاً ان پروگراموں کو دیکھنے کا کیا حکم ہے؟

جواب: ٹی وی کے پروگرام دیکھنا شرعاً ناجائز ہونے کی وجوہات میں سے ایک اہم وجہ تصویر ہیں کہ تصاویر کو دیکھنا شرعاً جائز نہیں خصوصاً مردوں کے لئے عورتوں کی تصاویر دیکھنا حجاج کرام میں مرد وعورت دونوں ہوتے ہیں دیکھنے والوں میں بھی دونوں ہوتے ہیں تو ایک دوسرے کے تصاویر دیکھیں گے جو شرعی نقطہ نگاہ سے بہت ہی قبیح فعل ہے۔ اس کے ساتھ ان پروگراموں کو دیکھنا ناجائز ہونے کی ایک وجہ یہ ہے کہ اس سے دوسرے لوگ ٹی وی

کے جواز پر استدلال کریں گے۔ جو ایک بڑے فتنہ کا سبب ہوگا۔ لہٰذا اس سے اجتناب کرنا واجب ہے۔

سوال: اعزاء واقرباء میں سے کسی کے گھر جائیں اور وہاں ٹی وی چل رہا ہو تو کیا کرنا چاہیے؟

جواب: ان کو سمجھا دیا جائے کہ ٹی وی گھر سے نکال دے یا کم از کم جتنی دیر آپ وہاں بیٹھے ہوں اتنی دیر کے لئے بند رکھے۔

ٹی وی والے ہوٹل میں کھانا کھانے کا حکم

سوال: جس ہوٹل میں ٹی وی چل رہا ہو اس میں چائے پینے یا کھانا کھانے کا کیا حکم ہے؟

جواب: کوشش یہ کی جائے کہ کوئی ایسا ہوٹل ملے جس میں ٹی وی نہ ہو، دوسرا ہوٹل نہ ملنے کی صورت میں ہوٹل والے کو سمجھا دیا جائے اگر مان لے تو ٹھیک ہے ورنہ بصورت مجبوری اس کی طرف دیکھے بغیر اپنی ضرورت پوری کر کے جلدی سے نکل جائے۔

سوال: ہوٹل کے مالکان کا خیال ہے کہ اگر ٹی وی نہ ہوگا تو گاہک نہیں آئیں گے اس مجبوری سے ٹی وی رکھنا پڑتا ہے۔ تو کیا اس عذر سے ٹی وی

رکھنا جائز ہے۔

جواب: ہرگز جائز نہیں۔ یہ شیطانی وسوسہ ہے حقیقت میں رزق کا مالک تو اللہ تعالیٰ ہے اسی پر توکل وبھروسہ کرنا چاہیئے۔

سوال: ٹی وی، وی سی آر وغیرہ آلات غنا کی مرمت کرنے کا کیا حکم ہے؟

جواب: جائز نہیں۔ اس کی اجرت بھی حلال نہیں۔

سوال: بعض بچے شریر ہوتے ہیں اگر گھر میں ٹی وی نہ ہو تو دوسروں کے ہاں جا کر ٹی وی دیکھتے ہیں۔ ماں باپ کے لئے سنبھالنا مشکل ہوتا ہے اس عذر سے گھر میں ٹی وی رکھنا جائز ہوگا یا نہیں۔

جواب: ہرگز نہیں یہ تو شیطان کا پڑھایا ہوا سبق ہے۔ بچوں کی تربیت کی طرف توجہ دی جائے۔ دوسری بات یہ کہ دوسروں کے ہاں جا کر کبھی کبھی دیکھیں گے جب گھر میں ٹی وی ہوگا تو ہر وقت اسی میں مشغول رہیں گے تو ان میں سینکڑوں خرابیاں اور جنم لیں گی۔

سوال: بعض لوگ کہتے ہیں کہ ملکی حالات سے واقف ہونے کے لئے خبریں سننے کی ضرورت سے ٹی وی رکھتے ہیں تو کیا اس مقصد سے ٹی وی رکھنا جائز ہے؟

جواب: ہرگز جائز نہیں کیونکہ ٹی وی میں خبر بتانے والے کی تصویر بھی آتی ہے تصویر دیکھنا جائز نہیں۔ یہ خبریں ریڈیو کے ذریعہ بھی سنی جاسکتی ہیں۔

ریڈیو میں خبروں سے پہلے ساز سننا

سوال: ٹی وی میں خبریں سننا تو جائز نہیں لیکن ریڈیو میں خبروں سے پہلے ساز بجتا ہے اس کا سننا شرعاً کیسا ہے؟ وہ ہوتا بھی بہت مختصر ہے۔

جواب: زہر چاہے تھوڑا ہو یا زیادہ بہر حال نقصان دہ ہے۔ ساز اور موسیقی کا سننا شرعاً مطلقاً حرام ہے کم ہو یا زیادہ جس وقت ساز بج رہا ہو تو ریڈیو بند کرنا ضروری ہے۔

شادی بیاہ کی تقریب میں گانا بجانا

سوال: شادی کی تقریب میں اگر گانا بج رہا ہو تو اس میں شرکت کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: اس میں کچھ تفصیل ہے کہ اگر مقام دعوت پر پہنچنے سے قبل معلوم ہوگیا کہ وہاں گانا بجانا یا کوئی اور گناہ ہوگا تو اس دعوت میں جانا جائز نہیں اور اگر مجلس میں پہنچنے کے بعد علم ہوا تو وہاں بیٹھنا جائز نہیں، اٹھ کر چلے جانا فرض ہے۔ خواہ یہ شخص عامی ہو یا عالم، مذکورہ دونوں صورتوں

میں سب کے لئے یہی حکم ہے۔ البتہ اگر مجلس دعوت میں گناہ نہیں ہو رہا بلکہ دوسری مجلس میں ہے تو عامی کو بیٹھنا جائز عالم اور مقتدی کے لئے اس صورت میں بیٹھنا جائز نہیں ہے بلکہ وہاں سے نکل کر جانا فرض ہے۔

خوش آوازی کے ساتھ بغیر مزامیر کے مفید اشعار کا پڑھنا ممنوع نہیں

سوال: بغیر مزامیر کے خوش آوازی کے ساتھ مفید اشعار پڑھنے کا کیا حکم ہے۔

جواب: اگر محض خوش آوازی کے ساتھ کچھ اشعار پڑھے جائیں اور پڑھنے والی عورت یا امرد (یعنی بے ریش بچے) نہ ہوں اور اشعار کے مضامین بھی فحش یا کسی دوسرے گناہ پر مشتمل نہ ہوں تو ایسے اشعار پڑھنا ان کو سننا جائز ہے۔ بعض صوفیاء کرام سے جو سماع غنا منقول ہے وہ اسی قسم کے جائز غناء پر محمول ہے کیوں کہ یقینی ہے ان سے ایسے گناہ کے ارتکاب کا گمان نہیں کیا جاسکتا محققین صوفیاء کرام نے خود اس کی تصریح فرمائی ہے۔

فحش لٹریچر ناول یا فحش اشعار اور اہل باطل کی کتابوں کا مطالعہ کرنے کا حکم

سوال: فحش ناول اور اہل باطل کی کتابیں دیکھنا اسی طرح فحش اشعار وغیرہ سننے کا کیا حکم ہے؟

جواب فحش تصاویر والے لٹیریچر اسی طرح ناولیں۔ جرائم پیشہ لوگوں کے حالات پر مشتمل قصے یا فحش اشعار وغیرہ سننا سب کام لہوحرام میں داخل ہیں اس لئے ناجائز اور حرام ہے۔ اسی طرح گمراہ اہل باطل کے خیالات کا مطالعہ کرنا بھی عوام کے لئے گمراہی کا سبب ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے البتہ راسخ العلم علماء ان کے جواب کے لئے دیکھیں تو کوئی مضائقہ نہیں۔ (ملخص از معارف القرآن صفحہ ۲۳ ج ۷)

مسجد میں گھنٹہ والی گھڑی رکھنا

سوال: ایک گھنٹے والی گھڑی ہے۔ اس گھڑی میں ہر پندرہ منٹ کے بعد ایک دو سیکنڈ تک ٹن ٹن بجتا ہے تو ایسی آواز والی گھڑی مسجد میں وقت معلوم کرنے کے لئے لگا سکتے ہیں یا نہیں؟

جواب: گھڑی جس میں پندرہ منٹ کے بعد ٹن ٹن کی آواز ہوتی ہے اس سے ان لوگوں کو جو دور ہوتے ہیں یا جن کی نگاہ کمزور ہوتی ہے وقت معلوم کرنے میں سہولت رہتی ہے اس بناء پر علماء نے ایسی آواز والی گھڑی رکھنے کی اجازت دی ہے۔

حضرت تھانویؒ امداد الفتاویٰ میں اس کے جواز پر دلیل پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

یہ جرس ممنوع سے مستثنیٰ ہے جیسا کہ عالمگیریہ میں بعض فروع اس قسم کی لکھی گئی ہیں۔ اور حدیث میں تصفیق کی اجازت عین صلوٰۃ میں مصلحت صلوٰۃ کے لئے دنیا دلیل بین ہے۔ (امداد الفتاویٰ صفحہ ۴۴۳ ج ۴)

قوالی سننے کا حکم

سوال: مروجہ قوالی کا شرعاً کیا حکم ہے بہت سے مسلمانوں کا خیال ہے کہ یہ ثواب کا کام ہے اس میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ کیونکہ بعض بزرگوں سے قوالی سننا ثابت ہے کیا قوالی سننا واقعی ثواب کا کام ہے؟

جواب: مروجہ قوالی بہت سے خلاف شرع امور (مثلاً ساز، باجے وغیرہ) پر مشتمل ہونے کی وجہ سے شریعت کی رو سے حرام ہے۔ اس کو سننا سنانا

دونوں بہت بڑا گناہ ہے اس سے پرہیز کرنا لازم اور ضروری ہے۔

باقی بعض صوفیہ سے جو منقول ہے کہ وہ قوالی سنا کرتے تھے اولاً مسائل شرعیہ میں کسی صوفی کے قول و عمل سے استدلال کرنا ہی صحیح نہیں ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ مشائخ صوفیہ میں سے جس نے قوالی کو جائز کہا ہے تو ان شرطوں کے ساتھ کہ صاحب قوالی خواہش نفس سے پاک اور زیور تقویٰ سے مزین ہو اور سماع کے لئے اسے ایسی احتیاج و مجبوری ہو جیسے مریض کو دوا کے لئے ہوتی ہے چنانچہ اس کے جواز کے لئے علامہ خیر الرملیؒ نے کئی شرائط بیان فرمائی ہیں:

(۱) قوالی سننے والوں میں کوئی بے ریش نہ ہو۔

(۲) سب عارفین کاملین ہوں۔ ان میں کوئی فاسق فاجر طالب دنیا اور عورت نہ ہو۔

(۳) قوالی کی نیت اخلاص پر مبنی ہو مزدوری معاوضہ اور کھانا مد نظر نہ ہو۔

(۴) مجمع کھانے پینے یا دیگر اغراض کے لئے اکٹھا نہ ہوا ہو۔

(۵) اس دوران قیام نہ کرے۔

(۶) وجد و مستی کا اظہار نہ کریں الا یہ کہ سچے ہوں، ریاء و تصنّع نہ ہو۔

(۷) اس کے ساتھ کسی قسم کا ساز موسیقی وغیرہ نہ ہو۔

پھر ان شرائط کے ساتھ بھی سماع صرف کامل درجہ کے منتہی عارفین کرتے تھے مبتدی سالک کو منع فرماتے تھے۔

حضرت جنید بغدادیؒ نے یہ کہہ کر سماع سے توبہ کی کہ اب ان شرطوں کی پابندی اٹھتی جارہی ہے۔

یہ شرائط ہمارے زمانہ میں قطعاً نہیں پائی جاتیں لہٰذا اس دور میں سماع کی قطعاً اجازت نہیں اوراجازت ہو بھی کیونکر؟ جب کہ سیدالطائفہ حضرت جنید بغدادی قدس سرہ نے بایں سبب سماع سے توبہ کی تھی کہ ان کے زمانہ میں تمام شرائط کی پابندی نہ رہی تھی کوئی انصاف سے کہے کہ آج کل کی قوالی کو صوفیہ کے سماع سے کوئی دور کی نسبت بھی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ راگ باجوں، ساز و موسیقی پر مشتمل مروجہ قوالیوں کا سننا شریعت کی رو سے حرام ہے پرہیز کرنا واجب ہے۔

(ملخص از احسن الفتاویٰ صفحہ ۳۹۳ ج ۸)

عرس منانے کا حکم

سوال: مختلف بزرگوں کے مزارات پر عرس منایا جاتا ہے اس میں اکثر لوگ مزاروں پر سجدہ وغیرہ کرتے ہیں، مختلف طریقے سے نذر و نیاز منت وچڑھاوے چڑھائے جاتے ہیں عورت ومردوں کا بے محابا اختلاط ہوتا ہے.سماع وقوالی بھی ہوتی ہے۔ کوئی اس طرح عرس منانا اس میں شرکت کرنا وہاں کی چیزیں کھانا شرعاً کیا حکم رکھتا ہے؟

جواب: عرس منانا یعنی سال بھر میں وفات کے دن کو متعین کر کے لوگوں کا وہاں اجتماع اور اس اجتماع کا اتنا اہتمام کہ فرائض وواجبات کی طرح ہوجائے اگر دوسرے منکرات ومعاصی سے خالی بھی ہو تب بھی بدعت وگمراہی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام تابعین وتبع تابعین کے ادوار میں اس کی کوئی ادنیٰ نظیر بھی موجود نہیں اگر یہ کوئی ثواب کا کام ہوتا تو یقینی طور پر صحابہ کرام اس میں سب سے زیادہ حصہ لیتے۔ پھر سب سے زیادہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عرس ہوتا اور پھر ان ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء علیہم السلام کے اعراس جن میں سے بہت سے حضرات کے مزارات یقینی طور پر معلوم بھی ہیں

اور صحابہ کو بھی معلوم تھے لیکن کہیں بھی اس نئی ایجاد کردہ بدعت یعنی عرس کا نام ونشان بھی نہیں۔ اس لئے خود حضرات مشائخ صوفیہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے اس کو ناجائز و بدعت قرار دے کر منع فرمایا ہے۔

حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ جو حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے شاگرد اور حضرت مرزا مظہر جان جاناںؒ کے خلیفہ راشد ہیں اپنے وصیت نامہ میں عرس کرنے کو بدعت فرما کر وصیت کرتے ہیں کہ میری قبر پر ہرگز عرس نہ کیا جائے اس طرح شاہ اسحاق صاحبؒ نے مسائل اربعین میں عرس کو بدعت لکھا ہے اس طرح ان دونوں حضرات سے پہلے شرح طریقہ محمدیہ نے بہت پر زوردار الفاظ میں اس بدعت پر رد فرمایا ہے۔ یہ تو اس وقت تھا جب کہ عرس تنہا عرس ہی ہو دوسرے مقاصد معاصی سے خالی ہو۔ پھر جب موجودہ زمانہ کے عرسوں پر نظر ڈالی جائے تو یہ عرس سینکڑوں گناہ کبیرہ پر مشتمل ہے اس کی شناعت وقباحت اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ مثلاً قبروں پر چراغ جلانا جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص پر لعنت فرمائی ہے جو قبروں پر چراغ جلاتا ہے اس طرح قبر کو سجدہ کرنا اگر عبادت کی نیت ہو تو صریح کفر ہے۔ اس طرح مرد وعورت کا بے محابا اختلاط جو شرعاً بہت ہی بڑا گناہ ہے اور قرآن وحدیث کی

صراحۃ خلاف ورزی ہے اس طرح اولیاء اللہ کو مختار سمجھ کر ان سے مدد مانگنا۔ یہ بھی شرک میں شامل ہے اس طرح قوالی کے نام پر گانا بجانا جس کے متعلق احادیث مبارکہ میں سخت وعیدیں اوپر مذکور ہوئی ہیں وغیرہ ذالک بہرحالی شرعاً عرس منانا بدعت وناجائز ہے۔ ہر مسلمان پر لازم ہے کہ اس سے پرہیز کرے۔

(ملخص از امداد المتفتین)

الحاق

غلبہ شہوت سے اپنی ماں پر جھپٹ پڑا

ایک شخص نے دارالافتاء سے خود اپنے بارے میں یوں استفتاء کیا:

''میں اپنی ماں کے ساتھ ایک فحش پروگرام دیکھ رہا تھا، شہوت کی آگ بھڑک اٹھی آلہ تناسل میں انتشار پیدا ہوا اور جوش شہوت میں بے اختیار ماں کو پکڑ لیا''

ایسے شرمناک اور حیا سوز واقعات قید تحریر میں لاتے ہوئے قلم تھرا رہا ہے مگر دل پر پتھر رکھ کر صرف اس مقصد سے اس قسم کے واقعات شائع کئے جارہے ہیں کہ شاید ان لوگوں کے لئے تازیانہ عبرت بنیں جو تفریح کے نام سے اس بے حیائی کو فروغ دینے میں مصروف ہیں۔

ان حقائق کا مشاہدہ کرنے کے باوجود اگر یہ لوگ اپنی روش نہیں بدلتے تو یہ باور کیئے بغیر چارہ نہیں کہ شاید ان کی لغت میں دین وایمان، شرم وحیا اور غیرت وحمیت کے الفاظ مہمل اور بے محل اور بے معنی الفاظ ہیں۔

حمیت نام تھا جس کا گئی مسلم گھرانوں سے

آنکھوں دیکھا عبرتناک عذاب

رمضان المبارک کی بات ہے کہ افطاری سے کچھ دیر پہلے ماں نے بیٹی سے کہا:

''آؤ میرے ساتھ مل کر افطاری کے لئے تیاری میں میری مدد کرو''

بیٹی نے جواب دیا:

''امی! مجھے تو ٹی وی پر پروگرام دیکھنا ہے وہ دیکھ لوں تو پھر کام کروں گی''

یہ کہہ کر اوپر چھت پر چلی گئی کمرے میں ٹی وی رکھا تھا، اس لڑکی نے ماں کے ڈر سے کہ کہیں مجھے زبردستی کام کے لئے نہ اٹھا کر لے جائے دروازہ بھی بند کرلیا، ادھر ماں بیٹی کو آوازیں دیتے رہی، بیٹی نے ایک نہ سنی کافی وقت گزر گیا، گھر میں سب مرد بھی آگئے، افطاری ہوگئی لیکن لڑکی ابھی تک کمرے سے نکلی نہیں، ماں نے دروازہ کھٹکھٹایا تو اندر سے آواز نہ آئی دل ڈر گیا، اس کے باپ اور بھائیوں سے کہا، انہوں نے دروازہ توڑا اور اندر داخل ہوئے تو

کیا دیکھتے ہیں کہ وہ لڑکی زمین پر اوندھے منہ پڑی ہے، اس کو دیکھا تو وہ مرچکی تھی، اب حالت یہ ہوئی کہ لڑکی زمین کے ساتھ چمٹی ہوئی تھی، اٹھانے سے اٹھتی نہیں تھی اس کو اٹھا اٹھا کر تھک گئے اب حیران کہ کیا کریں کسی کے ذہن میں اچانک ایک بات آئی اس نے جو اٹھ کر ٹی وی اٹھایا تو لڑکی بھی اٹھی، اب تو یہ ہوا کہ اگر ٹی وی اٹھاتے تو لڑکی اٹھتی ورنہ بالکل کوئی اس کو نہ اٹھا سکتا، آخر انہوں نے لڑکی کے ساتھ ٹی وی کو بھی اٹھایا اور اس کو نیچے لائے اور غسل دے کر کفن وغیرہ پہنا کر جب جنازہ اٹھایا تو حیران رہ گئے کہ چارپائی تو ٹس سے مس نہیں ہوتی، بالآخر انہوں نے ٹی وی کو اٹھایا اور قبرستان تک لے گئے، اب انہوں نے لڑکی کو قبر میں دفن کیا اور ٹی وی کو اٹھا کر گھر لانے لگے، جونہی انہوں نے ٹی وی کو اٹھایا تو میت قبر سے باہر آپڑی، انہوں نے پھر اس کو دفن کیا اور ٹی وی کو اٹھایا تو پھر میت باہر آپڑی اب تو سب کو بہت پریشانی ہوئی، انہوں نے لڑکی کو ٹی وی سمیت قبر میں دفن کردیا اب اس کا جو حشر ہوا ہوگا وہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔

(رسالہ ختم نبوت جلد ۷ شمارہ ۵)

ٹی وی کے فضائی اثرات

روزنامہ ’’مسلمان‘‘ مدراس نے مورخہ ۵ اگست ۹۲ء کی اشاعت میں لکھا ہے:

’’رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ گھریلو الیکٹرانکس مثلاً ٹی وی سے جو زہریلے مادے گیسوں کی شکل میں خارج ہوتے ہیں وہ نیوکلیائی تجربہ گاہ پر بم پھٹنے کے بعد پائے جانے والے اثرات سے ۵ گناہ زیادہ خطرناک ہوتے ہیں‘‘

(رسالہ ختم نبوت جلد ۱۱ شمارہ ۵)

دنیا میں عذاب عظیم

۳۰ اکتوبر ۱۹۹۰ء کو جب کہ ہر طرف مسلمانوں کا قتل عام ہو رہا تھا مسلمانوں کی جائیداد کو آگ لگائی جا رہی تھی عورتوں کی بے حرمتی کی جا رہی تھی تو ۳۱ اکتوبر ۹۰ء کو میں استخارہ کی نیت سے سو گیا، خواب میں ایک بزرگ تشریف لاتے ہیں، میں نے ان سے عرض کیا:

’’حضرت مسلمانوں کا قتل عام ہو رہا ہے ان کے مال و جائیداد کو آگ لگائی جا رہی ہے عورتوں کی بے حرمتی کی جا رہی ہے، ہر طرف مسلمان پریشان حال ہیں وہ عمل بتائے جس سے مسلمانوں کی پریشانیاں دور ہو جائیں‘‘

ان بزرگ نے فرمایا:

''کوٹھوں پر سے چھتریاں اتروادو''

یعنی ٹیلیویژن کے انٹینا اتروادو۔ (رسالہ ٹی وی کی تباہ کاریاں)

عذاب قبر

دو دوست تھے ایک جدہ میں رہتا تھا دوسرا ریاض میں، دونوں میں گہری دوستی تھی، دونوں ہی دین دار و پرہیزگار تھے۔ ریاض والے دوست کے گھر والوں نے ضد کی وہ گھر میں ٹی وی لے آئے، اپنے بچوں اور بیوی کے اصرار پر اس نے اپنے گھر والوں کے لئے ٹی وی خرید لیا، کچھ دنوں بعد اس کا انتقال ہوگیا، جدہ والے دوست نے اس کو تین مرتبہ خواب میں دیکھا، ہر مرتبہ اس کو عذاب کی حالت میں پایا اور اس نے خواب میں تینوں مرتبہ اس جدہ والے دوست سے کہا:

''خدا کے لئے میرے گھر والوں سے کہو کہ وہ گھر سے ٹی وی نکال دیں، کیونکہ جب سے ان لوگوں نے مجھے دفن کیا ہے مجھ پر اس ٹی وی کی وجہ سے عذاب مسلط ہے، کیونکہ میں نے ٹی وی خرید کر گھر میں رکھا تھا وہ لوگ اس بے حیائی سے مزے لے رہے ہیں اور میں عذاب میں گرفتار ہوں۔''

جدہ والا دوست جہاز کے ذریعہ ریاض پہنچا اور اس کے گھر والوں کو

خواب سنایا اور یہ بھی بتایا کہ میں نے تین مرتبہ ایسا دیکھا ہے۔ گھر والے سن کر رونے لگے، اس کا بڑا بیٹا اٹھا اور غصہ میں ٹی وی کو اٹھا کر پٹخا، اسکے ٹکڑے ٹکڑے ہوگئے، اٹھا کر کوڑے کے ڈبے میں پھینک دیا۔

جدہ والا دوست جب جدہ سے واپس پہنچا تو اس نے پھر دوست کو خواب میں دیکھا اس بار وہ اچھی حالت میں تھا، اس کے چہرے پر ایک رونق تھی، اس نے اپنے ہمدرد دوست کو دعاء دی کہ اللہ جل جلالہ، تجھے بھی مصیبتوں سے نجات دلائے جس طرح تو نے میری پریشانی دور کرائی۔ (حوالہ بالا)

ٹی وی کو تباہ کر دو اس سے قبل کہ......

شیخ عبداللہ حمید سابق جسٹس سپریم کورٹ آف سعودیہ عربیہ نے اپنے ایک مضمون میں لکھا ہے کہ:

''ایک جرمنی کے ماہر اجتماعیات نے مختلف درسگاہوں اور اداروں کے براہ راست بھرپور مطالعہ کے بعد سوسائٹی اور نئی نسل پر ٹی وی کے خطرات کا گہرائی سے جائزہ لے کر کہا کہ ٹی وی اور اس کے نظام کو تباہ کر دو اس سے قبل کہ یہ تمہیں برباد کر دے۔'' (حوالہ بالا)

ٹیلیویژن بچوں پرتباہ کن اثرات مرتب کرتا ہے

ٹیلیویژن پر تشدد اور جنس سے متعلق پروگرام بچوں پر تباہ کن اثرات مرتب کرتے ہیں، یہ بات برطانیہ کے وزیر صحت نے کہی ہے، ان کا کہنا ہے کہ حکومت کو ٹیلیویژن نشریات پر کنٹرول کرنا چاہیئے اور اس کے ساتھ ساتھ والدین بھی بچوں پر پابندی لگائیں اور ان کو ایک حد میں رکھیں، جس سے آگے بچے قدم نہ اٹھائیں، انہوں نے کہا کہ والدین کو اپنی ذمہ داری محسوس کرنی چاہیئے اور بچوں کی عزت کرنا اور برے بھلے کی تمیز کرنا سیکھنا چاہیئے۔

(حوالہ بالا بحوالہ روزنامہ نوائے وقت ۵ اپریل ۹۳)

ٹی وی سے عذاب قبر

فیصل آباد میں ایک شخص نے بچوں کے لئے ٹی وی خریدا، یہ شخص مرگیا تو اس نے خواب میں اپنے پڑوسی سے کہا:

”ہر روز ٹی وی کے پرزے آگ میں گرم کرکے ان سے مجھے عذاب دیا جارہا ہے۔“

ٹی وی سے عذاب قبر کے قصے اوپر بھی لکھے جاچکے ہیں۔

بیٹیوں سے بدکاری

وی سی آر دیکھتے ہوئے بیٹی سے بدکاری کا ایک قصہ پہلے بیان کیاجاچکاہے، اب ٹی وی سے تعلیم پاکر دوبیٹیوں سے بدکاری کا مشغلہ مسلسل جاری رکھنے کا قصہ سنئے:

''ابھی چند ماہ پیشتر یہ خبر اخباروں میں شائع ہوئی اور لاکھوں لوگوں کی نظر سے گزری کہ کراچی میں ایک درندہ صفت انسان اپنی دوجوان بیٹیوں سے منہ کالا کرتا رہا، پکڑے جانے کے بعد اس نے برملا اعتراف کیا:

''اس نے فلاں فلمی پروگرام دیکھ کر اس گناہ کی جرأت کی''

اللہ تعالیٰ کی طرف سے تنبیہ

ولاتغرنکم الحیوٰہ الدنیا ولایغرنکم باللہ الغرور

''تمہیں دنیوی زندگی ہرگز دھوکے میں نہ ڈالے اور تمہیں اللہ کے بارے میں شیطان ہرگز دھوکے میں نہ ڈالے''

محسن اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:

اکثرو من ذکرھا زم اللذات الموت

''موت کو کثرت سے یاد کیا کرو جو تمام لذتوں کا یکسر خاتمہ کرنے والی ہے''

رنگ رلیوں پہ زمانے کی نہ جانا اے دل
یہ خزاں ہے جو باندازِ بہار آئی ہے

وقت خدا کی بہت بڑی نعمت ہے اس کی جتنی قدر کی جائے کم ہے، ٹی وی

اور ویڈیو دیکھنے سے آخرت کا کون سا فائدہ ہوگا؟ بلکہ خسارہ ہی خسارہ ہے، اللہ کے ذکر سے غافل کرنے والی اور فکر آخرت کو ختم کرنے والی چیز ہے اور جو چیز انسان کو اللہ کے ذکر اور موت کے فکر اور اپنے مقصد حیات سے غافل کردے وہ منحوس اور بے کار ہے حدیث میں ہے:

من حسن اسلام المرء ترکه مالا یعنیه

یعنی انسان کے اسلام کی خوبی یہ ہے کہ وہ بے کار چیزوں کو چھوڑ دے

اور حدیث میں ہے:

عن ابی عمر رضی اللہ عنهما قال اتیت النبی صلی اللہ علیه سلم عاشر عشرة فقام رجل من الانصار فقال یانبی اللہ من اکیس الناس واحزم الناس قال اکثرهم ذکر اللموت واکثرهم استعداد للموت اولئک الاکیاس ذهبوا بشرف الدنیا وکرامة الآخرة

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ہم دس آدمی جس میں ایک میں بھی تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، ایک انصاری صحابیؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ سب سے زیادہ سمجھدار اور سب سے زیادہ محتاط آدمی کون ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو لوگ موت کو سب سے زیادہ یاد کرنے والے اور موت کے لئے سب سے زیادہ تیاری کرنے والے ہوں، یہی

لوگ ہیں جو دنیا کی شرافت اور آخرت کا اعزاز لے اڑے۔

(بحوالہ موت کی یاد از حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ مہاجر مدنی صفحہ ۳)

لہٰذا انسان کو جو وقت ملا ہے اسے موت اور آخرت کی تیاری میں صرف کرنا چاہیئے بے کار اور لغو کاموں میں وقت ضائع نہ کیا جائے۔

شیخ سعدی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ:

جز یاد دوست ہرچہ کنی عمر ضائع است
جز سر عشق ہرچہ بخوانی بطالت است

یاد الٰہی کے علاوہ کسی اور چیز میں مشغول ہونا عمر ضائع کرنا ہے عشق الٰہی کے سوا جو کچھ کیا جائے بے کار ہے۔

آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس رسالہ کے ذریعہ امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گانے بجانے سے اور ٹی وی، وی سی آر کی لعنت سے توبہ وتائب ہونے کی توفیق دے اور ہر اس چیز سے بچنے کی توفیق دے جو اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل کرنے والی ہو۔

بندہ احسان اللہ شائق عفا اللہ عنہ

۸ شعبان المعظم ۱۴۲۰ھ